علم الانسان ما لم یعلم

ڈاکٹر ذاکر حسین لائبریری

جامعہ ملیہ اسلامیہ

نئی دھلی

Rare.

شعبہ 923.254

شمارہ 168110

عدد داخلہ 427044

Rare.
Call No. 923.254 Acc. No 42704
168|H0

خطوط محمد علی

خطوط محمد علی

از

پروفیسر محمد سرور بی۔ اے آنرز (جامعہ)

مکتبہ جامعہ
دہلی۔ نئی دہلی۔ لاہور۔ لکھنؤ۔ بمبئی

۱۵۰ قیمت عہ/

اکتوبر ۱۹۴۰ء

مطبوعہ محبوب المطابع برقی پریس دہلی

Acc.

فہرست مضامین

دیباچہ

مولانا محمد علی مرحوم کے مضامین کے دو مجموعے شائع ہو چکے ہیں توقع سے زیادہ مضامین کا یہ سلسلہ ملک میں مقبول ہوا حصہ اول کی تو تمام جلدیں کم و بیش ایک برس میں نکل گئیں اور حصّہ دوم بھی عام طور پر پسند کیا گیا۔ مضامین کی اس مقبولیت سے پتہ چلتا ہے کہ اہل وطن کے دلوں میں مرحوم کی یاد اب تک تازہ ہے۔ گو زندگی میں مولانا کی ذاتِ گرامی اور ان کے کاموں سے کتنی ہی سرد مہری برتی لیکن اب انھیں مرحوم کی عظمت کا صحیح اندازہ ہو چلا ہے۔ ہماری بدقسمتی تھی کہ مرحوم کی زندگی میں ہم نے ان کی صحیح قدر نہ کی۔ خدا کرے اب اس کی تلافی ہو سکے۔

محمد علی مرحوم کے عقیدت مندوں کا پیہم اصرار تھا کہ ان کے خطوط کتابی شکل میں شائع کئے جائیں مضامین کے مقابلے میں یہ کام بہت مشکل تھا مضامین کو جمع کرنے میں تو زیادہ محنت نہیں کرنی پڑی تھی۔ ہمدرد کے فائلوں سے مولانا کے قلم سے لکھے ہوئے مضامین نقل کر لئے گئے، یہ مجموعہ پانچ چھ ہزار صفحات سے کم نہ تھا، مضامین بہت طویل تھے اور ان کا آپس میں کوئی خاص ربط نہ تھا اور اکثر تو ایک مضمون بھی مسلسل اور مربوط نہ تھا، اصل کام ان کی ترتیب کا تھا اور اس میں مرتب کو بڑی زحمت کرنی پڑی، آخر بڑی تگ و دو کے بعد مضامین

کی موجودہ ترتیب ممکن ہوسکی۔

خطوط کو مرتب کرنا تو کوئی ایسا کام نہیں۔ ہاں ان کے جمع کرنے کا مرحلہ بہت دشوار تھا، مولانا کے دوستوں کا حلقہ بہت وسیع تھا، مرحوم خود بڑے دوست نواز تھے۔ اور دوستوں کے بڑے چاہتے دوست۔ مولانا کو جس سے دوستی ہوتی بڑی گہری ہوتی۔ بلکہ یہ دوستی عشق ومحبت کے درجے تک پہنچ جاتی ظاہر ہے مرحوم نے بڑی کثرت سے اپنے دوستوں کو خط لکھے ہیں اور یہ خط صحیح معنوں میں ان کی زندگی کے آئینہ دار ہیں۔ خط لکھنے والے کا ظاہر وباطن ایک ہوجاتا ہے۔ وہ جو کچھ سوچتا ہے، اور جو کچھ اس کے دل پر گذرتی ہے، بلا تکلف اپنے دوستوں کو سنا دیتا ہے، مرحوم کا تو یہ حال تھا کہ وہ سیاست میں زمانہ سازی اور ظاہر داری کے قائل نہ تھے۔ دوستوں کے معاملے میں ایسا کیا حجاب ہو سکتا تھا، اس لئے وہ باتیں جو کسی خاص مصلحت سے زبان عام میں نہ کہی گئیں مولانا نے ان کو اپنے دوستوں سے کہنے میں تکلف نہ برتا۔ اس لحاظ سے مولانا کے خطوط کی اہمیت اور بھی بڑھ جاتی ہے اور مرحوم کی شخصیت کو سمجھنے میں ان خطوط سے بڑی مدد مل سکتی ہے۔

ان میں سے بیشتر خط کسی نہ کسی شکل میں پہلے چھپ چکے ہیں البتہ اس کتاب میں آپ کو یہ سب ایک جگہ مل جائیں گے، نواب محسن الملک کے نام کے خط حیاتِ محسن سے لئے گئے ہیں۔ مولانا سید سلیمان صاحب۔ مولانا مسعود علی صاحب اور قاضی عبدالغفار صاحب کے خطوط رسالہ جامعہ سے ماخوذ ہیں، اور خطوط کا بہت بڑا مجموعہ جو مولانا عبدالماجد صاحب دریا آبادی کے

نام ہے وہ سب کے سب "سچ" میں شائع ہو چکے ہیں۔ ایک خط گاندھی جی کے نام ہے جو ایک پرانے رسالے سے جو کہیں سنہ ۱۹۲۰ء اور ۱۹۲۲ء میں خطوط محمد علی شوکت علی کے نام سے چھپا تھا شائع ہو چکا ہے۔ یہ خط انگریزی سے ترجمہ کیا گیا ہے۔ اصل انگریزی خط سامنے نہ تھا۔ اردو ترجمے پر ہی اکتفا کر لیا گیا۔ مولانا عبد الباری صاحب، محترمہ بی اماں، مولانا محفوظ علی صاحب اور نواب صاحب جاورہ کے نام کے خطوط اب تک کہیں نہیں چھپے۔ یہ سب کتب خانہ جامعہ کے "محمد علی میوزم" سے مل گئے۔

یہ سب حضرات جن کے نام مولانا نے یہ خطوط لکھے ہیں کسی تعارف کے محتاج نہیں۔ نواب محسن الملک اپنے زمانے میں ملت اسلامیہ کے مسلمہ رہنما تھے اور علی گڑھ کالج کا انتظام ان کے ہاتھ میں تھا۔ مولانا عبد الباری صاحب مولانا کے پیر و مرشد تھے، بی اماں مرحوم کی والدہ ماجدہ ہیں۔ گاندھی جی کے نام جو خط ہے ترجمہ کی وجہ سے اس کا مفہوم واضح نہیں یہ خط تحریک ترک موالات اور خلافت کے عہد کی ایک تاریخی یادگار ہے۔ اس لئے اسے شامل کر لیا گیا ہے۔ نواب صاحب جاورہ کو جنگ عظیم کے زمانے میں جب مولانا نظر بند تھے یہ خط لکھا گیا۔ خط کے مضمون سے خط لکھنے کا باعث صاف ظاہر ہے۔ ان خطوط کے علاوہ باقی خط مرحوم نے اپنے عزیز دوستوں اور شرکاء کار کو وقتاً فوقتاً لکھے۔ محفوظ علی صاحب بدایونی مولانا کے پرانے ساتھی اور کامریڈ اور ہمدرد کے دور اول کے معاون و مددگار تھے۔ قاضی عبد الغفار صاحب ہمدرد کے اول دور میں معاون ایڈیٹر تھے مولانا سید

سلیمانؔ صاحب اور مسعود علی صاحب سے دار المصنفین کے کاموں کے سلسلے میں خط کتابت رہی، مولانا عبد الماجد صاحب کے ساتھ تو مرحوم کا بہت گہرا تعلق ہے، جو آخر دم تک قائم رہا۔ مولانا عبد الماجد صاحب کے نام جو خط ہے وہ مرحوم کی تمام سیاسی زندگی کا ایک اجمالی خلاصہ ہے، مرحوم نے ان خطوط میں اپنے دل کے تاثرات بلا کم و کاست بیان فرمائے ہیں۔ وہ سیاسی بحثیں جن کا بار بار ذکر ان خطوط میں کیا گیا ہے اور وہ اشخاص جن پر کھلے بندوں رائے زنی کی گئی ہے اب تک ہماری قومی اور سیاسی زندگی کا جزو ہیں۔ ڈر تھا کہ کسی بیان کی تلخی سے خطوط کی اشاعت کا اصل مقصد فوت نہ ہو جائے اس لئے بعض جملوں کی ضروری کانٹ چھانٹ اور ناموں کو حذف کرنا مناسب سمجھا گیا۔ اُمید ہے کہ قارئین مرتب کی اس جرأت کو قابل عفو سمجھیں گے۔

مولانا کے بے شمار خطوط کا یہ پہلا مجموعہ ہے جو ملک کے سامنے پیش کیا جاتا ہے ہمیں مرحوم کے دوستوں سے پوری اُمید ہے کہ وہ مولانا کے ان خطوط کو جو ان کے پاس موجود ہیں۔ اور وہ کسی حال میں ان کو اپنے سے جُدا نہیں کرنا چاہتے، اور نہیں تو کم سے کم ان کی نقلیں عنائت فرمانے میں تامل نہ کریں گے تاکہ خطوط کا دوسرا مجموعہ تیار ہو سکے اور مولانا کا تاریخ نگار اس متاع گراں۔ بار سے مستفید ہو۔

محمد سرور

جامعہ نگر

۱۳/ اکتوبر ۱۹۴۲ء

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

(۱)

مولانا عبدالباری صاحب کے نام

چھنڈواڑہ ۱۶ر جنوری ۱۹۱۸ء

حضور اقدس ۔ السلام علیکم

مدتیں ہوئیں کہ کوئی عریضہ حضور کی خدمت میں ارسال نہیں کیا، دُنیا کی عام مکروہات پر بعض زمانوں میں نظربندی کی خاص مکروہات کا اضافہ ہوتا رہتا ہے جس کا اثر باوجود اس انتباہ ربانی کے کہ لتبلون من اموالکم وانفسکم ولتسمعن من الذین اوتوا الکتٰب من قبلکم ومن الذین اشرکو اذیٰ کثیرا اور باوجود اس پیام تسکین وتشفی کے کہ وان تصبروا وتتقوا فان ذالک من عزم الامور دل پر کبھی کبھی ایسا ہو جاتا ہے کہ دامنِ صبر ہاتھ سے چھوٹ جانے کو ہوتا ہے مگر خداوند کریم نے اب تک تو اس قدر عزم امور عطا فرمایا ہے کہ صبر کئے بیٹھے ہیں اور اپنے مالک کے آگے سر جھکائے ہوئے ہیں کہ جو مرضی مولیٰ وہی از ہمہ اولیٰ ۔ یہ بھی خدا کا شکر ہے کہ اس زمانے کی مکروہات کا وہی وقت ہے جو ہمارے ہادی برحق صلی اللہ علیہ وسلم کی پیدائش ہجرت اور وفات کا وقت تھا چنانچہ اپنی مکروہات کا خیال کرنے

کے بعد جب آنحضرت کی پریشانیوں اور تکالیف کا خیال آتا ہے جو تیرہ برس اپنے وطن مالوف میں آپ کی صبر کی آزمائش سخت کرتی رہیں اور جن کا خاتمہ ہجرت و غربت اختیار کرنے پر بھی نہیں ہوا بلکہ حدیبیہ کی مہیز لگانے والی صلح تک برابر جاری رہا تو اپنے نفس سے شرمانا پڑتا ہے اور اپنے صبر کو صبر اور عزم امور کو عزم امور کہتے ہوئے شرم آتی ہے۔ جس وقت حضور پُر نور صلعم کا اسوۂ حسنہ سامنے موجود ہو تو پھر ہماری تحریر کیڑے مکوڑے سے بھی بدتر نظر آتی ہے۔

ابھی ہم مبتدیوں کو اس مکتب میں بہت کچھ مشق کرنا باقی ہے۔

اس کور دہ میں بھی خدا نے مسلمانوں کو اس کی توفیق عطا فرمائی کر مجالس میلاد منعقد ہوئیں ۔ اس میں بھائی کے علاوہ میں نے بھی حصہ لیا اور حسب فرمائش اہل اسلام حضور سرور کائنات مفتخر موجودات صلعم کی سیرت مبارک کے متعلق ہر شب کو گھنٹہ ڈیڑھ گھنٹہ بیان کرتا رہا

پہلی شب کو "رسالہ والی مسجد" میں جو بمبو نسلہ راجہ کے رسالہ کے لئے تعمیر ہوئی تھی اور جہاں ہم نماز جمعہ میں شریک ہوا کرتے ہیں دعائے خلیل بشارت موسیٰ ، نعمت سلیمان اور نوید مسیحا و دیگر انبیاء علیہم السلام دربارہ بعثت خاتم النبیین علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ذکر کیا گیا۔ جاہلیت کی حالت بیان کی گئی حسب و نسب کی تشریح کی ۔ عقد نکاح خدیجۃ الکبریٰ اور دیگر حالات قبل نبوت بیان گئے اول نزول وحی کی کیفیت بیان کی دوسری شب کو ابتدائے نبوت سے ہجرت تک کے حالات مسجد جامع میں بیان کئے۔

تیسری شب کو بنجاروں کے محلہ میں اُن کی مسجد میں جو پہلے

امام باڑے میں بھی ہجرت سے لے کر بدر و اُحد تک کے حالات بیان کئے۔

چوتھی شب میں باقر خاں صاحب کے مکان پر (جو یہاں ایک متوسط الحال بلکہ حقیقتاً کم مایہ مسلمان ہیں مگر اسلام میں کسی سے کم نہیں اور بہتوں سے بہت بڑھے ہوئے ہیں) بدر و اُحد کے بقیہ حالات اور بنی نضیر و بنی قریظہ کی گوشمالی اور واقعۂ خندق کے حالات بیان کئے اور صلح حدیبیہ کی کل تفصیل بیان کی پانچویں شب کو سنگر وڑی محلہ کی مسجد میں خیبر، فتح مکہ، حنین، غزوہ تبوک کے حالات بیان کرکے آخری حج اور اخراج مشرکین از ارض حرم پاک کے حکم کا ذکر کیا اور وفات آں حضرت کا بیان کرکے کچھ آپ کی خصائل و شمائل کا بیان کیا۔

چھٹی شب یہاں کے نان پاؤ (ڈبل روٹی) بسکٹ بنانے والے کی خاص فرمائش سے آپ کے صحابۂ کرام کے وہ حالات بیان کئے جن سے نبی اکرم صلعم کی تعلیم کا اُن پر اثر ظاہر ہو، ورجو حالت جاہلیت تھی اس کا حالت ابتدائے اسلام سے مقابلہ و موازنہ کیا۔

ساتویں شب کو یہاں کے رئیس اعظم نہیں تو ابن رئیس اعظم و ابن رئیس اعظم محمد اعظم خاں صاحب کی والدہ کے حکم کے مطابق بیان کیا گیا کہ اسلام نے اور پیغمبر اسلام صلعم نے دنیا کی عورتوں پر کیا کیا احسان فرمائے اور عورتیں ابتدائے اسلام کے زمانے میں کس طرح اتباع سنت نبوی کرتی تھیں اور مرد عورت کے تعلقات کو اسلام نے کس

طرح ہمیشہ کے لیے منظم و مرتب کر دیا اور اتباع مصلحین زمانہ حال سے مستغنی کر دیا۔

آٹھویں شب کو یہاں کے دو اور متوسط الحال مسلمانوں کے ہاں محفل میلاد ہونے والی تھی مگر یہاں کے خان بہادر صاحب کے ایک عزیز کی وفات حسرت آیات کے باعث یہ محفل نویں شب کو ملتوی ہو گئی ورنہ سلسلۂ ناتمام ہی معلوم ہوتا تھا۔ نویں شب کو تعلیم اسلام کی حقیقت عبدیت اور نیابت الٰہی امر بالمعروف اور نہی عن المنکر اور تبلیغ اسلام کے فرض اولیٰ ہونے کی نسبت کچھ عرض کیا گیا اور بتایا گیا کہ ہمارے رسول اکرم صلعم کیوں آخر الزمان ہوئے۔ مسلمان روز حشر گواہ ہوں گے کہ ہم نے بعد ظہور اسلام ہر زمانے میں اور ہر قوم کو اور ہر گوشۂ دنیا میں پیغام حق سنا دیا اور سب کو عذاب الٰہی سے ڈرا دیا اور جنت کی بشارت دے دی اور اگر اس میں کوئی مسلمان کوتاہی کرے گا تو کس طرح رسول صلعم بجائے شفاعت کے اس کے خلاف خود گواہی دیں گے کہ میں نے ہر کہ و مہ کو پیغام حق بلا کم و کاست پہنچا دیا تھا اور سب کو جتا دیا تھا کہ ہر مسلمان پر امر بالمعروف اور نہی عن المنکر فرض ہے اور وہ اسی کے لئے پیدا کئے گئے ہیں اور اسی باعث خیر امّۃ کا لقب ان کو دیا گیا ہے

ازمنہ ماضیہ کا اور ان کے مسلمانوں کا جو حال ہم پڑھتے ہیں تو معلوم ہوتا ہے کہ وہ انسان نہ تھے بلکہ کوئی اور مخلوقات کی قسم میں سے تھے۔ مگر اس گئے گزرے زمانے میں یہاں کے غریب اور اکثر بے علم مسلمانوں کی حالت اس زمانے کی دیکھ کر اندازہ ہو سکتا ہے

کہ یہ ہمارا ہی قصور ہے کہ آج کل کے مسلم "مسلم زُنّار دار" کے لقب کے مستحق ہیں، حضور پر روشن ہے کہ میرا مبلغ علم کس قدر کم ہے یہاں کتابیں بھی موجود نہ تھیں کہ یہاں کے لوگوں کی قدر افزائی سے متاثر ہو کر کچھ دیکھ لیتا اور بیان کرتا۔ مدرسے کے بچوں کی پڑھنے کی چند کتابیں تھیں جو اپنی لڑکیوں اور بھائی کے بچوں کے لئے اور یہاں رسالے والی مسجد کے مکتب کے لئے منگائی گئی تھیں۔ ابن خلدون کی تاریخ تھی مگر ایک دوست وہی دو جلدیں رام پور لے گئے تھے جن میں آنحضرت کے حالات درج تھے۔ حدیث شریف کی وہ کتابیں تھیں جو حضور نے بہ کمال کرم مرحمت فرمائی تھیں، البتہ خود صحیح ترین مورخین یعنی خداوند قدوس کا قرآن پاک موجود تھا اور حضور کی بھیجی ہوئی شاہ صاحب کی مختصر موضح الفرقان۔ ایک دو دن کے بعد بہت مواد فراہم ہوگیا تھا مگر خوف تھا کہ شاید عوام کی دلچسپی کا باعث نہ ہو۔ یہاں نہ شعر و شاعری تھی نہ خوش الحانی نہ کوئی تقدس کے آثار۔ اور اگر یہ سمجھ لیا جائے کہ خیر دنیا دار ہی سہی تب بھی جو کچھ شہرت تھی وہ دنیوی سیاست کے متعلق تھی اور یہاں موضوع کو سیاست حال سے کوئی بھی تعلق نہ تھا بلکہ اشارۃً و کنایۃً کبھی امور دنیوی اور خصوصاً سیاست کا ذکر نہ تھا۔ ایسی جماعت، ایسا موضوع، ایسا بیان کرنے والا خوف کیا بلکہ یقین تھا کہ لوگوں کو دلچسپی ہرگز نہ ہوگی۔ آج کل تو لوگوں کی ہر جگہ یہ حالت ہے کہ جس بیان میں سیاست کی چاشنی اور حریت کا قوام نہ ہو مزا ہی نہیں آتا۔ یہ محفل تو ایک پھیکی سیٹھی کھچڑی کی طرح ہوتی ہے جس کو ایک اناڑی نے ہنڈیا میں چڑھا دیا ہو جسے نمک اور پانی تک صحیح ڈالنا نہ آتا ہو

مگر خداوند کریم کا لاکھ لاکھ احسان ہے کہ لوگوں نے اس پھیکی سیٹھی دیوانی ہنڈیا کو بھی مزے لے لے کر کھایا اور خوب شکم سیر ہو کر کھایا۔ پہلے روز تو میں خود یہی سمجھتا رہا کہ ان سیدھے سادے اور خشک سے تاریخی واقعات اور روایات صحیحہ (جن کا انتخاب نہایت احتیاط سے کیا گیا تھا) کو سننے کے بعد لوگ اب دوسرے روز کم تعداد میں شریک مجلس ہوں گے مگر دوسرے روز تعداد اور بھی زیادہ تھی اور لوگوں کے شوق کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ باوجودے کہ مجالس ہر شب کو ساڑھے بارہ بلکہ ایک بجے تک ہوتی تھیں اور تقسیم تبرک وغیرہ میں گھر پہنچتے پہنچتے دو ڈھائی بج جایا کرتے تھے اور سردی بھی شدت کی تھی اور کئی جگہ تو کھلے میدان میں لوگوں کو بیٹھنا پڑا اور جہاں بہت انتظام تھا وہاں محض چھت گیری کے نیچے شبنم سے پناہ ملتی تھی اور عمارت میں سب لوگ نہ سما سکتے تھے تاہم یہاں کے غریب پیشہ ور اور کاروباری لوگ برابر آٹھوں محفلوں میں متواتر آتے رہے اور کسی مجلس میں کمی محسوس نہ ہوئی۔ میں نے جان کر اپنے بیان کو واضح رکھا تھا اور اسلام کے سیدھے سادے مسائل کی تشریح اور رسول مقبول کی پاک اور معصوم زندگی کے روزمرہ کے حالات ہی تک اپنے بیان کو محدود رکھا تھا مسلمان تو مسلمان چند ہنود بھی شوق سے آتے رہے خدا کرے کہ نہ صرف مسلمانوں پر اچھا اثر ہو بلکہ ہمارے ہم ملک ہندو بھائیوں پر بھی اسلام کی روشنی پر تو فگن ہو۔ حضور والا ان حالات کو دیکھ کر اپنی گزشتہ زندگی کو تضیع اوقات سمجھنے لگا ہوں۔ معاش کجا و معاد کجا۔ کاش وہ زمانہ بھی اسلام کی سچی تعلیم کی ترویج میں صرف ہوتا مگر کل امر مرہون باوقاتہا نہ معلوم خداوند

دو عالم کی کوئی مصلحت مضمر ہو تو ہم بھی اپنے کو احرار میں سمجھتے تھے مگر اب سمجھے کہ حریت صرف عبدیت سے حاصل ہو سکتی ہے۔

احرار زمانے میں لقب کیوں نہ ہوا بتا
احمد کی غلامی کی سند پائے ہوئے ہیں

جتنا سر یہاں خداوند کریم کی بارگاہ میں جھکے گا اتنا اغیار کے سامنے اور اہل دنیا کے روبرو اٹھے گا۔ خلافت ارضی صرف صالحین کے لئے ہے اور اسلام ہی اصلاح ہے۔ باقی سب افساد ہے مالک الملک نے اسی کو وہ سنت مقرر فرمایا ہے جس میں تحویل و تبدیل کی گنجائش ہی نہیں بقول اقبال ع

مسلم آئین ہوا کافر تو ملے حور و قصور

سچ ہے۔ ع

ہم میں حوروں کا کوئی چاہنے والا ہی نہیں

خدا کی ذات سے امید ہے کہ اس شہر میں بھی اب مسلمان پابند صوم و صلوٰۃ ہو جائیں گے اور اتباع سنت رسول اکرم صلعم کی انھیں توفیق عطا ہوگی۔ کتنے بچے ہیں کہ بے کار اور آوارہ پھرا کرتے تھے۔ رسالہ والی مسجد کے امام صاحب نے مکتب کھول رکھا ہے جہاں ابتدائی تعلیم اردو اور قرآن پاک کی ہوتی ہے۔ چالیس پچاس بچے اس طرح گھر گئے ہیں۔ اب امید ہے کہ ان محافل متبرکہ کے بعد مسلمانوں کو بچوں کی تعلیم کی طرف اور بھی زیادہ توجہ ہوگی افسوس کہ تبلیغ اسلام کا کوئی سلسلہ ان اضلاع میں قائم نہیں۔ ورنہ میرا خیال ہے کہ یہاں کے شجر و حجر کے پوجنے والے گونڈ اور کوہیں تو ضرور ایمان سے مشرف ہو جائیں۔

عیسائیوں کے یہاں بھی ایک دو مشن قائم ہیں۔ اس ضلع میں ایک نہایت دین دار اور متقی صوفی منش بزرگ ایک ادنیٰ سے عہدہ پر ملازم سرکار ہیں مگر ہزاروں لوگ اُن کی قدر و منزلت کرتے ہیں اور در اصل جو عظمت یہاں اُن کی ہے وہ کسی بڑے سے بڑے حاکم کی بھی نہیں ہو سکتی۔ وہ اپنے فرائض منصبی ہمیشہ انجام دیتے رہتے ہیں مگر اُن فرائض سے غافل نہیں جو احکم الحاکمین نے اُن پر عائد فرمائے ہیں امید ہے کہ ان کے فیض سے یہاں کے لوگ جو مسلمان کہلائے جاتے ہیں سچے مسلمان ہوں گے اور "ادخلوا فی السلم کافۃ" کے حکم پر عامل ہوں گے اور جو مسلمان نام کو بھی نہیں وہ دائرہ اسلام میں داخل ہوں گے۔ ناگپور کے قریب ایک مجذوب بزرگ جنگل میں رہتے ہیں اُن کے گرد تو ہمیشہ ایک جمگھٹا رہتا ہے۔ پارسی اور ہنود اور چند عیسائی بھی اُن کے معتقد ہیں۔ اگر کوئی ذی ہوش اور سچا مسلمان ان کی خدمت میں حاضر رہے تو تبلیغ اسلام نہایت عمدگی اور سہولت سے کر سکتا ہے۔ ہم اُن کے سلسلۂ پاک میں داخل ہیں جن کو سلطان الہند کا لقب اسی لئے ملا تھا کہ اُنھوں نے کفرستان میں تخم ایمان و اسلام کی کاشت فرمائی چنانچہ آج وہ ۷ کروڑ جن پر مسلم لیگ کو اس قدر ناز ہے انھیں کی تخم ریزی کا نتیجہ اور انھیں کی سعی مشکور کی کھیتی ہیں جو کچھ پات اُس کھیتی میں اُگ آیا ہے اور جو حصے ہمارے باران سعی سے سیراب نہیں ہوئے اُن کی طرف ہم رعایائے سلطان الہند غریب نواز کو ضرور توجہ کرنی چاہیئے۔ انگلستان میں خواجہ کمال الدین صاحب خوب کوشش فرما رہے ہیں اور وہ لوگ جو اس نئی تہذیب کا

پھل دو تین سال سے خوب چکھ چکے ہیں بلکہ اُس سے سیر ہی نہیں بیزار بھی ہو گئے ہیں، ایمان لا رہے ہیں خاص دوکنگ میں جہاں میں نے خواجہ صاحب سے اواخر ۱۹۱۳ء میں ملاقات کی تھی متعدد خاندان انگریزوں کے ایمان سے مشرف ہو گئے اور اگر اسی استقلال سے اور ذرا زیادہ تیزی کے ساتھ کام ہوا تو ذرا بعید نہیں کہ ایک بڑی تعداد انگریزوں کی مشرف بہ اسلام ہو جائے مگر خود ہندوستان میں کوشش ضروری ہے۔ مجھے بڑودہ کی ریاست کے جنگلی علاقہ کا تجربہ ہے کہ وہاں پرجا کی کالی پرج جو یہاں کے گونڈوں کی طرح ہے نہایت آسانی سے اسلام قبول کر سکتی ہے اور اگر جو طریقہ وہاں سود مند ثابت ہوتا تھا یہاں بھی برتا جائے تو امید ہے کہ گونڈوں میں بھی اسلام کی روشنی پھیل جائے گی۔ ہم اس فرصت کو غنیمت جانتے ہیں مگر کہیں آ جا نہیں سکتے جو کچھ ہو سکتا ہے یہاں رہ کر اپنے بھائیوں کی اصلاح کرتے ہیں۔

دعا فرمائیے کہ ہماری سعی مشکور ہو اور بارآور ہو۔ آمین

اب رخصت ہوتا ہوں۔ مولانا سلامت اللہ صاحب اور الطاف میاں اور سعید میاں وغیرہم کو سلام شوق۔

حضور کا عزیز عقیدت مند

نواب محسن الملک کے نام
(۱)

۲۶ر نومبر ۱۹۰۶ء

باوجود غم ہائے خانگی میں اپنی ستمبر کی تحریر کے جواب کا منتظر ہوں اب تو لاٹ صاحب اور لارڈ کچنر بھی آچکے اور ڈپوٹیشن کب کا ٹھنڈا ہو چکا۔ دوسرے کام ضرور ہوں گے مگر وہ تو جان کے ساتھ ہیں ؎

قید حیات و بند غم اصل میں دونوں ایک ہیں
موت سے پہلے آدمی غم سے نجات پائے کیوں

انھیں مکروہات زندگی میں میرے خط کو بھی سمجھ لیجئے اور جواب دیجئے مگر جواب صاف ہو گو جواب تلخ ہی کیوں نہ ہو۔ حال کے واقعات کا ذکر سن کر میں اپنے عزیز کی موت کو بھی بھول گیا اور کالج و قوم کی وفات پر انا للہ و انا الیہ راجعون پڑھ کر دو چار آنسو بہا لیتا ہوں، بہتر ہے کہ جو کچھ ہوا، اب آپ اس مردہ قوم کو اس کے حال پر چھوڑ دیں اور اپنی بوڑھی ہڈیوں کو آرام دے لیں، ساری

عمر انھیں آرام نصیب نہیں ہوا ہے" لاٹ صاحب آئے، لارڈ کچنر گئے، امیر صاحب آئیں گے اور لارڈ منٹو تشریف لائیں گے، مگر ماراچہ ازیں قصہ۔ نہ ان سے کالج کو فائدہ پہنچا ہے نہ قوم کو نہ آپ کو، مسلمانوں کو چند بڑی یا چھوٹی نوکریاں مل جائیں گی آپ کو ایک ذلیل اور بے وقعت خطاب عطا ہوگا مگر یورپین شاف کا نام بھی ہوگا، عزت بھی بڑھے گی اور اُن کو قوم کا روپیہ بھی جس کو آپ نے خون بہا کر پیدا کیا ہے ملے گا۔ چشم ما روشن دل ما شاد۔ آپ کو ایک دن سید احمد خاں سے ملنا ہے۔ اُن کو کیا جواب دیجئے گا جعلناک فی الارض خلیفۃً کی یہی تفسیر ہے"۔

نواب صاحب کا جواب

میں کل دہلی جاتا ہوں پھر وہاں سے بمبئی جاؤں گا اور وہاں سے لکھنؤ اور الٰہ آباد اور الٰہ آباد سے کلکتہ اور ڈھاکہ کو، آپ کے سوالات کا جواب اس وقت نہیں دے سکتا۔ ہز مجسٹی امیر کابل جب آئیں گے اُس وقت آپ کو آنا ہوگا اور مل کر تمام باتوں کا تصفیہ ہوگا۔ یہ اُس صورت میں جب کہ آپ مجھے اپنا بزرگ یا اپنا دوست سمجھو اور اگر تم اپنے آپ کو ممبر اور مجھے سکرٹری سمجھنے پر راضی ہو اور صرف یہی تعلقات رکھنا چاہتے ہو اور کالج کو پارلیمنٹ بنانا اور مجھے سیکرٹری آف سٹیٹ کا درجہ دینا مفید سمجھتے ہو تو میں ضابطہ کے سوالات کے جواب دینے کو اصولاً پہلے اس کا تصفیہ کرنا چاہیئے کہ ہمارے اور تمہارے

درمیان تعلقات کیا ہیں اور کیا رہنے چاہئیں، اس کے بعد سارا مرحلہ آسان ہے۔"

(۲)

۱۰ر دسمبر ۱۹۰۶ء

جناب والا۔ شرف نامہ مورخہ ۲۹ر نومبر ملا۔ کثرت کار کی وجہ سے ایسی اہم تحریر کا جواب اب تک نہ دے سکا۔ افسوس ہے کہ آپ دہلی ہوکر بمبئی تشریف لے گئے اور مجھ سے بغیر ملے گئے۔ یہ برتاؤ سکریٹری کالج و کانفرنس کے شایاں ہو یا نہ ہو مگر میرے ایک عزیز بزرگ اور شفیق سرپرست کی محبت سے بعید تھا۔ آپ فرماتے ہیں کہ یہ سوالات ابھی نہ کرو جب امیر صاحب آدیں گے فیصلہ ہوجائے گا اور یہ اس صورت میں کہ تم مجھے اپنا بزرگ یا دوست سمجھو

نواب صاحب قبلہ۔ آپ آج اس رگ کو چھیڑتے ہیں جو بہت عرصے سے نشتر کی لذت سے آشنا ہو رہی ہے انسان کے دل کا حال سوائے اس کے یا اس کے خدا کے دوسروں پر ظاہر نہیں ہوتا اگر ہوسکتا تو آپ یہ سوال نہیں کرتے کہ کیا تم مجھے اپنا بزرگ یا دوست سمجھتے ہو۔ جو محبت آپ کی میرے دل میں ہے کاش وہ محبت آپ کے عزیزوں کے دل میں بھی ہو، اگر آپ کو باور نہیں تو میرے بیان

سوائے اس مضغہ گوشت کے جس کو لوگ دل کہتے ہیں اور جس کو ہر زمانہ اور ہر ملک کے شعرا نے محبت کا ذخیرہ اور دفینہ مانا ہے، کوئی گواہ، کوئی شاہد، کوئی ثبوت نہیں، مگر میں یہ کہے بغیر بھی نہیں رہ سکتا کہ مجھے سوائے آپ کے اوروں سے بھی انس والفت ہے اوروں کو بھی عزیز سمجھتا ہوں جن میں سے ہم پانچ بھائیوں کا سرتاج مگر میرے نزدیک میرا اکلوتا بھائی شوکت ہی ہے، شاید اس سے تو کسی کو بھی انکار نہ ہوگا

اب اگر میں دیکھوں کہ میرا بھائی شوکت کوئی ایسا کام کرتا ہو جو میری قوم کے لئے مضر ہے، میرے ملک کو نقصان کا باعث ہے یا میرے ہم وطنوں کے لئے تباہ کن ہے تو واللہ باللہ مجھے اس میں دریغ نہ ہوگا کہ دو چھریاں تیز کروں اور ایک اس کے گلے پر دل کو یارات کو چھپے، چوری یا علانیہ، زبردستی یا دھوکے سے پھیر دوں پھر بہ تقاضائے محبت دوسری اپنے گلے پر بھی پھیر دوں جو حرکت نابینا سیمسن (Samson) نے فلسطینوں (Philistines) کے ساتھ کی تھی اور اپنے اوپر اور ساری قوم پر ایک عظیم الشان عمارت کو ڈھا دیا تھا اور جس آفت میں اوروں کو پھنسایا تھا اسی میں خود پھنس کر مرگیا تھا، وہی کام کرنا غیرت قومی کا تقاضہ ہے اور وہی موت مرنا میری محبت ذاتی کے لئے موزوں ہے۔

جب یہ میرے خیالات ہوں تو کیا آپ جو قبر میں پیر لٹکائے بیٹھے ہیں مجھ کم عمر خادم قوم سے کہہ سکتے ہیں کہ بھائی تو قوم کو مارتا ہے تو مار، بچوں، عورتوں، جوانوں کو تباہ کرتا ہے تو تباہ کر، خود جہاں

مرگ مرتا ہے تو مر، مگر میری مٹھی بھر بوڑھی ہڈیوں کو بچائے رکھنا، نواب صاحب! کیا ساری عمر آپ کا یہی شیوہ رہا ہے؟ نہیں ہرگز نہیں۔ کیا سر سید احمد خاں کا یہی اصول تھا؟ نہیں کبھی نہیں۔ تو پھر اس کے کیا معنی ہیں کہ اگر تم مجھ کو اپنا بزرگ یا دوست سمجھتے ہو تو تم سے امید ہے کہ ایک قومی بے عزتی کو میری خاطر گوارا کر لوگے، مسلمانوں کے جوتیاں لگوا لوگے، ان کو سب قوموں میں ذلیل کرا لوگے تاکہ میں، ایک مشکل اور نازک کام سے سبکدوش ہو جاؤں۔

میرے شفیق، یہ نہ سمجھنا کہ میں آپ پر ذاتی بزدلی یا خود غرضی کی تہمت دھرنا چاہتا ہوں، حاشا وکلاّ میرا ایسا خیال نہ کبھی تھا نہ اب ہے۔ مجھے علم ہے کہ آپ کی ساری عمر کی کوششیں صرف اس . . تمغہ قیصر ہند کی تمنا میں نہ تھیں، نہ آئندہ کسی صلہ یا خطاب کی آرزو میں جاری رہیں گی، اب آپ منزل عمر کے اُس حصہ پر آگئے ہیں کہ ذرا گردن اٹھا کر عالم جزا کی سیر بھی کر سکتے ہیں اور آپ کی نظر میں یہاں کے انعام اور صلے، بیجے اور جھوٹے، سلمے ستارے سے زائد وقعت نہیں رکھتے گو خدا اُس زمانے کو ابھی دور رکھے۔ مگر آپ کو معلوم ہے کہ وہ زمانہ کچھ ایسا دور نہیں ہے جب کہ آپ ایسی جگہ چلے جائیں گے جہاں نہ نائٹ ہڈ کی فکر ہے۔ نہ تمغوں کی تمنا، جہاں نہ آرزو ہے نہ خواہش ویبقیٰ وجہ ربک ذوالجلال والاکرام اور رضوان اللہ ہی سب سے بڑا آرڈر ہے اور سب سے معزز تمغہ۔ جو کچھ آپ کر رہے ہیں قوم کی خاطر اور سب سے بڑا ثبوت آپ کی محبت کا یہ ہے کہ اس کی بہبودی کے لئے آپ ہر ذاتی بے عزتی اور ہر ذاتی بے حرمتی کو گوارا کر رہے

ہیں اور زہر ہلاہل کے گھونٹ شربت کے سے مزے لے لے کر پی رہے ہیں، مگر جو راستہ آپ نے لیا ہے وہ آپ کو منزل مقصود تک ہرگز نہ پہنچائے گا ؎

عزم سفر مغرب در دور مشرق
اے راہ رو پشت بہ منزل ہشدار

یہ کعبے کی راہ نہیں ہے یہ ترکستان کا راستہ ہے، یہ غلطی آپ کے دل کی نہیں دماغ کی ہے۔

یہ کہنا چھوٹا منہ بڑی بات ہے مگر بسا اوقات ایسا ہوا ہے کہ بڑوں کو چھوٹوں کے ایک اشارے نے مدد دی ہے، بائبل میں درج ہے کہ خدا لوگوں کی ہدایت شیرخوار بچوں کی زبان سے کرا دیتا ہے مجھے بھی اُن شیرخواروں میں سے سمجھ لیجئے میرے پاس وحی نہیں آتی، مجھے الہام نہیں ہوتا مگر تائید غیبی کے ہزار راستے ہیں، اور میرا دل گواہی دیتا ہے کہ میں حق بہ جانب ہوں اور اگر آپ اولی الابصار میں سے ہیں تو ممکن ہے کہ میرے ہی توسط سے ہدایت پا جائیں۔ انگریزی کا مقولہ ہے کہ

Discretion is the better part of valour

مگر بسا اوقات یہی صحیح ہو جاتا ہے

Valour is the best discretion

جس طرح سے لوگ کہتے ہیں کہ ایمانداری ہی سب سے بہتر حکمت عملی ہے۔ اسی طرح میں کہتا ہوں کہ آج ہماری قوم کے لئے بہت ہی سب سے عمدہ ترکیب ہے۔

مصرعہ ٹھیک نہیں۔

آپ کی تحریر کا منشا، صرف یہ ہے کہ گو واقعہ سخت ناگوار ہے
مسٹر آرچبولڈ نے سخت غلطی کی اور قوم کی سخت بے آبروئی ہوئی۔
مگر ایک انگریز سے اُس کی سخت سے سخت غلطی کا اعتراف کرانا اور
جس شخص یا جس جماعت کے ساتھ بُرا سلوک کیا گیا ہے ایک انگریز
کا اُس شخص یا اُس جماعت سے معافی منگوانا بمنزلہ ناممکنات کے ہے
یہ سب اس وجہ سے کہ وہ شخص انگریز ہے گو ہمارا نوکر اور جس شخص یا
جس جماعت کے ساتھ ناواجب سلوک ہوا وہ ہندوستانی گو آقا۔

اب آپ فرمایئے کہ اگر اسی طرح اس معاملے کو رفع دفع کر دیا
گیا تو آپ کس طرح اطمینان کرا سکتے ہیں کہ آئندہ اس قسم کے واقعات
پیش نہ آئیں گے اور اگر کوئی اطمینان نہیں ہو سکتا تو سوائے اس کے
کیا مطلب ہے کہ ایک بنیے کی طرح ہم بھی کہیں کہ "سارے اب کے تو
مار" اس واقعہ کو رفع دفع کرنے کا صرف یہی نتیجہ ہوگا کہ موذی
کی ہمت دوچند ہو جائے گی اور آئندہ اس سے بھی زیادہ ایذا پہنچے
گی۔ کوئی شخص جس کو خدا نے غیرت و حمیت دی ہے کالج کے معاملات
میں شریک نہ ہو سکے گا اور جب ہم اس کی شرکت سے دور رہے تو
وہ ہمارا کالج کس طرح رہا۔ اگر ہمیں قومی کالج قائم رکھنے کا خیال ہے
تو مجبوراً ایک دوسرا کالج قائم کرنا پڑے گا جس میں کسی انگریز
یا گورنمنٹ سے کسی طرح کی مدد نہ لی جائے گی، یا اگر یہ ناممکن ہوا تو
قومی کالج کو خیرباد کہہ کر اور قوم کا (بحیثیت قوم) جنازہ نکال کر
اُسے سرسید کی قبر کے بازو میں دفن کر دیں گے اور دو چار آنسو بہا کر
اپنے ارادوں اور منصوبوں کو بھول جائیں گے

آپ شاید فرمائیں کہ مسٹر آرچبولڈ سے اور آپ سے اس معاملے میں گفتگو ہو چکی ہے آئندہ وہ کبھی ایسا نہ کریں گے اور اپنے کیے پر پشیمان ہیں۔ اگر یہ امر واقعہ ہے تو سخت افسوس ہے مسٹر آرچبولڈ کی بزدلی پر کہ جس کام کو یعنی معافی مانگنے کو وہ درست و بجا سمجھتے ہیں صرف تھوڑی دیر کی ذلت کے خیال سے اُس کے کرنے سے ہچکچاتے ہیں اور افسوس ہے کہ اُن کی خود غرضی پر کہ وہ اپنی ذرا سی ذلت کا تو اتنا خیال کرتے ہیں اور ایک شریف مسلمان، فدائے قوم اور اس کی قوم کی ذلت کا ذرا پاس نہیں کرتے۔ ایک غلطی کرنا شرمناک ہے مگر اس کا اعتراف نہ کرنا اُس سے زیادہ گناہ ہے اور دل میں اعتراف کرنا اور زبان سے اُس کا ادا نہ کرنا سب سے بدتر عذر گناہ، بدتر از گناہ۔ اگر مسٹر آرچبولڈ معافی مانگنے پر راضی نہیں تو صرف یہی ممکن ہے کہ ٹرسٹیان کالج ان کو خیرباد کہیں۔ مگر آپ فرمائیں گے کہ اس کا صریح نتیجہ یہ ہوگا کہ سارا یورپین اسٹاف کالج چھوڑ کر چلا جائے گا پھر کوئی یورپین کالج میں نہ آئے گا اور گورنمنٹ کالج کی مدد نہ کرے گی اور اُس کی مخالفت کرے گی۔

یہ اعتراض بظاہر بہت قوی ہے مگر دراصل نہایت کمزور ہے۔ کیا آپ بھول گئے ہیں کہ سرسید کی اُن پُرزور تحریروں کو جو پنجاب یونیورسٹی قائم ہوتے وقت اُنھوں نے ورناکیولر یونیورسٹی کے خلاف لکھی تھیں اور صاف صاف کہہ دیا تھا کہ اگر گورنمنٹ ہماری تعلیم کو بگاڑنا چاہتی ہے تو ہمارا فرض ہے کہ ہم اپنا کالج علیحدہ کھولیں اور اپنی اولاد کو گورنمنٹ کے مدارس سے یک لخت اٹھالیں

اگر آپ میں بھی وہی ہمت ہے تو آپ یہ اعتراض کبھی پیش نہ کریں گے ، میں اس کام کی مشکلات سے بخوبی واقف ہوں اور خوب جانتا ہوں کہ یہ بلا کا سامنا ہوگا ۔ مگر یہ فیصلہ ہوگا آپ کی قوم کا اور اگر یہ نیم جان اس قابل ہے کہ علاج و معالجے سے اسے کچھ فائدہ ہو سکتا ہے تو وہ آج ہی ثابت ہو جائے گا ، اگر قوم میں اس قدر طاقت نہیں ہے اور اگر اُس کے لیڈرز اُس کام کے اہل نہیں ہیں تو کاہے کو یہ سب کھڑ ہنگا لگا ہے ، جہاں قوم کل مرنے والی ہے وہاں آج ہی مر جائے تو بہتر۔

مگر میں سمجھتا ہوں کہ گورنمنٹ اس قسم کا فیصلہ کبھی نہیں کر سکتی اور یورپین پروفیسر لانے کا میرا ذمہ ۔ آکسفورڈ سے دس قابل یورپین انھیں تنخواہوں پر لا دوں گا ۔ مسٹر آرنلڈ اور مسٹر کیری اب بھی آجائیں گے ورنہ اپنے تعصب کا صاف اظہار کر دیں گے اور گورنمنٹ کو اس وقت مسلمانوں کا خوش رکھنا منظور رہے ۔ ہر طرف مسلمانوں کی تعریف کا غلغلہ ہے اور کالج کا نام ہر فرد بشر کی زبان پر ہے اگر یورپین اسٹاف ایسے موقع پر کالج چھوڑ کر چلا جائے گا تو بھی کسی کو کچھ کہنے کی گنجائش نہ ہوگی ۔ کیوں کہ اپنے ہی منہ سے کالج کو اچھا کہہ چکے ہیں اس وقت اگر شور شغب ہوا تو ایک اعلان اصل وجوہ کا شائع کیا جا سکتا ہے اور ثبوت آپ کے پاس اس قدر صاف اور کافی ہے کہ پھر کچھ کرنے کی ضرورت نہ ہوگی اور لارڈ منٹو سے آپ بالمشافہ گفتگو کر سکیں گے ۔ سر میکلڈ فلر کے استعفے کے بعد کسی انگریز کا کالج سے علیحدہ ہونا نہایت غیر موزوں ہوگا ، کیونکہ جب گورنمنٹ نے ایسے سکولوں تک کو نہ توڑا جہاں مخالفت کھلم کھلا ہوتی تھی اور ایک لفٹنٹ گورنر کو علیحدہ

کر دیا تو جس کالج کی وفاداری زبانِ زد خلائق ہے اُس کو انگریزوں یا گورنمنٹ کا دشمن ثابت کرنا اور اُسے نقصان پہنچانا بالکل ناممکن ہوگا۔

یہ معاملہ سخت مشکل ہے، سخت نازک ہے، سخت اہم ہے یہ سب سہی مگر ایسی ہی مشکلات کا سامنا کرنا مردوں کا کام ہے۔ سر بلفلڈ کا مستعفی ہونا، کالج کی تعریف پرنس آف ویلز کی زبانی اور لارڈ کچنر اور لارڈ منٹو اور امیر کابل کا کالج میں آکر اُس کی تعریف کرنا اور سب اخبارات کا اُس کی تائید کرنا، ڈیپوٹیشن کا شملہ جانا اور بانیل مرام واپس آنا سوائے مشیتِ ایزدی کے کچھ نہیں اگر اس موقع کو ہاتھ سے دے دیا تو سمجھ لیجئے کہ آپ مسلمانوں کے لیڈر نہ ہوں گے بلکہ ہر بے ریشا یوروپین پروفیسر اپنے کو اس قوم کا فرعون سمجھے گا نہ یہ مصلحتیں موجود ہوں گی نہ آپ میں وہ طاقت ہوگی ہمیشہ کے لیے کالج آپ کے اور ہمارے ہاتھوں سے نکل جائے گا۔

حبیب اللہ خاں صاحب اتفاقاً مجھے غازی آباد کے اسٹیشن پر مل گئے تھے اُنھوں نے میرے سوالات کے جواب میں یہ فرمایا کہ مجھے ان چند ماہ کے ذاتی تجربے سے ثابت ہوگیا ہے کہ کالج کبھی کا مسلمانوں کے ہاتھوں سے نکل گیا۔ مگر مجھے اب بھی امید ہے، کاش آپ مایوس نہ کر دیں۔ رہا آپ کو سکرٹری آف سٹیٹ سمجھنا، اور اپنے کو پارلیمنٹ کا ممبر، اور اس تعلق کے خیالات سے سوال کرنا، تو سنیئے نواب صاحب۔ بار ہا ہوا ہے کہ دو بڑے دوست یا دو عزیز مختلف پارٹیوں میں ہوں اور جب اہم قومی مسئلہ پیش ہو تو وہ ایک دوسرے سے سوالا

پوچھیں یا ایک دوسرے کی مخالفت کریں۔ پھر کوئی وجہ نہیں کہ میں آپ سے ضابطے کے چند سوالات پوچھوں اور آپ جواب نہ دیں تاکہ دوستی اور خوردی و بزرگی کے تعلقات قایم رہیں۔ وہ باہمی محبت و شفقت و عظمت دو کوڑی کی ہیں جو اس اختلاف آرار کی متحمل نہ ہو سکیں اور یہاں تو خدا کے فضل سے اختلاف آرار بھی نہیں۔ مصطفےٰ کے آپ سے تعلقات باپ بیٹے کے رہے ہیں اور قوم کے آپ ہمدی اور محسن، پھر اگر مجھے ان دونوں سے ہمدردی ہو تو آپ کو کیوں بُرا معلوم ہو؟ برخلاف اس کے کہئے کہ۔

نہ ہو تو کیوں مجھے پیارا میرے پیارے کا پیارا ہے

اگر اختلاف آرار کبھی ہوگا بھی، تو یاد رکھئے کہ باہمی محبت اُس کو صرف دماغی مخالفت تک جائز رکھے گی، دلی محبت میں کسی طرح کی کمی تھوڑی یہ سب زبانی جمع خرچ ہے جب چارلس اول اور پارلیمنٹ میں لڑائی شروع ہوئی اور تلواریں میان سے نکلیں اور خون بہانے کی تیاریاں ہونے لگیں، اس وقت اکثر ایسا ہوا کہ بھائی بھائی کے خلاف لڑا اور دوست دوست سے جدا ہوا، اُس وقت واکر نے اپنے ایک دوست کو جو اُنکے لڑنے والا تھا لکھا۔

"جو خدا کہ دلوں کا حال جاننے والا اور مالک ہے وہ خوب جانتا ہے جو محبت تمھاری میرے دل میں ہے، یہ مخالفت اُس کو کسی طرح کم نہیں کر سکے گی۔ جب لڑائی میں ہم دونوں شریک ہوتے ہیں اُس کا کیا فیصلہ ہوگا اور حق بجانب کون ہے کوئی نہیں کہہ سکتا اور مجھے تو اس لڑائی سے جو نفرت ہے وہ ظاہر ہے کہ یہ بے غنیم کی لڑائی ہے۔ مگر ہم کو جو کام سپرد ہوا ہے اس کے کرنے سے ہم کو

انکار نہ ہونا چاہیے بلکہ اُسے پوری کوشش اور ساری محنت سے کرنا چاہیے مگر جو کچھ ہم کریں اُسے ذاتی مخالفت سے مبرا اور خود غرضی سے معرّا ہونا ضروری ہے، فی امان اللہ۔

تو خدا نخواستہ اگر میں اور آپ کبھی ایسی ہی ناگوار لڑائی میں شریک ہوں اور ایک دوسرے کے مقابلے کی نوبت آئے تو خدا ہم دونوں کو توفیق دے کر وہ لڑائی بے غنیم کی لڑائی ہو اور ذاتی مخالفت سے مبرا اور خود غرضی سے معرّا ہو، آمین ثم آمین۔

آپ کا عزیز تابعدار محمدؐ

(۳)

۲۶ جولائی ۱۹۰۹ء					بڑودہ

مکرمی و مخدومی ۔ السلام علیکم

عنایت نامہ ملا ۔ آپ نے جو کچھ کیا درست کیا اور جس نیت سے کیا وہ درست تر ہے ۔ اگر کسی جملے یا دلیل کی بدولت اصل مطلب فوت ہوتا ہو تو اس کا نکال ڈالنا فرض ہے کیوں کہ بہر حال مطلب ثواب سے ہے ۔ ممکن ہے کہ میری رائے اس معاملے میں غلطی پر مبنی ہو اور بہ حیثیت اڈیٹر آپ دل شکن کلمات کو خارج کرنے کے مجاز ہیں اور بہ حیثیت میرے قدیمی عنایت فرما اور میرے لڑکپن سے میرے قومی ایثار کا بہترین نمونہ ہونے کے آپ کو ضرورت نہیں کہ مجھے ہاتھ جوڑ کر منائیں ۔

آپ کا خیال ہے کہ میں جوش میں لوکل ٹرسٹیوں کے خلاف بہت کچھ لکھ جاتا ہوں ۔ آپ جانتے ہیں کہ جوانی دیوانی ۔ اس عمر میں اگر جوش نہ ہوگا تو کیا باسی کڑھی میں اُبال آئے گا ۔ مجھے آپ کے جوش پر رشک ہے کہ اس عمر تک جوانی برقرار ہے ۔ خدا عمر خضر عطا کرے مگر آپ کے ساتھ اس جوانی کو اور اس قومی جوش کو قایم رکھے ۔ مگر جیب میں غور

کرتا ہوں اور اپنے خیالات پر جو زیادہ تر طبع ہو چکے ہیں نظر ثانی کرتا ہوں تو مشکل ہی سے کوئی جملہ ایسا نظر آتا ہے جو صرف فوری جوش پر مبنی ہو یا جو اس وقت کے لحاظ سے جب وہ لکھا گیا تھا مناسب نہ ہو۔ میں اپنا اور آپ کا مقابلہ اس غرض سے نہیں کرنا چاہتا کہ اپنی صلاحیت مزاج کی تعریف اور آپ کے جوش پر نکتہ چینی کروں مگر صرف اس وجہ سے ذیل کی سطور لکھتا ہوں کہ میں اور آپ دونوں نہایت صفائی اور خلوص دل سے ایک اہم قومی معاملے پر گفتگو کر سکیں۔

ان تمام مضامین پر غور کیجیے جو آپ نے اب تک (سر سید مرحوم کی وفات کے بعد سے) علی گڑھ کے متعلق لکھے ہیں۔ سکریٹری کالج، اساتذہ ٹرسٹی۔ طلبہ۔ قوم سب پر اعتراض ہوئے ہیں اور ان اعتراضات سے جوش غصہ۔ قومی دل سوزی۔ قوم کی بھلائی کا خیال، ایثار نفس سب کچھ نظر آتا ہے مگر آپ سے پوچھا جائے کہ ان تمام اعتراضوں میں باہمی تعلق کیا ہے؟ وہ کون سا ایسا گر ہے جس کی بدولت آپ کے نزدیک قومی امراض دور ہو سکتے ہیں تو میرے خیال میں آپ کو مشکل معلوم ہوگا کہ کسی خاص مضمون میں سے یا چند مضامین سے ایک ایسا اقتباس کر سکیں

ممکن ہے کہ میرے قیاسات بالکل غلط ہوں (گو میں دلیلوں سے معترضین کو قائل کر سکتا ہوں) مگر جب مجھے یقین ہو گیا ہو کہ شیخ صاحب اس قسم کے بزرگ ہیں تو کیا خاموشی اختیار کرنا میرا فرض ہے یا پردہ فاش کرنا۔ مثال کے طور پر میں حاجی اسمٰعیل خاں اور قاضی عزیز الدین کے نام پیش کرتا ہوں ان کے اور ان کے چند شرکا کے جو خیالات وہ آپ کے نزدیک خود غرضی پر مبنی ہیں، کیا ان کا پاس و لحاظ کرنا آپ

سکا فرض ہے یا قومی بہبودی کا پاس ... آپ کہیں گے کہ شیخ عبداللہ صاحب اور قاضی عزیز الدین میں کیا نسبت یہ ممکن ہے کہ آپ کا خیال ہو مگر جب تک میں خود ان کو نیک نیت اور سچا بے غرض نہ سمجھوں میں کس طرح صرف آپ کے حسن ظن پر عمل کر سکتا ہوں۔ آپ کا خیال ہوگا کہ بھائی سے اور شیخ عبداللہ سے لڑائی ہوئی تھی اس خیال سے مجھے ان کے خلاف کچھ کہنا چاہئے مگر میں خود اپنے بھائی کے فوری جوش کو مذموم ٹھہرا چکا ہوں اور میں نے ہی ان دونوں کو ملایا ہے مگر یہ سخت اخلاقی کمزوری ہوگی اگر میں اس خیال سے خود غرض شخص کا پردہ فاش نہ کروں کہ لوگ اسے بھی خود غرضی پر محمول کریں گے۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ نے خلافت سے اس لئے انکار نہ کیا کہ لوگ انھیں خود غرض کہیں گے اُنھوں نے اس بڑے بوجھ کو اپنے سر پر رکھا اور آج تک لوگ اُن پر اور اُن کے جانب داروں پر تبرا بھیجتے ہیں۔ ایک شیعہ صاحب نے مجھ سے کہا تھا کہ رسول مقبول صلعم حضرت علیؓ کو اپنا جانشین مقرر کرنا چاہتے تھے مگر اس خوف سے ظاہر نہ کر سکے کہ لوگ انھیں خود غرض کہیں غرض میں نے ان سے عرض کیا کہ جو شخص اپنا نام اور رسوائی کے خیال کا اتنا پاس کرے وہ سخت خود غرض ہے اور کبھی نبی معصوم نہیں ہو سکتا۔ یہی اب بھی میرا جواب ہے۔ اگر شیخ صاحب تعلیم نسواں کے دوستوں کو شرکت کا موقع خود غرضی کی وجہ سے نہیں دیتے یا اُن کی نا قابلیت

. . . . . .

(نامکمل)

بی اماں کے نام

(۱)

۱۷ محرم الحرام
مطابق ۲۰ ستمبر ۱۹۲۱ء

جیل خانہ کراچی
وقت ۰ ½ بجے صبح

لا غالب الا اللہ

پیاری بوا! خداوند کریم آپ کو زندہ و سلامت رکھے اور تمام دلی مراد بر لائے۔ آمین۔ ۱۷ ستمبر کی صبح کو ۴ بجے جیلر آئے اور کہا آپ تیار ہو جائیے آپ کو کسی دوسری جگہ لے جائیں گے۔ میں پہلے ہی یہ سمجھ رہا تھا۔ کوٹھری کا دروازہ کھلوا کر وضو وغیرہ کیا۔ اور نماز فجر ادا کی پھر بستر پر لیٹا۔ کوئی سوا پانچ بجے جیل کے دروازے پر جیلر کے دفتر میں لایا گیا۔ وہاں ضلع کا مجسٹریٹ گھنن نامی ڈپٹی انسپکٹر جنرل ریلوے و خفیہ پولیس کھنکم نامی اور سپرنٹنڈنٹ جیل میجر ہال گیٹ نامی موجود تھے۔ مجسٹریٹ نے مجھ سے کہا کہ اب تم پر ایک مستقل جرم کا الزام لگایا گیا ہے اس لئے میں ضمانت طلبی کی کارروائی بند کئے دیتا ہوں میں نے کہا کہ یہ طریقہ تو غالباً صحیح نہیں ہے قانون میں صاف درج ہے کہ ملزم کی حاضری کے بعد تفتیش شروع کر دی جائے۔ بند کرنے کا

اختیار آپ کو نہیں ہے اگر ہو تو قانون کا حوالہ دیجئے۔ حوالہ تو نہ دے سکا مگر کہا کہ میں اپنے اختیار سے اب یہ تمام کارروائی بند کرتا ہوں۔ اس پر میں نے کہا کہ میں آپ کے ضلع میں نہ پہلے کبھی تھا نہ اب رہنے کا ارادہ رکھتا تھا۔ مدراس جا رہا تھا راستے میں سے آپ نے روک لیا اور وجہ یہ بتائی کہ تم یہاں فتنہ و فساد برپا کروگے۔ حالانکہ میں چند منٹ ہی بعد اپنی گاڑی میں سوار ہو کر مدراس جانے کو تھا۔ اس الزام کی بنا پر بھی مجھ پر سمن نکالا جانا چاہیئے تھا۔ مگر آپ نے اس بہانے سے وارنٹ جاری کیا کہ اگر میں گرفتار نہ کیا جاتا تو مجھے فتنہ و فساد سے باز رکھنے کی کوئی اور تدبیر نہ تھی۔ اور اب آپ یہ تمام کارروائی کالعدم کئے دیتے ہیں نہ مچلکے مانگتے ہیں نہ جیل بھیجتے ہیں۔ اس کے معنی یہ ہیں کہ آپ جانتے تھے کہ نہ میں آپ کے ضلع میں رہنا چاہتا تھا نہ فساد برپا کرنے کی نیت رکھتا تھا نہ اس سے پہلے کبھی اور فساد برپا کر چکا تھا نہ اس کی اس وقت فرصت ہی تھی۔ لیکن آپ کی گورنمنٹ چاہتی تھی کہ میں گرفتار کر لیا جاؤں کیوں کہ میرے لئے کراچی سے وارنٹ نکل چکا تھا۔ مگر اب تک وا لٹیر نہ پہنچا تھا۔ بلا اس وارنٹ کے میں گرفتار نہیں کیا جا سکتا اس لئے اس کے آنے تک یہ بہانہ ڈھونڈا گیا کہ میں فساد برپا کرنے والا تھا اور اس کی روک تھام بلا میری گرفتاری کے ناممکن تھی اس لئے گرفتاری کا وارنٹ آپ نے نکالا اور بلا مچلکے لینے کی نیت کے مچلکے طلب کیے ہیں؟ ایک حرف بھی تلخ و ترش کہنا نہیں چاہتا تھا مگر آپ خود غور کیجئے کہ آپ ضلع کے مجسٹریٹ ہیں نہایت اہم اور فوری ضرورتوں کے لئے جن کا صاف صاف اظہار و تعیین اسی قانون نے کر دیا ہے آپ کو گرفتار کر لینے کا اختیار دیا گیا

ہے مگر اس اہم اور فوری ضرورت کے اور بالکل ایک دوسری غرض سے آپ نے مجھے گرفتار کرلیا۔ آپ کو دعویٰ ہے کہ آپ اس قانون کے محافظ ہیں اور لوگوں کو قانون شکنی کی سزا دینا آپ کا منصب ہے اور پھر آپ خود ہی اس قانون کو توڑتے ہیں میں نے اپنے مشیر قانونی مسٹر سندر راؤ سکریٹری کانگریس سے ملنا چاہا۔ مگر اول تو کہا کہ وہ کیسے مشیر قانونی ہوسکتے ہیں انھوں نے تو وکالت کانگریس کے حکم سے چھوڑ دی۔ میں نے کہا کہ آپ سے تو ۲۱ ستمبر ہی کو کہہ چکا ہوں کہ آپ کی عدالت میں مقدمے کی پیروی کرنا ہمارا شیوہ اور چلن نہیں ہے لیکن قانونی مشورے میں جس شخص سے لینا چاہوں اس سے لینے کا مجاز ہوں اور وکالت کرنے والے وکیل کی ضرورت نہیں۔ میں نے خود تو کبھی بھی وکالت نہیں کی لیکن کچھ نہ کچھ صلاحیت تو قانونی مشورہ دینے کی میں بھی رکھتا ہوں اور بارہا میں نے لوگوں کو قانونی مشورہ دیا ہے۔ اس پر جواب دیا کہ وقت نہیں ہے تمہاری گاڑی یہاں سے ۶ بجے روانہ ہو جائے گی۔ محمد حسین سے بھی ملنے کی اور اس کو کراچی آنے کی ہدایت دینے کی اجازت نہیں دی۔ یہ سب تو اتمام حجت تھا ورنہ میرا وکیل خدا اور میری خدمت کے لئے اس کے دئے ہوئے ہاتھ پاؤں کافی ہیں۔

میرے کاغذات جو کپڑوں کے صندوق میں تھے ہمراہ بھیج دئے گئے ہیں یہاں آکر میں نے کہہ دیا کہ وہ امجدی کے نام لنگر خانہ کے پتہ سے رام پور بھیج دئے جائیں چونکہ معمولی کاغذات متفرق محمد حسین کے بھرے ہوئے ہیں یا خلافت و سوراج فنڈ کی رسیدیں اور ان کا حساب و کتاب ہے اس لئے خیال تو نہیں ہے کہ کسی کو ان کے واپس کرنے کا حکم نہیں ہو

دوسرے ان کے روکنے کا کوئی قاعدہ بھی نہیں ہے تاہم میں نے کہہ دیا ہے
کہ اگر دیکھ لئے جائیں تو مجھے عذر نہیں۔ فہرست بھی بنوا دی ہے۔ کوئی بیجا
کاغذات ہیں وہ ابھی تو رکھوا لیجیے گا۔ امجدی یا معظم کو دلوا دیجیے۔ شفا
موٹر میں سوار ہوکر میں کوئی ۲ بجے اسٹیشن پر آیا چند لوگ جن کو کچھ بھنک
پہنچ گئی تھی دو رویہ کھڑے تھے۔ ان میں جامعہ ملیہ علیگڑھ کے بھی میرے
دو شاگرد عبدالحکیم و عبدالقیوم دو پنجابی بھائی تھے۔ فی امان اللہ کہتا
ہوا رخصت ہوا۔ انھوں نے نصر من اللہ و فتح قریب کا نعرہ بلند کیا۔
اسپیشل میں دو کمرے فرسٹ کلاس کے تھے اور گاڑی تیسرے درجے
کی تھی ایک فرسٹ میں، میں اور انگریز انسپکٹر مسلح پولیس اور اس کا سارجنٹ
اور ایک مسلح کانسٹبل اور دوسری میں ایک اور مسلح کانسٹبل اور پونہ کا
انسپکٹر آرکنگر جو کراچی کا وارنٹ لایا تھا اور ریلوے کے اسسٹنٹ
ٹریفک سپرنٹنڈنٹ کپتان گریش تھے۔ آخر الذکر شوکت کے رائے بریلی
کے شناسا نکلے، راستے بھر باتیں ہوتی رہیں۔ بے حد شریف اور لئیق
انسان تھے۔ میرے پیر میں ایک چھالے کا ذرا سا زخم ہوکر اچھا ہوگیا
تھا مگر جیل میں دوا نہ لگنے سے پھر ہرا ہو چلا تھا۔ آخر دن وہاں کے ڈاکٹر
نے صاف کرکے پٹی باندھ دی تھی۔ خود ہی اس کو دیکھ کر کھروا اسٹیشن روڈ
کو تار دیا جہاں اس کا صدر مقام تھا اور ڈاکٹر کو بلا کر زخم کو صاف
کرا کے پٹی بندھوا دی اور کئی پٹیاں وغیرہ ساتھ کرا دیں۔ اللہ کے بندے
ایسے بھی ہوتے ہیں۔ کھروا روڈ پر کپتان گریش اتر گئے وہاں سے
گوموہ تک ہمارے ریلوے پولیس کے سپرنٹنڈنٹ کا ساتھ ہوا۔ بیچارہ
گھبرایا ہوا تھا۔ کھرکپور اسٹیشن پر ریلوے ہی کے ملازموں کا کچھ ہجوم تھا

اور وہ اللہ اکبر کے بندے ماترم اور گاندھی اور ہم دونوں کی جے
پکار رہے تھے۔ گھبرا کر پولیس والوں کو جو ساتھ کے تیسرے درجے کی
گاڑی میں تھے اور ہر اسٹیشن پر اتر کر پہرہ دیتے تھے، سنگین چڑھانے
کا حکم دیا۔ گاڑی کے پٹ بھی بند کرا دئے اور اس طرح بوکھلا کر گاڑی
کو چلوا دیا کہ دو کانسٹبل اور ایک ہیڈ کانسٹبل ہمارے اسٹیشن پر ہی چھوٹ
گئے۔ ساتھ جو انگریز پولیس والے تھے اول تو وہ سمجھے کہ گاڑی شنٹنگ
کر رہی ہے لیکن جب ایک دو میل سے زیادہ چلی گئی تو گھبرا کر انھوں نے
زنجیر کھینچ کر گاڑی روکی جب سپرنٹنڈنٹ آیا تو ان پر الٹا جھلایا کہ میری
بلا اجازت گاڑی کیوں روکی۔ ہمارے اجازت کس طرح لیتے سپرنٹنڈنٹ
صاحب تو علیحدہ گاڑی میں تشریف رکھتے تھے۔ پھر کہا کہ تم نے بڑا غضب
کیا کہ اس جگہ روک لیا یہاں تو ریلوے فیکٹری ہے تیس ہزار مسلمان رہتے
ہیں لیکن تیس ہزار مسلمان اطمینان سے فیکٹری ہی میں رہے تین چار جو باہر
آئے السلام علیکم کر کے چپ چاپ بیٹھ گئے اور جب وہ سپاہی جو چھوٹ
گئے تھے ہانپتے ہوئے بلکہ گرتے پڑتے اور پریشان حال واپس آئے تو
فی امان اللہ کہہ کر ان غریب مسلمانوں نے مجھے رخصت کیا۔ گو موہ علی الصباح
پہنچے۔ وہاں سے دوسرے شخص کا ساتھ ہوا۔ گیا، سہسرام وغیرہ
سے ہوتے ہوئے مغلسرائے آئے وہاں بہار کا دوسرا سپرنٹنڈنٹ
بھی رہ گیا اور آگے جا کر یا شاید وہیں ممالک متحدہ کا پولس سپرنٹنڈنٹ
ساتھ ہوا۔ ریل کے بڑے افسر کی گاڑی ساتھ تھی ایسٹ انڈین ریلوے
کا افسر گو موہ سے دہلی تک آیا۔ ہر جگہ کھانے کا تار ریفرشمنٹ روم
کو پہلے سے دے دیا جاتا تھا اور اس کی تاکید ہوتی تھی کہ چربی کا ٹکڑا

ہوا نہ ہو بلکہ گھی یا مکھن کا ہو تا کہ سور کی چربی سے محفوظ رہ سکوں ہر وقت کی نماز کسی نہ کسی اسٹیشن پر اتر کر پڑھی مگر ممالک متحدہ سے یہ طریقہ شروع ہوا کہ گاڑی کسی بڑے اسٹیشن پر نہ ٹھیری۔ چنانچہ الہ آباد۔ کانپور۔ علیگڑھ دہلی اور اسی طرح سندھ میں حیدر آباد وغیرہ مقامات سے یا تو ایک اسٹیشن ادھر انجن پانی لے لیتا تھا یا ایک اسٹیشن ادھر بقول شاعر۔ ع

"وطن سے بچتے ہوئے دور دور ہم آئے"

اسپیشل کی اطلاع کسی کو نہ تھی تاہم ریلوے والے چھوٹے چھوٹے اسٹیشنوں پر واقف ہو گئے۔ یوں تو خدا کے کرم سے اور ہندوستانی بھائیوں کی محبت کے باعث ہم پر منوں پھول برسائے جا چکے ہیں مگر ممالک متحدہ کے ایک چھوٹے سے اسٹیشن پر جہاں گاڑی رُکی بھی نہیں اسٹیشن ماسٹر اور کلرک ہرے جھنڈے دکھانے کھڑے تھے جب میری گاڑی سامنے آئی تو ایک نے جھنڈی کے نیچے سے پھول نکال کر اچھالے۔ عمر بھر یہ پھول یاد رہیں گے جہاں کہیں بھی گاڑی پہنچتی تھی مجھے دیکھ کر تھوڑے بہت آدمی جمع ہو جاتے تھے گرم جوشی کے ساتھ رخصت کرتے تھے۔ پنجاب کے ایک اسٹیشن پر تو ایک ہندو بھائی نے جو ریل کے ملازم تھے اصرار سے دودھ پلایا۔ دودھ پی کر میں اپنا کٹورا دھو رہا تھا کہ ایک مسلمان بھائی نے جو وہیں کھڑے تھے کٹورا ہاتھ سے لے لیا میں سمجھا کہ وہ خود یہ خدمت کرنا چاہتے ہیں مگر وہ اولش بنا کر پی گئے۔ اکثر جگہ ریفریشمنٹ کے خانساماں نے بڑی محبت سے کھانا کھلایا۔ ایک جگہ تو میرے چاول کھانے سے عذر کرنے پر خانساماں گھر سے جلد جلد چپاتیاں پکوا لایا۔ غازی آباد پر مدراس کی پولیس کے لوگ اتر گئے اور چلتے وقت بڑی عزت سے سب

نے رخصت کیا۔ انگریز انسپکٹر اور سارجنٹ بھی بھلے لوگ تھے۔ غازی آباد پر دہلی پولیس کا ایک انگریز انسپکٹر اور ایک سارجنٹ اور مسلح سپاہی ساتھ ہوئے اور وہی یہاں تک آئے۔ ان کے ساتھ بھی اچھی کٹی اور رخصت کے وقت سب نے بڑی محبت سے رخصت کیا۔ ذٰلک فضل اللہ یؤتیہ من یشاء واللہ واسع علیم۔ تمام راستہ اچھی طرح کٹا۔ دہلی سے بھٹنڈا اور بھٹنڈے سے سماٹہ اور وہاں سے کراچی یہ راستہ رہا۔ اکثر حصہ اُجڑا اور غیر آباد ہے۔ سماٹہ سے نکل کر سارے راستے میں پہلے اور آخری شناسا کی صورت ایک اسٹیشن پر نظر آئی یہ بھی ہمارے جامعہ ملیہ اسلامیہ کا ایک شاگرد تھا جو مبلغ کا کام کر رہا تھا۔ نصر من اللہ وفتح قریب کہہ کر اس غریب نے بھی رخصت کیا۔ بے شک الا ان نصر اللہ قریب۔ راستے میں خوب فرصت تھی اور جیل میں بھی سورۂ اعراف تک تلاوت ہوگئی ہے۔ اب حفظ کا پھر موقعہ ملا ہے۔ سارے راستے درود شریف کی تسبیحیں پڑھتا اور یہ شعر دہراتا ہوا آیا ہوں ؎

صبا تو جا کے یہ کہیو مرے سلام کے بعد
تمہارے نام کی رٹ ہے خدا کے نام کے بعد

اس پیامبرِ الٰہی (ربانی امت والا) کی یاد میں مست ہوں جس کے لئے قرآن میں آیا ہے عزیز علیہ ما عنتم حریص علیکم بالمومنین رؤف الرحیم ط (دشوار گزرتا ہے اس پر جو تم کو تکلیف دہ ہو تمہاری بہتری کی اس کو حرص ہے اور مومنوں پر مہربانی اور رحم کرنے والا ہے) بس خدا کے نام کے بعد اس نام کی رٹ ہے اور ع

بلبل ہمیں کہ قافیۂ گل شود بس است

اللہ سے دعا ہے کہ اس کے نام پر اگر اس گنہ گار کو نام عطا ہوا ہے تو اس نام کی لاج رکھ لے اور صبر و استقلال عطا فرمائے۔

اب رخصت ہوتا ہوں۔ آج صرف یہی خط لکھا ہے نہ معلوم فرصت بھی ملتی ہے یا نہیں اس لئے امجدی کو مولانا عبد الباری صاحب کو اور سب عزیزوں اور دوستوں کے دیکھنے کے لئے بھجوا دیجئے گا یا اس کی نقلیں کرا کے بھجوا دیجئے گا۔ قمر صاحب کو پیار۔ منی اور بائی بی کو پیار اور سب بچوں کو پیار۔ سب کو سلام دعا۔ شوکت۔ کچلو وغیرہ سے نہ معلوم کب ملاقات ہو۔ والٹیر سے ۲۲۵۲ میل کا سفر پورے تین دن رات میں ختم کرکے یہاں پہنچا ہوں۔

(۲)

. . . .[1]

اور مجھے یقین ہو گیا ہے کہ نیا حکم نہ یہاں کے افسران جیل کے ایما سے جاری کیا گیا ہے نہ خود محکمہ کے افسر اعلیٰ کے ایما سے اس لئے جب تک میرے ساتھ یہ افسر خلاف اخلاق شریفانہ سلوک نہ کریں گے میں بھی حسب معمول ان افسروں کے آنے پر کھڑا ہو جایا کروں گا۔ لیکن کراچی کی طرح اگر اسے عملاً تلاشی دینے کے مترادف سمجھا جا دے گا تو بغایت مجبوری اس قسم کے اخلاق کو مجھے یہاں بھی ترک ہی کرنا پڑے گا۔ اس پر مجھے یقین دلایا گیا کہ یہاں کے افسران جیل نے اس امر کی یادداشت باقاعدہ رکھ لی ہے اور گورنمنٹ کو اطلاع بھی دی جا چکی ہے کہ ہر بار تلاشی دینے میں مجھے عذر ہوتا ہے اور تلاشی طوعاً نہیں دی جاتی بلکہ کرہاً دی جاتی ہے گو نہ کوئی اور سختی استعمال کی جاتی ہے نہ میری جانب تشدد کے احتراز کے باعث کسی سختی کی ضرورت ہی پیش آتی ہے۔

[1] اصل خط میں سے شروع کا کچھ حصہ غائب ہے (مرتب)

میرے انکار کے باعث اگرچہ مجھے کوئی سزا نہیں دی گئی البتہ جو قید تنہائی صرف ایک مہینے کے لئے بطور سزا کے کراچی میں دی گئی تھی اور بعد میں منسوخ کردی گئی تھی وہ تلاشی دینے سے دوبارہ انکار کے جرم سے پہلے ہی یہاں دی جارہی تھی اور اب تک برابر جاری ہے بلکہ بہ نسبت پہلے کے روز بروز زیادہ سخت ہوتی جاتی ہے۔ اب صرف دیکھنا یہ ہے کہ یہاں کے افسر جب تک میرے ساتھ خلاف اخلاق شریفانہ برتاؤ نہ کریں گے میں اپنے موجودہ رویہ پر انشاءاللہ قایم رہوں گا۔ جو خاص حالات شوکت کو پیش آئے ہیں اُن سے میں واقف نہیں مگر مجھے یقین کامل ہے کہ جو رویہ انھوں نے اختیار کیا ہے وہ ضرور ان کے خاص حالات کے مناسب ہوگا اور یہ تو کوئی احمق ہی خیال کرے گا کہ قید ہونے کے اتنے عرصے بعد آن جیسے شہ زور نے کام کرنا جسمانی تکلیف اور زحمت سے بچنے کے لئے چھوڑ دیا ہے۔
ہم دونوں کے حالات ممکن ہے کہ اور طرح یکساں نہ ہوں مگر ایک امر میں تو ضرور یکساں ہو سکتے ہیں اور انشاءاللہ آئندہ یکساں رہیں گے یعنی جب تک شوکت کو ملاقات اور خط وکتابت کی اجازت نہ ہوگی میں خود اپنی خوشی سے ملاقات اور اپنے ذاتی حالات کے متعلق خط وکتابت دونوں کو اپنے لئے ناجائز اور ممنوع سمجھوں گا۔ خدا گواہ ہے کہ مجھے سب سے زیادہ آپ کے دیکھنے کا انتظار رہا کرتا تھا اور آپ ہی کی خیر وعافیت معلوم کرنے کا سب سے زیادہ تمنی رہا کرتا تھا اور رہوں اور آیندہ بھی رہا کروں گا۔ اگر امجدی اور تینوں بچوں سے محض حسن اتفاق سے یہاں آتے وقت فروری میں سورت

کے اسٹیشن پر ملاقات نہ ہوگئی ہوتی تو سزایاب ہونے کے بعد سے کل کی ملاقات ہی سال بھر میں پہلی ملاقات ہوتی۔ مگر یار زندہ صحبت باقی۔ ہاں آپ کی عمر کے خیال سے اُس سے کہیں زیادہ آپ کی نقاہت کو دیکھ کر مجھے خوف و ہراس ہو تو یہ امر فطری ہے مگر بہ خدائے لایزال میرا دل گواہی دیتا ہے کہ خدا آپ کو اس وقت تک تو ضرور زندہ وسلامت رکھے گا کہ ہم سب ان مُرادوں کو پہنچیں اور اسلام اور ہندوستان کے دوبارہ عروج سے ہماری آنکھوں کو ٹھنڈک اور دل کو چین ہو۔ لیکن میں ہر حال میں اپنے رب کی مرضی پر راضی ہوں۔ میری جنت یا تلواروں کی چھاؤں میں (ہے) یا آپ کے قدموں کے نیچے ہے تاہم مجھے یہ قبول ہے کہ آپ کو دیکھے بغیر آپ سے ہمیشہ کے لئے اس دنیا سے رخصت ہو جاؤں مگر یہ ہرگز قبول نہیں کہ میں آپ کے دیدار سے سعادت اندوز ہوا کروں اور شوکت کی آنکھیں اس نظارہ کو ترسا کریں۔ وہ ہر حالت میں مجھ سے کہیں زیادہ آپ کی محبت اور اس انعام کے مستحق ہیں اور خدائے بزرگ کے احکام اور اس کے رسول اکرم کی سنت کی پابندی نہ کرنے کی ایک حسرت کو چھوڑ کر اگر میرے دل میں بڑی سے بڑی حسرت ہے تو یہی ہے کہ شوکت کی برابر میں آپ کی خدمت نہ کر سکا اور خدا سے دعا ہے کہ آیندہ اس کی توفیق دے۔ آمین ثم آمین۔

مشہور محدث و خدمت گزار رسول اللہ حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ کے بھائی کا انتقال ہو گیا تو وہ نہایت درجہ غمگین وملول تھے سوائے دربار نبوی کے تمام دنیا اُن کی آنکھوں میں تیرہ

دتا رہی، جس طرح مائیں اپنی اولاد کو رویا کرتی ہیں اُسی طرح ہمیشہ بھائی کا سوگ کیا کرتے تھے۔ مگر سب سے زیادہ اُن کو جس چیز کا غم تھا وہ یہ تھا کہ

اے دریغا اں سبق خوان نیاز　　یار من اندر دبستان نیاز
وہ آں سرد سہی بالائے من　　در رہ عشق نبیؐ ہم پائے من
حیف او محروم دربار نبیؐ
چشم من روشن ز دیدار نبیؐ

میں اور میرا برادر دونوں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت سے بہرہ اندوز ہوا کرتے تھے اور دونوں اُسی درسگاہ قدسیاں میں ہم سبق تھے۔ افسوس کہ آج میں تو رسول کے دیدار سے مشرف ہوں اور میرے بھائی اس دربار کی حاضری سے محروم رہے۔

آپ قیاس کر سکتی ہیں کہ مجھ سے کس طرح گوارا ہوگا کہ میں آپ کو دیکھوں اور شوکت اس نعمت سے لذت یاب نہ ہو۔ رہے بچے زہرہ اور حمیدہ کی طرف سے میں بے فکر ہوں گو زہرہ کے لئے ایک مشکل وقت قریب آرہا ہے۔ آمنہ بی پر جو کچھ گزر چکا تھا وہی کیا کم تھا کہ اب اس کی صحت کی خرابی نے اور پریشان کر دیا اور گلنار کا سوکھا ہوا بدن اور چہرہ دیکھ کر میں ڈر سا گیا۔ کون کہے گا یہ بچی دس برس کی ہے بالخصوص جب اس کی عمر میں اس کی سب بہنیں ماشاء اللہ ہٹی کٹی لحیم شحیم تھیں مگر اول تو خدا مالک ہے پھر جس طرح زاہد صبر کر سکتا ہے اُسی طرح زہرہ صبر کر سکتی ہے اور جس طرح شاہد کو دیکھے بغیر شوکت صابر و شاکر ہیں انشاء اللہ اُسی

طرح آمنہ کو دیکھے بغیر میں بھی صابر و شاکر رہ سکوں گا، جس طرح سلطانہ
عذرا اور عابد نے اب تک گزاری ہے اُسی طرح حمیدہ اور گلنار بھی
باقی دن گزار سکتی ہیں۔ رہی غریب بیوی تو شوکت صاحب تو ہمیشہ کے
لئے اس رشتے کو ۴۲ سال کی عمر سے پیشتر ہی خیر باد کہہ چکے تھے مجھے
تو خدا کا اور شکر کرنا چاہیئے کہ جس بیماری میں بسم اللہ آپا مرحومہ
امجدی کی تیمار دار تھی اس سے امجدی صحت یاب ہو گئیں حالانکہ
ان کی تیمار داران اچھی خاصی ہنستی بولتی خود دیکھا ایک ہی چند
گھنٹوں کی علالت میں شوکت کو ہمیشہ کے لئے داغ مفارقت دے
گئیں۔ میں بھی چالیس اکتالیس سال کی عمر سے مہمان داخل گھر پر
آیا کرتا ہوں

پہلے بیتول کی قید، پھر رہائی ہوتے ہی اس قید سے زیادہ
لمبا دیس نکالا اور علی گڑھ اور بمبئی اور ہم سفری سب کو ملا کر چھ
سات مہینے کو چھوڑ دیا جائے۔ کہا جا سکتا ہے کہ جون ۱۹۱۹ء سے
آج تک کا زمانہ علیحدگی ہی میں بسر ہوا اور ۱۴؍ ستمبر ۱۹۲۱ء کو والٹیر
کے اسٹیشن پر قید کی ابتدا کا خیال کیا جائے تو تاہم یہی غنیمت ہے کہ
امجدی زندہ ہے اور اس دنیا میں بھی ملاقات کی اُمید کا دروازہ
ہنوز بند نہیں ہوا ہے ورنہ آپ منی غریب کس کس بچوں کو باتیں
آپ میرا یہ خط امجدی کو بھی دکھا دیں اور میرے کل کے رخصتی
الفاظ اُسے یاد دلا دیں کہ خدا پر بھروسہ رکھو اور دہی والٹیر کے اسٹیشن
کا سپاہیانہ رویہ جواب تک قایم رکھا ہے قایم رکھو جس نے مجھے مطمئن
کر دیا تھا کہ خدا کی مدد شامل حال ہے تو یہ عورت اپنے مسلمانوں اور

ہندوستانی بھائی بہنوں کے سامنے کسی تھرڈ دلی کے اظہار سے نہ خود شرمندہ ہوگی نہ مجھے اور نہ اپنے بہادر بھائی اور اپنے شیر دل ہزاروں مرنے والوں کو شرمندہ کرے گی۔ قمر (بھائی کا لڑکا) کو نہ دیکھنے کا افسوس رہا مگر ہر نماز میں اپنے مرحوم بھائی اس اکیلے مددگار اور خورشید اور بانو کے لئے دعائیں کیا کرتا ہوں۔ خدا اس کو پروان چڑھائے اور منی اور بائی وجچی کے دلوں کو ٹھنڈا کرتا رہے۔ آمین۔ ثم آمین۔ سب عزیز و اقارب، دوست احباب کو سلام و دعا۔ سرکار میں میرا آداب کہلوا دیجئے گا۔ نہ معلوم اب کے سال گرہ تک خود حاضر خدمت ہوتا ہوں یا مبارکباد کے تار سے بھی شرکت کی طرح محروم رہتا ہوں۔

اب آپ کا پہلا خط اس وقت آئے جب شوکت کو بھی آپ خط لکھوا سکیں اور ملاقات یا چھوٹنے پر ہوگی یا دونوں کو یکساں ملاقات کی اجازت ملے گی اور ویسے جو خدا کی مرضی۔ میرے یہ شعر اس وقت ہی کیا ہمیشہ حسب حال ہیں۔

ہم معتی ہوس نہیں اے دل ہوائے دوست
راضی ہو بس اسی میں جس میں رضائے دوست

طغرائے امتیاز ہے خود ابتلائے دوست
اس کے بڑے نصیب جسے آزمائے دوست

یاں جنبش مژہ بھی گناہ عظیم ہے
جب جاپ دیکھتے رہو جو کچھ دکھائے دوست

کیا صبر وہ عطا نہ کرے گا اگر ہمیں
ہے اعتبار وعدۂ صبر آزمائے دوست

جائز ہے وصل و ہجر کا کب امتیاز یاں
جو ہر جفائے غیر کو سمجھو وفائے دوست

ایک دروازہ ہے جس سے کوئی سائل بے مراد پائے واپس نہیں آتا بہ شرطیکہ سو دروازوں کا بھکاری نہ ہو اسی پر بھروسا کئے رہے اور اس سے کسی حالت میں مایوس نہ ہو اور ہر کس و ناکس کی اس چوکھٹ تک رسائی ہے

مہاتما گاندھی کے نام

(۱)

۱۵؍اکتوبر ۱۹۲۱ء کراچی جیل

پیارے باپو۔ ایک عرصے سے قدرتاً طبیعت کا تقاضا تھا کہ اب آپ کو کچھ لکھوں، لیکن بہ وجوہ چند در چند تاخیر ہوتی رہی لیکن جب اخبارات میں آپ کے قلم سے نکلی ہوئی بعض تحریریں میری اہلیہ کی تعریف میں اُن کارروائیوں کے متعلق جو وہ والیٹرسے میری گرفتاری کے بعد کرتی رہی ہے پڑھیں، اب تو مجھے مجبوراً آپ کو عریضہ لکھنا پڑا، میرے لئے ایک سطر کا لکھنا بھی دقت طلب کام ہے جس کا آپ نے بھی خود علانیہ اعتراف کیا ہے۔ مجھے یہ ظاہر کرنا مقصود ہے کہ آپ نے مجھ پر کس قدر گہرا اثر ڈالا ہے، غالباً میں نے ایک مرتبہ آپ سے کہا بھی تھا کہ ہم میاں بیوی میں شادی سے قبل ہی عشق و محبت کی تڑپ پیدا ہوگئی تھی اور یہ ہندوستان میں ایک غیر معمولی بات ہے لیکن ہماری متاہل زندگی کے بعد ہم ایک دوسرے سے ہر سال جدا رہے، اس جدائی نے میری اہلیہ کو پہلے سے بھی زیادہ میرے لئے

ثبوت اور عزیز تر شریک زندگی بنا دیا اور گزشتہ عرصے میں جب میں نظر بند تھا اس وقت جو راہ اس نے اختیار کی تھی اُس وقت سے ۱۹۱۹ء تک پُرخطر زندگی میں تھی، لیکن حقیقت تو یہ ہے کہ والٹیر کے پولیس اسٹیشن پر وہ میری نظروں میں جس قدر عزیز اور محبوب تھی اس سے پہلے وہ میری نظروں میں نصف بھی نہ تھی، وہ ریلوے پولیس اسٹیشن میں داخل ہوئی اور نہایت فراخ دلی سے مجھ سے کہا کہ میرا ساں نہ ہونا میری اور بچیوں کی فکر نہ کرنا، مجھے الوداع کہہ کر رخصت ہوگئی، اور نہایت استقلال کے ساتھ گاڑی میں سوار ہو کر چلی گئی۔ میں نے کئی مرتبہ . . . . کے متعلق پڑھی ہیں ان سب تحریروں میں تعریف و توصیف ہے جس کے متعلق میں قدرتاً انکار کرتا ہوں اگرچہ یہ مسرت بخش بیانات مجھ میں ایک سنسنی پیدا کرتی ہیں میں نے کئی مرتبہ وہ تحریریں پڑھی ہیں جن میں آپ نے ہماری پیروکاری یا وکالت کر کے نکتہ چینیوں کو ہماری طرف سے جواب دیا ہے، لیکن آپ نے جو کچھ ہماری وکالت یا تعریف کے متعلق تحریر فرمایا ہے اُن سب سے زیادہ مسرت بخش میرے لئے یہ بات تھی کہ آپ نے میری عزیز اور جاں باز اہلیہ کی تعریف کی ہے، حقیقتہً میں اس قدر متاثر ہوا ہوں کہ اس رشک انگیز تعریف کا بھی میں خیال نہیں کرتا، مجھے توقع ہے کہ یہ آزمائشی امتحان جلد ختم ہو جائے گا اور وہ جلد سے جلد اپنا کام آزادی کے ساتھ جاری رکھ سکے گی اور آپ سے ایسی ہی رشک انگیز داد لیتی رہے گی تذکرۃً میں یہ بھی عرض کر دینا چاہتا ہوں کہ شاید آپ نے میرا خط ٹائمز کے نام دیکھا ہوگا جس میں اُن تمام واقعات کی حقیقت کھولی

ہے جو مجسٹریٹ کے تفتیش کے دوران میں چوتھے روز ظہور پذیر ہوئے ، آپ کو خود علم ہے کہ کرانیکل جیسے اخبارات تک نے بھی میری تقریروں کی اطلاعات کس بے ترتیبی کے ساتھ شائع کی ہیں ۔ غالباً آپ سمجھ سکتے ہیں کسی شخص کے لئے اُن حالات اور واقعات کے متعلق رائے قائم کرنا جن کی اطلاعات ایسے باد ہوائی طریقے سے اخبار میں شائع ہو کس قدر خطرناک ہے ، یہ لوگ مختصر نویسی کے علم سے بے بہرہ اور معصوم ہوتے ہیں ، لیکن واقعات کے سننے اور دیکھنے میں اس قدر محو ہوتے ہیں کہ وہ غیر معمولی طور پر زندہ دل بن کر اپنے فرائض کو بھی نظر انداز کر جاتے ہیں جس کے لئے وہ اخبارات کے نمائندے بن کر آتے ہیں اور جب میں جیل ہیں نہ تھا تو نہ میرے پاس اس قدر وقت ہی تھا اور نہ خیال ہی ہوتا تھا کہ میری تقریروں کی غلط رپورٹ جو روزانہ اخبارات میں شائع ہوا کرتی ہے اس کی تردید کرتا رہوں ، لیکن اب میری قیدخانہ کی زندگی نے مجھے مہلت بخشی ہے وہ ایک ملزم کی زندگی کے لئے ضرورت ہے کہ وہ صبر و تحمل کا عادی ہو اب میں پہلے کی طرح اس قدر آزاد نہیں ہوں کہ غلط بیانیوں کو بغیر تصحیح شدہ چھوڑ دیا جائے لیکن یقینی طور پر کوئی وجہ نہیں ہے جو لفظ چھپ جائے لوگ اس پر ہی اعتبار کریں ۔ عدالتی کارروائی کے چوتھے روز کی غلط اور گمراہ کن رپورٹ جب میں پڑھتا ہوں تو مجھے محسوس ہوتا ہے کہ کم از کم بعض لوگ ہمارے متعلق غلط فیصلہ کریں گے ، میں نے ٹائمز کے ہی خط میں حوالہ دیا ہے کہ کرانیکل نے کس طرح خطرناک الٹ پلٹ کی ہیں ، درجنوں جملے میرے بیان کے متعلق غلط شائع کر دیئے ہیں

میں اُن چند واقعات کا بھی اس موقع پر تذکرہ کر دینا چاہتا ہوں جس کی وجہ سے ہمیں عدالت کی توہین کرنی پڑی ہمارا حقیقی مقصد شرارت نہ تھا، عدالت میں تین روز تک کارروائی عمدگی سے ہوتی رہی جس طرح کہ وکیل استغاثہ صفائی کا الزام دے سکتا ہے، اس سے زیادہ عدالت اس توہین کا ملزم قرار نہیں دے سکتی، مولانا حسین احمد صاحب کے بیان سے یہ قصہ شروع ہوتا ہے، عدالت نے انکار کیا کہ وہ کسی قابل مترجم کو بلائے، یہی وجہ تھی کہ کچلو نے بھی اصرار کے ساتھ اردو ہی میں بیان دیا کیوں کہ مجسٹریٹ نے اپنے ملزم کا بیان قلمبند کرنا چاہا جس کو مترجم کی ضرورت نہ ہو۔ اس کے بعد تو زمین و آسمان بالکل بدل گیا، اگرچہ ہمیں خود علم نہیں کہ یہ تبدیلی رات میں کیوں ہو گئی خود عدالت ہی نے توہین کی، کچلو کا بیان جو بالکل میرے بیان کی ہی طرح تھا اس کے پہلے جملے پر اعتراض کیا گیا اور مجسٹریٹ نے اسے قلم بند نہ کیا اس کے بعد شنکر اچاریہ سے اصرار کیا گیا کہ وہ بیان دینا چاہتے ہیں تو کھڑے ہوں۔ شنکر اچاریہ نے کہا کہ مذہب کی وجہ سے میں ایسا نہیں کر سکتا ان وجوہ سے میرے اور مجسٹریٹ کے درمیان بات نے طول پکڑا۔ اس ردو قدح میں کوئی جذبہ نہ تھا۔ میں نے اس سے کہا کہ آیا کہ وہ اپنے مقدس مذہبی شنکر اچاریہ ایسی حیثیت والے شخص سے اصرار کرتا ہی رہے گا کہ وہ قانونی عدالت کے اصول کا احترام کریں حالانکہ میں خود اب جس چیز کو وہ مقدس سمجھتا رہا ہے تبدیل کر رہا ہوں، جب کہ وہ قانونی عدالت کا اس قدر احترام کرتا ہے تو کیا خدا پر اس کا ایمان نہیں ہے؟ جو کچھ اخبارات میں شائع ہوا ہے

وہ صرف استفہام کا حصہ ہے کیا خدا پر تمہارا ایمان نہیں ہے؟ میرے اس اپیل کا جو اُس نے جواب دیا ایک نہایت ہی خراب لہجے میں حکم تھا کہ میں بیٹھ جاؤں لیکن جب میں نے اس حکم کی تعمیل سے انکار کیا تو یہ تو میں نے ہرگز بھی نہیں کہا تھا کہ مجھے دیکھنا ہے کہ تم کیا کرو گے؟ میں نے تو یہ کہا تھا کہ تم طاقت استعمال کر سکتے ہو لیکن ایسا کوئی قانون نہیں ہے جس کے تحت میں کوئی ملزم بیٹھ جانے کے لئے مجبور کیا جا سکے، بیچارے شوکت نے تو مجسٹریٹ کو ملائم کرنے کی انتہائی کوشش کی اور یہ درخواست بھی کی کہ میرے دوران بیان میں مداخلت نہ کی جائے لیکن مجسٹریٹ نے صاف طور سے ارادہ کر لیا تھا کہ گزشتہ روز جو میں نے بیان دیا تھا اس کی طرح اب کوئی اور ایسی بات نہ ہوگی حامیان موالات مع دیگر حاضرین کے کچھ سنیں گے بھی نہیں، جب مولانا حسین احمد صاحب نے اپنا بیان دینا شروع کیا تو نہ عدالت کے مترجم نے اس کا ترجمہ کیا (کیوں کہ وہ اپنی ناقابلیت کا اعتراف کر چکا تھا کہ وہ قانون اسلام کی تفسیر کا ترجمہ نہیں کر سکتا) اور نہ اس امر کی کوشش کی گئی کہ جو کچھ مولانا صاحب فرما رہے ہیں اس کو سمجھا جائے، کچھ نہ لکھا گیا۔ یہ بھی کافی نہ سمجھا گیا اس کی لاپرواہی کافی گستاخی تھی لیکن اس پر بھی اس نے ایک یا دو مرتبہ براہ راست توہین کی، مثلاً یہ کہ یہ ضروری نہیں ہے کہ تمام قرآن یہاں پڑھ دیا جائے مولانا نثار احمد صاحب کے بے حد مختصر بیان کا بھی اچھا حشر نہ ہوا، قانونی کارروائی اور ضروریات کے پورا کرنے کے متعلق بھی مجسٹریٹ اس قدر بے پرواہ تھا کہ میرے باقی ماندہ بیان کے ملنے سے ہی قبل اس نے ہم کو سشن سپرد کر دیا

اس بیان کے متعلق خود اس کی ہی خواہش پر میں نے وعدہ کیا تھا کہ اگر وہ مختصر نویس نائب کرنے والا بھیج دے گا تو میں تحریری بیان دے دوں گا لیکن اس سب کا مطلب خرافات تھا کیوں کہ دوسرے ہی دن جب کہ ثبوت استغاثہ آدھا بھی ختم نہ ہونے پایا تھا کہ اس نے وکیل سرکار کی درخواست پر جو دو گواہوں کی طلبی کے لئے سمن جاری کرانے کے متعلق تھی حکم دے دیا کہ کارروائی کو بلا ضرورت طول دینا لاحاصل ہے اور سشن کی کارروائی میں یہ گواہ طلب کئے جائیں تو کافی ہوگا۔ یہ کیسا تعجب خیز امر ہے کہ ایک مجسٹریٹ کارروائی سے قبل ہی نتیجہ نکال لے اور قبل اس کے کہ تفتیش ختم ہو خود جوڈیشنل کمشنر کمرہ دیکھنے کے لئے سشن کی کارروائی کے واسطے دیکھنے کے لئے تشریف لاتے ہیں اور وکیل استغاثہ سے اس امر میں گفت و شنید کرتے ہیں میں نے عدالت سے کہا کہ آپ نے برٹھیوں کو بھی اسی طرح تختے تیار کرنے کے لئے حکم دے دیا ہوگا۔ جب کبھی اسلامی قانون کا حوالہ دیا جاتا تھا تو یہ بات مجسٹریٹ کے لئے ناقابل برداشت ہو جاتی تھی اور وہ کہہ دیتا تھا کہ یہاں ہمیں فتووں سے بحث نہیں ہے شوکت نے اس سے کہا کہ تم جو یہ مجھ سے حقیری باتیں دریافت کرتے ہو اس سے فائدہ کیا ہے مجھ سے تو یہ پوچھو کہ ایسے واقعات کے متعلق اسلامی قانون کیا کہتا ہے۔ لیکن سب بے کار رہا حتی کہ خود شوکت بھی زیادہ عرصے تک مقابلہ نہ کر سکا۔ اور۔ ۔ ۔ د ۔ ۔ ۔ وہ تمام متبرک نمائش کیسی عجیب تھی) لیکن آپ یقین جانیے کہ جب یہ تفتیش ختم ہو چکی اور مجسٹریٹ نے کچھ عرصے کے لئے علیحدگی اختیار کی تو وہ ایک مرتبہ اور نئے آدم اکے روپ میں دکھائی دیا، دوسرے مقدمے میں جو شوکت

کے اور میرے خلاف تھا وہ پھر لیا ہی انسان نظر آتا تھا جس طرح کہ وہ
تیسرے روز تھا، میں نہیں کہہ سکتا کہ اُس نے پھر یہ روپ کس طرح اختیار
کیا، لیکن آپ آخر روز کے اس واقعہ سے عدالت کی اصلی حالت کا (جس
میں ملزمین بھی شامل ہیں) خود اندازہ لگا سکتے ہیں کہ وکیل استغاثہ
گھبراہٹ ہی میں دوڑا ہوا میرے پاس آیا اور دریافت کرنے لگا دیکھا
آپ عدالت میں پھر تشریف لے جائیں گے ایک گواہ نے غلط اظہار دئے
ہیں اور میں اُسے پھر طلب کرنا چاہتا ہوں میں اس پر راضی ہو گیا اور میں
نے کہا کہ جس طرح آپ کی مرضی ہو، جب سی آئی ڈی رپورٹر نے پھر حلف
ادا کیا کہ وہ جو کچھ اظہار دے رہا ہے میری تقریر ہے تو میں نے بہ خندہ
پیشانی مجسٹریٹ سے کہہ دیا کہ میں اپنے اس حق سے دست بردار ہوتا ہوں
کہ گواہ پر دروغ حلفی کی بنا پر استغاثہ دائر کروں، حالانکہ اس نے اپنے
پہلے بیان میں ایک غیر دستاویز کو میری تقریر کا ہونا بیان کیا تھا اس پر
مجسٹریٹ نے خوش ہو کر میرا شکریہ ادا کیا حقیقت تو یہ ہے کہ ہم نے مجسٹریٹ
کو ہمیشہ اضطراری حرکتیں کرنے والا انسان پایا اور جس روز چپقلش ہوتی
ہے ان روز اس سے کہا تھا کہ میرا ہم وطن ایک ایسے غلیظ کام کے
لئے مصروف ہو لیکن جس روز بیان دیا ہے اُس کے بعد وہ سنجیدہ اور
غیور بن گیا میں سمجھتا ہوں کہ اس وقت جن لوگوں سے اُس کو اطاعت شعاری
کی داد ملنے کی توقع تھی انھوں نے اپنے غصے کا اظہار کیا کہ وہ تاریخی
شاہی مقدمے کو ضائع کر رہا ہے جس کے متعلق ارادہ تھا کہ "انصاف"
کا مظاہرہ" جدید اصلاحات" کے تحت میں ہو، حالانکہ وہ قانون اور
دیگر کارروا   ئی کی توہین کر چکا تھا، یہی وجہ ہے کہ الہ آباد سے راس

استن اور ایک عالم اس حالت کو ترقی دینے کے لئے آرہے ہیں اور ایک
قابل مترجم لاہور سے آرہا ہے لیکن یہ پوری کارروائی ایک تماشہ
تھا اور کوئی بات اسے ترقی نہیں دے سکتی ہم اپنے متعلق یہ کہہ دینا چاہتے
ہیں کہ ہمارا مقصد نہ تو عدالت سے مقابلہ کرنا تھا اور نہ شرارت ہے
ساتھ ہی اس کے ہم حیوانوں کی طرح گونگے بھی بننا نہیں چاہتے ہیں اور
عدم تشدد کا مفہوم جہالت کبھی نہیں تھی تشدد ذمہ دار ہے اور ہر مسلمان
فیصلے کے دن آنکھیں کھولے گا جب کہ تشدد کے صحیح حدود خود اس
کے اپنے ذاتی مقدمے میں قایم ہوں گے لیکن عدم تشدد کی ذمہ داری
اس سے بھی زیادہ ہے اور وہ میں دیکھتا ہوں کہ اس کے مرید اس کے
اطاعت شعار غلاموں کو دھوکے میں ڈالے ہوئے ہیں، جو بزدلی کی
حدود میں آتا ہے۔ اچھا اب رخصت! دیوی داس اور دوسرے
عزیزوں کو پیار! اور "با" کی خدمت میں سلام نیاز، وہ چیک ڈرز
خلافت کمیٹی میں بھیج دینا چاہیئے، میری والدہ اور اہلیہ کو مالی امداد
کی ضرورت نہیں، ہم تو ایسے خطرناک فقیر ہیں کہ اپنے مقصد کے لئے
ہر چیز ہضم کر سکتے ہیں۔ آپ کی محبوب اور زبردست شخصیت کو ہمارا
سلام۔ (خط کی عبارت صاف نہ تھی بجنسہ نقل کر دی گئی) مرتب

سید سلیمان ندوی کے نام

(۱)

۱۴ر جولائی ۱۹۱۷ء چھنڈواڑہ (ممالک متوسط)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

برادرم - السلام علیکم - محجوب ہوں کہ آپ کے محبت نامہ اور ارض القرآن اور معارف کی رسید تک کم و بیش تین ہفتہ گزر جانے سے پیشتر نہ ارسال کر سکا، شکریہ ادا کرنا تو دوسری بات ہے افسوس ہے کہ اس وقت بھی فرصت اسی قدر کم اور پریشانی اسی قدر زیادہ ہے کہ جس قسم کی مفصل تحریر ارسال کرنے کا ارادہ تھا وہ اب بھی نہیں لکھ سکتا - ابتدائے مئی سے میری ایک لڑکی سخت علیل ہے پہلے فصلی بخار میں مبتلا معلوم ہوتی تھی - تین ہفتے کے بعد طبیعت درست ہوئی تھی اور وہ بھی ڈاکٹری علاج سے تھک کر ہومیوپیتھی کی طرف رجوع کرنے کے بعد، اور جو تکلیف اس بچی کو اس عرصے میں ہوئی تھی اُس نے صاف ظاہر کر دیا تھا کہ مرض شدید ترین صورت میں آیا تھا لیکن دو ہفتے بھی بخار سے نجات نہ ملی تھی کہ پھر اسی مرض میں مبتلا ہوئی اور اس بار کی شدت مرض اور تکلیف نے پہلے بار کی شدت اور تکلیف

کو بالکل بھلا دیا۔ ہومیوپیتھی سے ابتدا ہوئی مگر بے سود، ڈاکٹری علاج
شروع کیا گیا اور یہاں تک نوبت پہنچی کہ جب کونین کی معمولی خوراک
سے کام نہ چلا اور جاڑا بخار دن رات میں چار چار پانچ پانچ بار
آنے لگا اور ۱۰۴ اور ۱۰۵ ڈگری سے بھی حرارت متجاوز ہونے لگی
تو اس چھ سات برس کی بچی کو دس بارہ دن تک ۲۰، ۲۰ گرین بلکہ
اس سے بھی زیادہ کونین روز دی جانے لگی۔ بخار کم ہوا اور جاڑا
جاتا رہا۔ مگر حرارت کچھ نہ کچھ روز ہو جاتی ہے۔ اب مستقل سول سرجن
جو دو ماہ کے لئے ناگپور چلے گئے تھے واپس آئے ہیں۔ انھوں نے
تشخیص کی ہے کہ مرض انٹرک (موتی جھرا) ہے مگر اب اس کا علاج
شروع ہو گیا ہے سوائے اس کے کہ آنتوں کو دوا سے صاف کیا جاتا
رہے کوئی علاج نہیں۔ بخار کے ٹوٹنے کا انتظار ہے لیکن چونکہ بار بار
حرارت کا اندازہ کرنا اور دوائیں بدل بدل کر دینا اب ضروری
نہیں، اس لئے اتنی فرصت مل گئی ہے کہ آپ کو یہ عریضہ ارسال کر سکوں
خداوند کریم کو منظور ہے تو ہفتے عشرے میں ارض القرآن کو بغور پڑھنے
کے لئے اٹھاؤں گا اور معارف کے تمام پچھلے پرچوں کو بھی دیکھوں گا۔
اس وقت تک تو صرف کہیں کہیں سے جستہ جستہ پڑھ لیا گیا ہے مگر یہی
مشکوریت اہل اسلام کے اظہار کے لئے کافی ہے، خداوند دو عالم آپ
کو اجر دے گا۔ پہلے حصے میں بنی اسرائیل قبل از خروج و زمانہ خروج
و بعد از خروج کے حالات کیوں شامل نہیں کئے گئے اور انڈکس
بالکل غائب ہے۔ مگر یورپ سے کم از کم انڈکس تو ضرور ہی اخذ کر لینا
چاہئے۔ مجھے خود قرآن پاک کی انڈکس کی ضرورت ہوتی ہے تو انگریزی

تراجم میں دیکھنا پڑتا ہے۔ اس کمی کو ضرور پورا کر دیجئے، اگر قوم کی عام حالت نے اپنی طرف متوجہ نہ کرلیا ہوتا تو میں بھی دار المصنفین میں شرکت کا استحقاق پیدا کرنے کی کوشش کرتا۔ مطالعے کا شوق عرصے سے ہے اور آکسفورڈ نے تحقیق کی طرف اور بھی بہت کچھ کھینچا مگر جس قوم کے عمل کی حالت اس قدر زبوں ہو پھر اس کی علمی حالت پر کہاں غور کیا جا سکتا ہے مجبور ہو کر اس کوچے کو دور ہی سے سلام کیا۔ میرا ارادہ تھا کہ بجائے معمولی بی اے کی ڈگری لینے کے میں آکسفورڈ میں تحقیق کی ڈگری (بیچلر آف لٹریچر) حاصل کروں اور اسی لئے میں نے حسب قواعد یونیورسٹی درخواست دی کہ مجھے اس کی امیدواری اور اس کے لئے تیاری کے لئے اجازت دی جائے اور تحقیق کے لئے نورالدین زنگی اتابک موصل کی سیرت اور کارنامے اور اس کے زمانے کے حالات کو انتخاب کیا۔ بشپ اسٹبس جو آکسفورڈ کے بڑے نامور محقق و مورخ تھے اس جلسے میں موجود تھے جس میں میری درخواست امیدواری پیش ہوئی اور انھوں نے اس موضوع کو بہت پسند کیا اور کہا کہ میرا بھی جی چاہتا ہے کہ اس پر تحقیقات کے سلسلے کی ابتدا کروں۔ اجازت ملنے کے لئے شرط تھی کہ یا تو آکسفورڈ یا اسی کے برابر کی کسی یونیورسٹی کا گریجویٹ ہو۔ اس وقت میں صرف الہ آباد کا گریجویٹ تھا مگر خاص رعایت کی گئی اور مجھے اجازت مل گئی اور کالج کے تمام درسوں سے آزادی حاصل ہو گئی۔ پروفیسر مارگولیتھ (لعنت اللہ علیہ) میری امداد اور میری تحقیق کی جانچ کے لئے یونیورسٹی کی طرف سے مقرر ہوئے مگر سول سروس کے امتحان میں ناکامی کے بعد یہ خیال

ہوا کہ تحقیقات کو کون پوچھے گا۔ بہتر ہے کہ معمولی ڈگری پر قناعت کی جائے چنانچہ بلا مزید تیاری کے بی اے کے امتحان میں شریک ہو گیا اور پاس ہوتے ہی واپس ہندوستان کو آیا۔ عاشق کامل نہ تھا جلد گھبرا گیا۔ لیکن اب بھی تک ناتی ہے۔ عالم گیر کے متعلق سب سے اول مولینا شبلی مرحوم کو میں ہی نے متوجہ کیا تھا مگر چند موٹی موٹی باتوں کے متعلق اپنی تحقیقات کے نتائج سے بھی مولانا مرحوم کو مطلع کیا تھا جب کہ وہ میرے بار بار کے لکھنے پر بڑودے تشریف لائے تھے۔ اسی کے بعد مولانا نے عالم گیر پر الندوہ میں مضامین لکھے اور مجھے ترجمے کے لئے عطا فرمائے۔ افسوس ہے کہ جب سے اب تک فرصت نہ ملی اور اس موضوع سے جو تعلق خاطر مجھے تھا اس نے مجبور کر دیا کہ میں ان مضامین کو کسی دوسرے شخص کو دینے بھی نہ دوں، چنانچہ آج تک وہ اسی طرح بلا انگریزی ترجمے کے موجود ہیں، یہ سب تمہید اس لئے اٹھائی گئی ہے کہ آپ کو یقین آ جائے کہ میں ضرور اس کا مستحق ہوں کہ مجھے بھی اپنی تحقیقات سے وقتاً فوقتاً مستفیض فرماتے رہیئے۔

گو واں نہیں، پہ واں کے نکالے ہوئے تو ہیں
کعبہ سے ان بتوں کو بھی نسبت ہے دور کی

مگر ہرگز اس کا قائل نہیں کہ ایک مصنف کی اور مشکلات پر اپنی مشکلات کا بھی اضافہ کردوں اور مفت اس کی تصنیفات حاصل کرتا رہوں، دراصل ہمدرد نکالتے وقت میرا ارادہ اس کے اسٹاف کے ساتھ ساتھ ایک گروہ مصنفین کے رکھنے کا تھا۔ جن کو

توسط۔ لا یموت دے کر تصانیف تیار کرائی جائیں اور اُن کو مناسب موزوں طریقے پر طبع کرایا جائے اور اخراجات طبع و اشاعت کے منہا کرنے کے بعد جو رقم بچے اُس میں سے ۲۵ فی صدی رقم کو یا کچھ زائد کو نقصانات کے بقیہ کے طور پر نکال لیا جائے اور باقی مصنف کو بہ طور رائلٹی کے دے دی جائے اس خیال سے مولانا شررکو بھی اُس کے عملے میں رکھا تھا اور ہاشمی صاحب فریدآبادی کو بھی گو اس وقت عبدالحق صاحب کے آنے سے تو باوجود ان کے قول و قرار کے یاس پیدا ہو چکی تھی، اسی لئے سید محفوظ علی صاحب کو بھی رکھا گیا تھا اور مصنف البرامکہ کو بھی بلایا جا رہا تھا مگر خداوند کریم کو یہ منظور نہ ہوا اور ع

اے بسا آرزو کہ خاک شدہ

اسلامی دنیا میں اس قسم کے واقعات پیش آئے اور خود ہندوستان میں ایسے وقوعات ظہور پذیر ہوئے کہ علم بخیر باد کہ کر تمام تر توجہ عمل کی طرف منعطف کرنا پڑی، آپ کہئیے گا کہ اب فرصت ہے۔ مگر یہ گمان غلط ہوگا مجھے اُتنی اور فرصت درکار ہے سہ

جی چاہتا ہے پھر دہی فرصت کہ رات دن بیٹھے رہیں تصور جاناں کئے ہوئے

پڑھنا لکھنا سب بند ہے۔ چشم انتظار البتہ وا ہے۔ نظر بندی کا احسان ہے کہ اس نے قرآن کریم کھلوایا اور اُس کے پڑھنے کے لئے آنکھیں دیں، اس زمانے میں ارض القرآن جیسی کتاب کی سخت ضرورت در پیش تھی میرا تو گمان ہے کہ خداوند کریم نے آپ کو صرف میری ضرورت کے دور کرنے کے لئے اس کی تصنیف پر آمادہ کیا۔ جب یہ ہے تو مجھ سے زیادہ کون مشکور و ممنون ہوگا مخلص

بہانہ ہے۔ اصل قیمت پڑھنے کے بعد ادا ہوگی ، رہی وہ قیمت جس کا وی پی ایبل پارسل آپ کو ارسال کرنا چاہیئے تھا ، سوچتا ہوں اُسے بھیجوں یا نہ بھیجوں ، اس وقت تو یہ خیال ہے کہ اخباری اور علمی برادری کا اس زمانے میں جس قدر ہو سکے کھاؤں مگر جب اس نظر بندی سے چھوٹوں تو سب کو خوب کھلاؤں۔ اس لئے قیمت کتاب کا قرضہ حسنہ میرے ذمہ رہا۔ رہا معارف سو وہ "تبادلہ" کی مد میں مثل اور بے شمار اخباروں کے جاری رہے گا۔ تبادلہ میں نہ کامریڈ اس وقت آسکتا ہے نہ ہمدرد ، نہ وہ علمی اور سیاسی رسالے جن کے کالنے کا ارادہ تھا مگر یہ اخبار بند نہیں ہیں ولا تقولوا لمن یقتل فی سبیل اللہ اموات بل احیاء و لکن لا تشعرون اس لئے جو کوئی بھی مجھے "سابق" ایڈیٹر کامریڈ و ہمدرد لکھتا ہے اس سے الجھ پڑتا ہوں ہاں یہ مانا کہ میں خود زمانۂ حال کی اصطلاح میں زندہ نہیں۔ اس لئے تمام احباب سے التجا ہے کہ مجھے " محمد علی مرحوم " لکھا کریں شاید اسی بہانے سے مجھ پر رحم کیا جائے۔

"پیغام بر ملک سبا" کا تحفہ بھی ملا اور بہ خوشی تمام "قبول یوسف زنداں" ہوا ، مگر برادرم دعا کرتے رہو سنت یوسفی کی تقلید کی آخری وقت تک توفیق عطا ہو ، اس وقت تک تو یہی ہے کہ رب السجن احب الی مما یدعوننی الیہ اور ارباب متفرقون سے کہیں زیادہ اس واحد القہار کے قہر سے ڈرتا ہوں جو اصل ہستی ہے اور اُس گروہ سے الگ ہے جن کی اصلیت اس سے کچھ زیادہ نہیں کہ اسماء سمیتموہا انتم و آباءکم ما

انزل اللہ بہا من سلطان مگر ابتدائے عشق ہے، خداوند انجام بخیر کرے۔ اب رخصت ہوتا ہوں۔ والسلام

آپ کا نیازمند

محمد علی

مکرر یہ کہ آپ کو تو غالباً معلوم ہوگا کہ دارالمصنفین کی تحریک میں ہی نے کانفرنس میں بمقام راولپنڈی پیش کی تھی۔ اس سے ظاہر ہے کہ مجھے اس تحریک سے کس قدر دلچسپی ہے۔ افسوس کہ جب یہ پودا لگایا گیا میں نظربند ہونے کے قریب ہی تھا اور اب جب کہ یہ بارآور ہو رہا ہے اسی طرح نظربند ہوں تاہم اُس کے حالات و ضروریات سے مطلع فرماتے رہیئے۔ میں جن تصانیف یا تراجم کی ضرورت محسوس کروں گا اُس کے متعلق لکھتا رہوں گا تاکہ اگر آپ حضرات کو فرصت ہو تو ہیں اُس طرف متوجہ ہوں، سب سے زیادہ ضرورت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت مبارک کی ہے اور اس سے کسی قدر زائد ہی ایک عمدہ صحیح اور ادبی حیثیت سے اعلیٰ درجہ کے مولود شریف اور شہادت نامہ کی۔ عوام کا درست کرنا خواص کی تصحیح سے کہیں زیادہ ضروری ہے۔

سال گزشتہ میں میں نے کوئی سولہ سترہ موقعوں پر یہاں محافل میلاد میں کچھ بیان کیا۔ یہاں کے لوگ ہمارے ہاں کے عوام سے بھی کم علمیت رکھتے ہیں۔ اس لئے اُن کے سلئے واقعات کو اور زیادہ سہل الفہم طریقہ پر بیان کیا گیا، خوف تھا کہ لوگ اس پر بھی یہ اسنے

زمانے کو زیادہ پسند کریں گے اور اسی لئے اُس کو بھی نباہا گیا اور دوسرے صاحبوں نے اُس طریقے پر بھی کچھ پڑھا اور کچھ گایا۔ مگر آپ کو سُن کر یہ تعجب ہو گا کہ لوگ نئے طریقے ہی کے مشتاق تھے۔ اور اسی کے منتظر رہتے تھے اور نہایت کثرت سے شریک ہوئے۔

محمد علی

۱۰ اراگست ۱۹۱۸ء   چھنڈواڑہ (ممالک متوسط)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

برادرم سید سلیمان صاحب - السلام علیکم

اگر آپ کو پہلے سے بھی اس کا کافی احساس نہ تھا کہ میں سیرت نبوی کے لئے عرصے سے بے قرار ہوں تو کم سے کم یہاں تشریف لانے کے بعد تو قطعی طور پر اس کا احساس ہوگیا ہوگا بلکہ میں نے آپ سے وعدہ لے لیا تھا کہ اگر مکمل نہیں تو اجزا ہی ارسال کر دئے جائیں گے ۔ اگر اس پر بھی آپ کو میری بے قراری میں شک ہے تو میں دربار نبوی میں ازالہ حیثیت عرفی کی نالش دایر کردوں گا - آپ کے جانے کے بعد سے کل تک برابر انتظار رہا کہ اور مجھ جیسے کاہل اور خط لکھنے میں چور نے بھی فیصلہ کر لیا تھا کہ ایک عریضہ ارسال خدمت کروں - آج صبح کے لئے ارادہ مصمم تھا کہ کل شام ہی معارف دیکھنے میں آیا اور سیرت کی پہلی جلد تیار ہو جانے کا مژدہ سنا اب بھی اگر آپ ایک جلد ارسال نہ فرمائیں گے تو یقین کیجیے کہ میں رسیاں تڑا کر خود

اعظم گڑھ آکو دوں گا اور دارالمصنفین میں وہ ہڑبونگ مچاؤں گا کہ آپ حضرات اہل قلم کی محبوب یکسوئی کا خاتمہ ہوجائے گا۔ اور اعظم گڑھ کی آنکھیں محاذ مغربی سے زیادہ آتشبازی سے خیرہ اور اعظم گڑھ کے کان اس سے کہیں زیادہ گولوں کے پھٹنے کی آوازوں سے بہرہ ہو جائیں گے۔ خیر یہ لاف و گزاف تو ہوتا ہی رہے گا اب عرض یہ ہے کہ براہ کرم ایک جلد قسم دوم بذریعہ وی۔ پی یا رسل ارسال فرما دیجئے۔ قسم اول رکھنے کو جی چاہتا ہے مگر دگرو بیپر سے گھبراتا ہوں۔ یہاں صرف آرائش الماری مقصود نہیں ہے۔ بلکہ روز کا مطالعہ غرض ہے اور وہ بھی سارے کنبے کا جس میں علاوہ بھائی کے دو لڑکوں اور لڑکیوں کے جواب یہاں ہیں خود میری اور تین لڑکیاں جو پڑھ لکھ سکتی ہیں اور بیوی ہیں اور والدہ صاحبہ اور ہم دونوں مستزاد، اس لئے مناسب خیال کیا کہ پہلے مطالعے کے لئے قسم سوم کی ایک جلد منگا لوں۔ اگر بچوں کے شوق نے اس کے ساتھ ہی بے لحاظی نے تین چار ماہ بعد کتاب کو بے کار کر دیا تو پھر اپنے لئے خاص ایک جلد قسم اول کی علیحدہ منگا لوں گا مگر سوال یہ ہے کہ مجلد ہو یا نہ ہو۔ اس کو آپ پر چھوڑتا ہوں۔

یہاں جلد سازی نہایت ادنیٰ درجے کی ہے۔ مگر ممکن ہے کہ قسم سوم کی جلد وہاں سے بنی ہوئی بھی مضبوط اور پائدار نہ ہو، اس لئے گزارش ہے کہ اگر ممکن ہو تو وہاں سے مضبوط جلد نصف چمڑے اور نصف کپڑے کی بندھوا کر ارسال فرما دیجئے جو خرچ ہو وہ قیمت کتاب میں (بلکہ ہدیہ کے لئے) شامل فرما کر جلد سے جلد وی۔ پی

ارسال فرما دیجئے۔ انشاء اللہ اگر جیتا رہا تو امسال میری مولود خوانیاں بڑے زور شور سے ہوں گی، نہ معلوم میں نے آپ سے اس کا ذکر بھی کبھی کیا تھا کہ ۱۹۰۶ء میں مولانا و استاذ نا شبلی مرحوم بڑودہ میری دعوت پر تشریف لائے اور میرے ہی پاس مقیم تھے تو میں نے اورنگ زیب کے متعلق کچھ لکھنے کی تحریک کی تھی بلکہ خود مولانا کی رائے سے جو کسی قدر وضاحت و تشریح کے ساتھ اظہار بھی کیا تھا اور مولانا کو بالآخر اورنگ زیب کے متعلق مزید تحقیق اور تحریر پر راضی کر لیا تھا، اس زمانے میں میں نے عرض کیا تھا کہ یہ تو فرمایئے کہ سیرۃ نبوی کا کیوں انتظام نہیں فرماتے۔ ہندوستان میں کون ہے جو کفار کے پے درپے مگر بیجا سے بیجا تر حملوں کا جواب دے گا خصوصًا اپنے آکسفورڈ .... استاد مارگولیتھ کی طرف اشارہ تھا جس نے اپنی .... میں ذرا شبہ نہیں رکھتا تھا، نہ معلوم اس سے قبل مولانا مرحوم کو کتنے بار اس مقدس کام کا خیال آیا ہو، مگر طرزِ گفتگو سے تو یہی معلوم ہوتا تھا کہ میری تقریر نے اثر کیا اور آخری فیصلہ کم سے کم بڑودے ہی میں رہ کر کیا گیا اس ملاقات وصحبت کا ثمرِ اولین اورنگ زیب کے متعلق الندوہ کے مضامین کا سلسلہ تھا جو مولانا نے مجھی کو انگریزی جامہ پہنانے کے لئے خود اپنے قلم سے درست کر کے ارسال فرمائے تھے اور میری ضد کے باعث کہ انگریزی میں ترجمہ (یا تالیف) کروں گا۔ مگر نہیں کہہ سکتا کہ کام مڑید کب فرصت دے مولانا نے باوجود تسکایات پیہم کے کسی دوسرے سے یہ کام نہیں لیا، تین سال سے زائد ہو گئے کہ فرصت کا ڈبر ہے، مگر،

طرح نصیب ہوئی ہے، وہ معلوم ہے لیکن اس زمانے میں پہلے سے بھی زیادہ عدیم الفرصت ہوں، طبیعت کو انتشار نہیں ہے، بلکہ یکسوئی ہے اور بقول غالب ؎

دل ڈھونڈھتا ہے پھر وہی فرصت کے رات دن
بیٹھے رہیں تصورِ جاناں کئے ہوئے

اور۔ ع

نظارہ زجنبیدن مژگاں گلہ دارد

سرکار عالیہ بیگم صاحبہ نے میری استدعا کو قبول فرمایا تھا کہ سیرت کا ترجمہ میں ہی کروں گا مگر اُن کی دو کتابوں کے ترجمے اب تک باایں ہم "فرصت" نہ ہو سکے اور وہ سخت ناراض ہیں (اور میں اُن سے زیادہ سخت تر ناراض) اس لئے نہ معلوم کون اس متعلقہ کام کو انجام دینے کے لئے آمادہ ہو، مگر ابھی انگریزی ترجمہ کا زمانہ نہیں ہے ابھی تو اُردو دانوں کو اس سیرت کو پڑھنا ہے اور اس سے سبق حاصل کرنا ہے، جب ہم خود مسلماں ہو سکیں گے تو دوسروں میں تبلیغ بھی کر سکیں گے۔ مگر اس زمانے میں اگر مردم شماری ہو تو شاید دس مسلمان ہندوستان میں نکلیں اور خوف ہے کہ اگر کفار نہیں تو فجار میں سر فہرست میرا نام ہو گا۔ بہ قول اقبال

یہ شہادت گہِ اُلفت میں قدم رکھنا ہے
لوگ آسان سمجھتے ہیں مسلماں ہونا

خیر اب آپ سیرۃ ارسال فرمائیے۔ بے حد اشتیاق ہے۔ پڑھ لوں تو دعا کروں کہ خداوند کریم اس اسوۂ حسنہ کی تقلید کی توفیق بھی عطا فرمائے

اگر ایمان اور عمل صالح دونوں جُدا کئے جا سکتے ہیں تو شاید ایمان والوں میں میرا شمار ہو سکے۔ اور اگر دونوں ایک ہی شے یعنی اسلام کے دو ایسے اجزا ہیں جو ایک دوسرے سے علیحدہ بھی نہیں تصور کئے جا سکتے اور اصل اجزا نہیں ہیں بلکہ ایک ہی شے کی دو حیثیتیں ہیں تو پھر افسوس کے ساتھ اقبال کرنا پڑے گا کہ میں ابھی اسلام سے بہت دور ہوں خدا مسلمان کرے، آپ بھی دعا فرمائیے اور یہ کوشش فرماتے رہئے کہ مسلمانوں کو مردم شماری کے اعداد سات کروڑ تو کہاں سات سے بڑھیں اور سو ڈیڑھ سو ہی ہو جائیں۔ اب رخصت ہوتا ہوں عزیزم مسعود کو سلام شوق۔ خود بھی قبول فرمائیے اور تمام دارالمصنفین کو اس میں شامل کیجئے۔

بلبل ہمیں کہ قافیۂ گل شود بس است

آپ کا نیازمند
محمد علی

(۳)

۸ ر ذی الحجہ ۱۳۳۷ھ　　　　　　　　　　جیل خانہ بیتول
مطابق ۴ ر ستمبر ۱۹۱۹ء

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

برادرم سید سلیمان صاحب　　　السلام علیکم وعلیٰ من لدیکم

ایک مدت سے آپ کے ایک محبت نامہ کا قرض دار ہوں
چھنڈواڑے میں جس وقت وہ موصول ہوا تھا مشغولیت و مصروفیت
بہت زیادہ تھی اور یہ سلسلہ وہاں کے قیام کے آخر زمانے میں انتہا
تک جاری رہا۔ البتہ ۸ ر رمضان المبارک سے وہ شے نصیب ہے
جس کی غالب کو ساری عمر تمنا ہی تمنا رہی۔

جی ڈھونڈھتا ہے پھر وہی فرصت کے رات دن
بیٹھے رہیں تصورِ جاناں کئے ہوئے

یہاں داخل ہوتے ہی غسل کیا، قضا نماز فجر ادا کی اور سورہ
یوسف تلاوت کی، عمر تو کچھ ایسی زیادہ نہیں ہے مگر اس عمر میں بھی
اتنے گناہ کئے ہیں کہ اگر کافر ہوتا تو ضرور شبہ ہوتا کہ روز جزا ان سب
کا کس کو حساب یاد رہے گا اور غالباً چند کبیرہ ہی پر کافی سزا بہ عبور

دریائے جہنم" دے کر تمام صغیرہ کو یوں ہی چھوڑ دینا پڑے مگر زمانے کی حالت نے غفلت کو کچھ دور کیا ہے مگر خوف ہے کہ کہیں بہ قول غالب وہی حالت نہ ہو کہ ع

ہیں خواب میں ہنوز جو جاگے ہیں خواب میں

سورۂ یوسف یہاں تلاوت کرنے کے بعد وہ واقعہ پھر تازہ ہو گیا کہ یاران محبس میں جس خوش نصیب کو رہائی ملی تھی اس سے خواہش کی گئی کہ تو اتنا ہی کر دے کہ اپنے آقا سے کہہ دے کہ ایک بے گناہ یہاں اور بھی پڑا سڑ رہا ہے اور باوجود اظہار تشکر کے وہ بھول گیا اور بضع سنین تک اسی محبس میں گزر ہوا۔ برادرم اب تک دنیا میں باوجود حکم ایاک نعبد و ایاک نستعین کے ہزاروں سے لو لگائی اور کچھ نہ پایا۔ مگر اب تجربے کافی ہو گئے ہیں "بھولے بامن گائے کھائی، اب کھائیں تو رام دہائی" یہی وجہ ہے کہ اطمینان قلب و تسکین خاطر نصیب ہے اور وہ فرصت میسر ہے جس کی غالب کو آرزو تھی۔

بفضلہ تعالیٰ ایمان بظاہر سلامت ہے، قید نے دست عمل کو کوتاہ کر دیا اور اس طرح بے عملی کی لاج رکھ لی۔ لہٰذا اب کوئی بہانہ بھی نہیں بنا سکتا کہ فرصت مقصود ہے، اس لئے خواہ مخواہ جی علمی مشاغل کی طرف جاتا ہے، اگر رہائی جلد ہو گئی تو پھر میں ہوں اور مکروہات دنیا، اس فرصت کو غنیمت سمجھتا ہوں۔ سب سے پہلا کام تو یہ کر رہا ہوں کہ حفظ قرآن پاک شروع کیا ہے۔ حافظ کے خطاب کا بھوکا ہوں۔ کیوں کہ خود خداوند دو عالم نے اپنے لئے بھی یہ اسم گرامی تجویز فرمایا ہے، اس وحدہٗ لا شریک کے ساتھ کہاں جا کر شرکت کی

ٹھانی ہے، غالب اواخر عمر میں "گلی قاسم جان" میں کرایہ مکان میں آکر رہے۔ آنکھوں سے سوجھتا کم تھا۔ کانوں سے بالکل سنائی نہ دیتا تھا مغرب کے وقت پالکی نئے گھر جاکر اتری۔ جیسے ہی اتر کر بیٹھے تھے نماز مغرب کے لئے اذان ہوئی۔ مسجد کے عقب میں یہ مکان واقع تھا۔ اشہد ان محمداً رسول اللہ پر حاضرین نے انگوٹھے چومے اور آنکھوں سے لگائے تو پوچھا کیا ہے۔ کسی نے لکھ کر پرچہ دیا کہ اذان پاس کی مسجد میں ہو رہی ہے۔ اسی وقت یہ شعر کہا ؎

مسجد کے زیر سایہ اک گھر بنالیا ہے ۔۔۔ یہ بندۂ کمینہ ہمسایۂ خدا ہے

ہمارا بھی یہی حال ہے

بلبل ہمیں کہ قافیہ گل شود بس است

مرے ہم نام کو تو دوبارہ خدا کی ہم نامی کا شرف نصیب ہوا اور بالمومنین رؤف الرحیم کا خطاب ملا تھا، آپ سن کر خوش ہوں گے کہ پہلے دو ماہ میں الم کا پورا پارہ اور سورہ انفال پوری اور سورہ توبہ ثلث تک یعنی دو پاروں کے برابر حفظ کر لیا گیا، مگر اس خوف سے کہ کہیں بھول نہ جاؤں۔ دوہراتا رہا اور تیسرے ماہ میں اب تک صرف اس قدر ہوا ہے کہ سیقول کے چھ رکوع آج تک حفظ ہو گئے ہیں اور ۳۰ ستمبر تک انشاء اللہ تعالیٰ نصف تک حفظ کر لوں گا۔ خوش نصیبی سے جھنڈواڑہ جیسی جگہ میں بخاری شریف کے ۲۰ پارے مترجم اور نسائی شریف مترجم، ابن ماجہ شریف مترجم، مشکوٰۃ شریف مترجم تلخیص الصحاح مترجم (سب اردو) مل گئیں۔ فارسی میں مشکوٰۃ شریف پہلے سے موجود تھی مگر بدبختی اور کاہلی اتنی سی فارسی کو بڑی مزاحمت

اور رکاوٹ سمجھتی تھی۔ اب یہ بھی بہانہ باقی نہ رہا۔ جستہ جستہ حدیثیں دو تین ماہ سے پڑھ رہا تھا۔ یہاں بھی مشکوٰۃ اور تلخیص اور نسائی ہمراہ آگئی ہیں۔ سیرۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم گھر چلی گئی تھی، وہاں سے منگالی ہے۔ دوبارہ وہیں مطالعہ کر چکا تھا، اب پھر پڑھوں گا۔ معارف کے پرچے جلد بندھوانے کے لئے رکھے تھے (آپ یہ انتظام کیوں نہیں کر لیتے کہ ایک ہی نمونے کی جلدیں بندھوانے کے لئے شائقین کو اطلاع دے دیں کہ اس قیمت پر دار الاشاعت میں معہ فہرست مضامین کے بندھ سکے گی جس کو بندھوانا منظور ہوگا۔ پرچے روانہ کر دے گا) بہرکیف جھنڈواڑہ میں یہ کام نہ ہو سکتا تھا، پرچے گھر چلے گئے تو خوف ہوا کہ کہیں ضائع نہ ہو جائیں۔ اس لئے یہاں منگا لئے۔ پہلی بار آئے تو کوئی بیس پرچے تین سالوں کی جلدوں کے غائب۔ گھبرا کر پھر لکھا معلوم ہوا کہ نوکر کے گھر پر نہ ہونے سے گھبراہٹ میں ایک صندوق میں دیکھنا بھول گئے تھے۔ اس بار اور پرچے بھی روانہ کر دئے مگر اب بھی چند پرچے سال گزشتہ کے کم ہیں اور ایک سال دوم کا۔ وجہ یہ ہوئی کہ سال گزشتہ رواں تھا۔ اس لئے کچھ پرچے میرے کمرے میں تھے۔ کچھ بھائی کے کمرے میں۔ خانہ تلاشی میں گڑبڑ ہو گئے (جی ہاں یہی ہوا تھا) سہ

لی محتسب نے گھر کی تلاشی تو کیا ہوا
نکلا سبوئے کہنہ میں سرکہ بھرا ہوا

اب معارف کے ساتھ فہرست مضامین مجلد سوم آئی تو ضروری ہو گیا کہ سب پرچے جمع کروں اور تضییع سے پیشتر جلد بندھوالوں، مگر

ایک تو آپ سے التماس کرنا ہے اور سیکڑوں آپ لوگوں کو گالیاں دینا ہیں۔ التجا تو یہ ہے کہ حسب ذیل پرچے جو اس وقت نہیں ملتے ارسال فرمایئے جب وقت مل گئے واپس کردوں گا۔

مجلد دوم۔ عدد یازدہم

مجلد سوئم۔ عددہائے سوئم، ششم، ہشتم، نہم۔ دہم

یعنی کل ۶ عدد۔ مزید مرحمت ہوں۔

اب گالیوں کی فہرست لیجئے، آپ حضرات انڈکس پوری تفصیل کے ساتھ مرتب کرنا اب تک کیوں نہیں سیکھتے انڈکس تو انڈکس آپ کی فہرست بھی درست نہیں ہوتی، شکر ہے کہ معارف نے مجلد سوئم کی ایک فہرست مرتب کی ہے، مگر سہل انکاری ظاہر ہے۔ حروف تہجی کے حساب سے مضامین کی علیحدہ فہرست ہوتی اور لکھنے والوں کی علیحدہ۔ خیر غنیمت ہے کہ کچھ تو ہے مگر مجلد اول و دوم اس سے بھی محروم ہیں اور مزید لطف یہ ہے کہ میں نے ارادہ کیا کہ ہر عدد کی فہرست علیحدہ کرکے شروع میں لگا دوں تو معلوم ہوا کہ " خانہ خست خراب " فہرست کی پشت پر شذرات موجود ہیں۔ یہ مجبوری اپنی سستی رفع کردوں گا اور بارہ فہرستیں قلمی تیار کروں گا۔ تب جاکر جلد بندھنے کی نوبت آئے گی بہرکیف اتنی گالیوں کے صلہ میں ۶ عدد جو اس وقت نہیں ملتے مرحمت ہوں تاکہ جلدیں بندھوالی جائیں۔ اب تک میرے متعدد انگریزی رسالوں کی جلدیں نہیں بندھی ہیں اور ممکن ہے کہ میرے عزیز دوست اور سارق کتب سید جالب صاحب ان میں سے اکثر پر قبضہ بھی کر بیٹھے ہوں۔ یہ شرف خاص معارف کو حاصل ہوگا کہ مجلدات تیار کرالی جائیں گی

اگو تین سال بعد ہی کیوں نہ ہو۔

ایک التجا اور بھی ہے اور وہ پہلے بھی کر چکا ہوں کہ ایک پروف سیرۃ النبی کی دوسری جلد کا مجھے بھی عنایت ہوتا رہے۔ انشاء اللہ ترجمہ بلکہ انگریزی قارئین کے مذاق کے مطابق، ترتیب سیرۃ از سر نو کر لوں گا۔ بیگم صاحبہ مجھ سے ضرور ناراض ہوں گی مگر میں اس سے کہیں زیادہ اُن سے ناراض ہوں، اس لئے یہ ذکر ہی چھوڑیئے مگر باوجود اُن کے تلخ تجربے کے میرا ارادہ مصمم ہے کہ سیرۃ کو انگریزی قالب میں میں ہی ڈھالوں، یہ کچھ تو بطریق شکرانہ استاذی مولائی مرحوم ہوگا اور کچھ توشۂ آخرت کا انتظام۔ مگر سیرۃ کی پہلی جلد سے میری تسکین نہیں ہوئی، اس کی غالب وجہ یہی ہوگی کہ پورا نقشہ اس عظیم الشان عمارت کا میرے سامنے موجود نہیں ہے۔ اس لئے اپنی تسکینِ خاطر کی غرض سے میں نے گزشتہ جنوری میں آپ کو عزیزی مسعود کی زبانی پیغام بھیج کر تکلیف دینی چاہی تھی۔ مگر شوخیٔ طالع کہ ملاقات رام پور میں نہ ہو سکی۔ اس وقت خیال تھا کہ اب نہیں تو دو چار ہفتے بعد ہو جائے گی مگر سے

من چہ در خیالیم و فلک در چہ خیال   کار سے کہ خدا کرد فلک را چہ مجال

رام پور قریب تھا، جھنڈواڑہ دور اور گو بیتول دور تر نہ ہی مگر قیود یہاں زیادہ ہیں۔ خیر دیکھئے اب کب ملاقات ہو، اگر مجلد دوم کے پروف ملتے رہیں تو شاید ترتیب وغیرہ کے بارے میں کچھ مفید مشورے ایک نبی امی (روحی فداک یا رسول اللہ) کا امی نہیں تو جاہل ہم نام بھی دے سکے، اچھا اب رخصت ہوتا ہوں مگر یہاں

کے لکھے ہوئے چند اشعار نذر کرتا ہوں۔ یہ شب قدر کی بیداری اور یوم الوداع کا تحفہ ہیں جسرت کی الوداع بھائی نے جو ایک ہی مقتدی کے امام ہوا کرتے ہیں خطبہ الوداع میں پڑھی تھی اور چند اشعار بے ساختہ زبان پر آگئے، صاف نہیں کئے ہیں۔ ڈپٹی کمشنر کے مرسلہ لفافے کی پشت پر پنسل سے گھسیٹے ہوئے اسی طرح آج تک موجود ہیں بھائی کی بیاض پر بھی نہیں اتارے ہیں۔

الوداع

الوداع اے ماہِ رمضاں الوداع　　　بہترینِ غم گساراں الوداع
تجھ میں اترا آخری پیغامِ حق　　　تو ہی تھا شایانِ قرآں الوداع
جوش پر تھا بحرِ رحمت ان دنوں　　　اے زمانِ عفوِ عصیاں الوداع
الفراق اے ہم جلیس صائمیں　　　مونسِ شب زندہ داراں الوداع
آشکارا تجھ پہ تھا سب رازِ دل　　　پردہ دارِ دردِ پنہاں الوداع
تجھ سے تھیں وابستہ امیدیں تمام　　　دافعِ صد یاس و حرماں الوداع
قیدِ تنہائی کی رونق تجھ سے تھی　　　اے شریکِ بزمِ زنداں الوداع
غنچہ ہائے دل شگفتہ تجھ سے تھے　　　اے بہارِ باغِ ایماں الوداع
دور کر دی تو نے ظلمت قید کی　　　تجھ سے ہر شب تھا چراغاں الوداع
ہوتے ہیں اب رخصت افطار و سحر　　　میزبانی ہائے مہماں الوداع
سونپنا تھا تجھ کو زادِ آخرت　　　ہو سکا پر کچھ نہ ساماں الوداع
کاروانِ خیر و برکت چل دیا　　　رہ گئے سب دل میں ارماں الوداع
شدتِ غم سے زباں گر بند ہے　　　تو ہی کہہ دے چشمِ گریاں الوداع

ز اتے نوازشؔ تسنی، ماشاءاللہ نواب علی صاحب[۵۱] سے میری جانب سے شکایت کردیجئے کہ دوسری تصنیف شائع بھی ہوگئی اور اب تک نسخہ نہیں پہنچا۔ ارض القرآن کی دوسری جلد کہاں ہے۔ میں تو معارف کے فلسفیانہ مضامین سے بے اعتنائی برتتا ہوں گو ماجدؔ[۵۲] صاحب خفا ہی کیوں نہ ہوجائیں۔ تفسیر اور صحابہ کرام کے حالات کا متلاشی رہتا ہوں۔ یہ سلسلہ اب کیوں بند ہے۔

نواب علی صاحب کو آپ لکھیں تو میری طرف سے اتنی یاد دہانی اور فرما دیجئے کہ میرا قرضہ بڑودہ[۵۳] کا وصول کیوں نہیں کرتے، ڈگری ہوچکی۔ کھاسٹی راؤ صاحب سے کہکر قرقی کرالو، روپیہ کی سخت ضرورت ہے اور ایسے نا دہند کی رعایت ہرگز مرغوب نہیں ہے۔ اب رخصت ہوتا ہوں، عزیزی مسعود صاحب کو، عبدالسلام صاحب کو اور تمام رفقاء و اراکین کو سلام شوق۔ جب چھوٹوں گا ضرور روضۂ استاد کے پھولوں کی خوشبو سے دماغ و روح کو معطر کردوں گا۔ ع

اے گل بتو خرسندم تو بوئے کسے داری

اور "بزمِ[۵۴] سخن" میں بھی شریک ہوں گا۔ مگر غالب کے ایسے پھیکے اشعار

۵۱ اس عنوان سے معارف (جولائی ۱۹۱۶ء) میں مولوی سید نواب علی صاحب سابق پروفیسر بڑودہ کالج کی ایک نظم چھپی تھی۔
۵۲ مولانا عبدالماجد صاحب دریابادی اڈیٹر "سچ" جو اس زمانے میں فلسفی تھے۔
۵۳ مولانا محمد علی صاحب کے قیام بڑودہ کے زمانے کا کوئی معاملہ تھا۔
۵۴ معارف اگست ۱۹۱۶ء میں اس عنوان سے چند سخن شناس وسخندان احباب کی ایک مجلس میں مرزا غالب کے جو بہترین شعر پڑھے گئے تھے وہ چھپے تھے؛ اس کی طرف اشارہ ہے۔

نہ سناؤں گا، جیسے ماجد صاحب وغیرہ نے سنائے تھے، فارسی کا تو ایک ابھی سن لیجئے۔ تو ایک تو یہ ہے ؎

بے دست کریم کہ ہنوز از ہوائے وصل
شوریست در سرم کہ بہ ساماں برابر است

دوسرا ابھی سن لیجئے (خدا اس تکبر کو معاف کرے)

دلم بر رنج نابرداری فرہاد می سوزد
خداوندا بیامرز آں شہید امتحانی را

آپ کا خیر طلب اور دار المصنفین کا ادنی خادم
محمد علی عفی عنہ خادم کعبہ

مکرر عرض ہے کہ ہمارے بعد بھی مسجد انصار الاسلام (آپ کی شوکت الاسلام[1]) کی تیاری برابر جاری ہے۔ خدا نے ایک فرشتہ صورت فرشتہ سیرت شخص کو بھیج دیا ہے۔ ملک صاحب علیل ہو کر کشمیر جا رہے تھے کہ ہنگامہ پنجاب شروع ہو گیا، باوصف خان بہادری لاہور سے واپس کئے گئے۔ ذیابیطس کی شکایت تھی ناگپور کا موسم خراب سے خراب تر ہو گیا تھا، ہم نے پہلے ہی چھنڈواڑہ کی تعریف کی تھی۔ چنانچہ یکا یک مئی میں آگئے، اہل و عیال کو بھی بلا لیا، سابق ڈپٹی کمشنر مسٹر چٹنولس کا بنگلہ کرایہ پر لے لیا۔ مسجد کے لئے کہا کہ جو مانگو گے ملے گا، ہم نے

[1] چھنڈواڑہ میں یہ دونوں بھائی ایک مسجد بنوا رہے تھے، شوکت صاحب اس تعمیر کے مہتمم تھے اس لئے اس کو ہم نے شوکت الاسلام کا لقب دیا تھا (معارف مارچ ۱۹۱۹ء)

ڈیڑھ سو پر اکتفا کیا ۔ مگر ہمارے جانے کے بعد مسجد دیکھی اور فرمایا کہ جس طرح یہ دونوں بھائی بنوا رہے تھے اسی طرح کام جاری رکھو، ایک ہزار تک میں دوں گا ۔ چنانچہ ڈیڑھ سو دینے کے بعد ڈیڑھ سو اگست میں اور دئے تھے اور سلسلۂ تعمیر جاری ہے ۔

آپ کا مخلص صادق
محمد علی

(۴)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

برادر مکرم و محترم ۔ السلام علیکم

۸ راکتوبر کا برادرِ عزیز مسعود کا محبت نامہ اور ۹ راکتوبر کا آپ کا والا نامہ عرصہ ہوا کہ ملے تھے ۔ سیرۃ (جلد دوم) کے پروف بھی مل گئے تھے، جواب کے لئے موقع ڈھونڈھ رہا ہوں، بیوی بچے جھنڈواڑے میں ساتھ تھے تو خطوط لکھنے کی کوئی قید نہ تھی ۔ اب ایک قید تو یہ کہ وہ یہاں نہ رہیں اور مکتوب سے نصف ملاقات کا کام لیا جائے پھر اس پر طرہ یہ کہ ہفتے میں دو خط سے زیادہ نہ ہونے پائیں، جھنڈواڑے میں جب یہ قید نہ تھی تو محض سنسر کے بلاضرورت توسط کے باعث ہفتے میں دو خط درکنار بعض اوقات مہینے میں بھی دو خط کی نوبت نہ پہنچتی تھی مگر اب برابر ہر ہفتے دو دو خط لکھتا ہوں اور پھر بھی یہ مقدار ناکافی معلوم ہوتی ہے اب اگر احباب کو شکایت ہو تو مجھ سے دست و گریباں نہ ہوں، میرے بیوی بچے سے مباحثہ و مجادلہ و مباہلہ کیا جائے ۔ اگر کسی ہفتے

میں صرف ایک خط جاتا ہے تو خواہ مخواہ پریشان ہونے لگتی ہیں کہ کہیں علالت کے باعث تو دو خطوں میں کمی نہیں ہوئی بھائی کو اجازت ہے (اور مجھے بھی) کہ بزنس کے متعلق زیادہ خطوط لکھ سکتے ہیں چنانچہ وہ ہر ہفتے ایک دو خط رام پور کو بھی کارخانے کے متعلق لکھ دیتے ہیں جس سے رفع تردد ہو جایا کرتا ہے۔ اس کے علاوہ ایک خط عزیزی زاہد علی کو علیگڑھ چلا جاتا ہے اور دوسرا خط ہفتے کا کسی نہ کسی دوست کے نام چلا جاتا یا پھر بچوں کو لکھ دیتے ہیں۔ حال میں مجھ پر گھر کا تقاضا اور بھی زیادہ رہا ایک تو یہ کہ والدہ کی علالت سخت کے باعث اُن کے حکم کے مطابق رام پور جا کر اُن کے علاج و تیمارداری کی درخواست دی تھی۔ ابتدائے اکتوبر سے آج تک منظوری کا انتظار ہے اور چوں کہ اب تک جواب تک سے سرفراز نہیں فرمائے گئے ہیں۔ اس لئے لایموت فیہا ولایحییٰ کا سب لطف اٹھا رہے ہیں۔ ہم گھر والوں سے پوچھتے ہیں کہ ۷ ر اکتوبر کو والدہ کی طرف سے سرکار نے تار دیا تھا (حسب تجویز لوکل گورنمنٹ ممالک متوسط) اور پھر ۱۰ ر اکتوبر کے بعد ڈاکٹری سرٹیفکٹ مانگا گیا تھا اس کے اسی دن روانہ کئے جانے پر کیا جواب ملا، وہ لوگ ہم سے پوچھتے ہیں کہ تمھیں کوئی اطلاع ملی یا نہیں (چیف کمشنر ۳۱ ر اکتوبر کو آئے تھے ۲ ر کو رہ کر ۵ ر کو چھنڈواڑے ہوتے ہوئے ناگپور گئے) چیف کمشنر سے ملاقات ہوئی یا نہیں، انھوں نے کیا کہا وغیرہ وغیرہ۔ دوسرے حجام کی حماقت اور اس سے زیادہ میری کاہلی کے باعث وہی انگوٹھا پھر پک گیا تھا جسے اگست ۱۹۱۴ء میں دوبارہ شگاف دینا پڑا تھا اور جس نے دو ڈھائی مہینے صاحب فراش رکھا تھا (یہ ذیابیطس کی

عنایت تھی) اس کی اطلاع گھر والوں کو ہوگئی، ہر خط میں تقاضا آنے لگا کہ لکھو اب کیسے ہو، حالانکہ اس کی اطلاع احتیاطاً اسی وقت دی تھی جب کسی قسم کا خطرہ باقی نہ رہا تھا بلکہ انگوٹھا اچھا بھی ہو چکا تھا اب افسوس کرنے سے کیا حاصل کہ یہ بھی حماقت ہی تھی کہ اطلاع دی " اُس وقت خیال تھا کہ شاید معظم صاحب (میرے سالے) نے گھر جاکر نہ کہہ دیا ہو، یا میرے بھانجے عثمان نے جو پونا کے انجینرنگ کالج میں پڑھتے ہیں اور یہاں ہوکر تعطیل میں وطن گئے تھے، اس لئے ضروری معلوم ہوا کہ اطمینان دلایا جائے کہ اب اچھا ہوں، اب جاکر معلوم ہوا کہ ان دونوں نے میرے کہنے کا لحاظ کرکے کسی کو مطلق اطلاع نہ دی تھی، اب لگیں مجھ سے شکایتیں ہونے کہ واہ اس قدر انگوٹھا پکّا اور ہمیں خبر تک نہ کی ہم پر تو تقاضا ہے کہ کسی کا سر بھی دُکھے تو بے خبر نہ رکھنا رہا اتکہ میں سخت نادم ہوں کہ یہ اصرار کیوں کیا گیا، سچ مچ سارا گھر دو تین بار بیمار پڑا اور میں سوائے متردد ہونے کے کچھ نہ کر سکا، ع "قہر درویش بر جان درویش" صبر و شکر کیا) اب ضرور لکھو کہ کیسے ہو، نتیجہ اس سب کا یہ تھا کہ وہ لوگ بیمار رہتے اور میں بھلا چنگا، مگر خط پر خط آرہے تھے کہ ہماری فکر نہ کرو اور اپنا حال نہ چھپاؤ، حقیقتہً یہ باعث تھا اس وقت تک خط نہ لکھنے کا، مگر اس ہفتے کا ایک خط آپ کے لئے مخصوص کر دیا گیا تھا کہ اسی اثنا میں دوسرا والا نامہ اور نواب علی صاحب کی کتاب دونوں ملے، میں نے احتیاطاً کتاب کو بھی دو تین دن میں ختم کر لیا، اور اب کہ اس ہفتے کا آخر دن ہے، جواب دے رہا ہوں اس لمبی چوڑی معذ

کو قبول فرمائیے اور اس کا یقین دلانے کے لئے کہ واقعی معذرت قبول ہوئی گا ہے ماہے لکھتے رہا کیجئے اور مسعود صاحب کو بھی تاکید کر دیجئے کہ جب آپ کو فرصت نہ ہو وہ فرصت نکال کر ضرور لکھ دیا کریں (اور اس کے علاوہ بھی) میں آپ حضرات سے سلسلہ جاری رکھنا بھی ایک خاص وجہ سے چاہتا ہوں، علاوہ حصول فیض کے جو ظاہر ہے ایک راز کو بھی عیاں کرنا چاہتا ہوں، وہ یہ کہ حضرات علمائے کرام کو بھولنے کا موقع نہ ملے کہ ہم جہلا کا بھی ان پر حق ہے اور اسلام یہی نہیں ہے کہ عالم ہو گئے (خواہ بے عمل ہو یا باعمل) بلکہ تواصوا بالحق و تواصوا بالصبر بھی نسخہ جات کے اجزا ضروری ہیں، معظم صاحب نے جو کچھ آپ کے متعلق اس مرتبہ کہا اس سے اور بھی امید ہو گئی کہ آپ ہم جاہلوں کے حقوق سے بے اعتنائی نہ فرمائیں گے، کہئے امسال کدھر کا قصد ہے، ناگپور کے بعد بلکام کی باری تھی، بہرحال آپ کہیں بھی جائیے ہمارے حقوق سے لاپرواہی نہ برتئے۔ آپ فرماتے ہیں کہ دل نہیں چاہتا کہ مولانا ئے فرنگی محل سے بدظن ہوں" یقین کیجئے کہ آپ کا دل جس چیز کو نہیں چاہتا وہ درحقیقت اچھی بھی نہیں ہے اور یہ ان چیزوں میں شامل نہیں ہے جس کی شان میں آیا ہے کہ اَن تکرھوا شیئاً وّ ھو خیرٌ لکم، آپ فرماتے ہیں، مگر میں کیا کروں ؎

اگر یک سر موئے برتر پرم فروغ تجلّٰے بسوزد پرم

اس لئے آیت مطلق!"

جہاں تک ہم دو بھائیوں کو تجربہ ہوا ہے (اور یقین کیجئے کہ کم از کم میں تو بہت گستاخ ہوں اور فروغ تجلّی کو اپنے "ہوا" بازی"

میں مانع نہیں پاتا) مولانا موصوف میں جہاں لاکھوں خوبیاں ہیں اور لاکھ خوبیوں کی ایک خوبی جام صہبائے محبت رسول سے سرشار ہونا ہے، وہاں ایک سخت دل خراش خوبی یہ ہے کہ اپنی رائے پر کافی اصرار نہیں فرماتے اور دوسروں کی دل آزاری کے خیال سے ان کی رائے جلد قبول کر لیتے ہیں آپ کو شاید پہلی ہی بار اتفاق ہوا ہو، مگر ہم دونوں کو متعدد بار اتفاق ہوا ہے اور گو نتیجہ تکلیف دہ ثابت ہوا، مگر خود مولانا کے متعلق غلط فہمی پیدا نہیں ہوئی۔ آپ سمجھتے ہوں گے کہ ہم نے بھی اکثر "آیت مطلق" ہی سے کام لیا، مگر ایسا نہیں ہوا میری گستاخیاں تو شہرۂ آفاق ہیں، اگر اواخر مئی کا میرا آخری خط کہیں آپ کو دیکھنے کو مل جائے تو آپ کو کامل یقین ہو جائے گا کہ جب ہم کو معلوم ہوا کہ مولانا دوسروں کی دل آزاری کے خیال سے ان کی رائے قبول فرما لیتے ہیں تو ہم نے بھی اپنی دل آزاری کی روداد تیار کر کے روانہ کرنا شروع کی اور اپنے رائے کی طرف مائل کر لیا، مگر ضرورت اس کی ہے کہ ع

مقدور ہو تو ساتھ رکھوں نوحہ گر کو میں

اسی باعث بھائی کا ارادہ ہے کہ جہاں تک ممکن ہو قیام مولانا ہی کے پاس کیا جائے درد، خلوص اور علوئے حوصلہ سب کچھ موجود ہے اور بہ قدر وافر، مگر دین اور دنیا کو ہمارے علما نے اس قدر علیحدہ کر دیا اور ایک دوسرے سے دور پھینک دیا کہ اب جب دنیا نے دین میں بھی دست اندازی شروع کی تو بغایت مجبوری ان حضرات نے دنیا کی طرف دیکھا اور اس میں قدم رکھنا شروع کیا، مگر تجربہ کہاں سے

لائیں اور خود اعتمادی تجربہ ہی کے بعد آتی ہے جو کچھ ہے یہی بسا غنیمت ہے اور جگہ تو تجربہ ہی نہیں بلکہ درد و خلوص بھی ناپید ہے خدا کرے کہ کھوئی ہوئی دولت دین اور دنیا دونوں کی پھر میسر ہو، اس وقت تو نہ ایک کی کچھ ٹھیک ہے نہ دوسرے کی۔

سیرۃ کے متعلق بہت کچھ کہنا اور اس سے زیادہ سننا ہے یہی وجہ تھی کہ جنوری ہی میں میں نے آپ کو تکلیف دینا چاہی اب دیکھئے کب ملاقات ہو۔ سب سے بڑی ضرورت سیرۃ کے مکمل ڈھانچے کی ہے، اس کے لئے دیباچہ پھر مطالعہ کیا، بہت کچھ تسکین ہوئی مگر کلیۃً نہیں ہوئی تاہم خیال ہے کہ دوسری جلد مکمل ہو جائے تو غالباً تسکین ہو جائے پہلی جلد میں علاوہ چند مخصوص مباحث کے جن کا تعلق واقعات سے نہیں ہے بلکہ نفس اسلام سے ہے۔ آں حضورؐ کے واقعات زندگی کے متعلق صفحات کی کمی محسوس ہوئی، ممکن ہے کہ وہ تفصیلات جو اور سیرتوں میں مذکور ہیں غیر مستند ہونے کے باعث چھوڑ دی گئی ہوں اور واقدی کی تفصیلات کے متعلق جو کچھ پہلے ہی لکھ دیا گیا ہے اس سے قیاس ہوتا ہے کہ زیادہ تر یہ رطب و یابس انھیں حضرات کے ذریعے سے مشہور ہوئی ہوں گی اور اسی لئے ترک کر دی گئیں مگر نامناسب نہ ہوتا اگر فٹ نوٹوں میں یہ تفصیلات دے کر ان کے غیر مستند ہونے کا ذکر کر دیا جاتا اور جو صاف طور پر موضوع اور جھوٹی روایتیں ہیں ان کا پردہ فاش کر دیا جاتا تاکہ عوام کو حق و باطل میں تمیز کرنے کا موقع ملتا، میرا تعلق اس امر سے خاص ہے اور وہ بہ طور مولود خواں ہونے کے میرا ایمان ہے کہ معجزات پر خدائے قادر کو ضرور قدرت ہے اور اس کے سب سے بزرگ نبی نے اگر کسی معجزہ کا ظہور ہوا ہو تو کیا

عجب ہے مگر اسلام کا سب سے بڑا اور سب سے کھلا ہوا معجزہ قرآن کریم اور سنّت رسول ہے جس کی جانچ پڑتال ہر زمانے میں ہو سکتی ہے اور ہوتی رہی ہے۔ اس کے سوائے اسلام کا انحصار کسی معجزے پر نہیں ہے، اس لئے اور مولود خوانوں کی طرح مجھے نور کے ذکر اور معراج کے عجائبات سے زیادہ سروکار نہیں، مگر سوانح و وقائع سے ضرور تعلق ہے اور جتنے واقعات سیرۃ میں مذکور ہیں ان کی سند ہاتھ آنا ہی کافی نہیں ہے بلکہ اس کی بھی ضرورت ہے کہ جو متروک ہیں ان کی حقیقت بھی معلوم ہو جائے۔ اگر فٹ نوٹ اس کے لئے موزوں نہ ہو تو ایک باب علیحدہ ہونا چاہیئے یا ایک ضمیمہ یا انڈکس میں یہ صراحت و وضاحت کی جائے، ضرورت اس کی بھی ہے کہ ایک مختصر مگر جامع کتاب اسی سیرت سے تیار کی جائے جس میں بحث مطلق نہ کی جائے اور صرف مستند وقائع مذکور ہوں تاکہ عوام خود بہ آسانی پڑھ سکیں اور نور ناموں وغیرہ سے نجات ملے، اگر نظم ہی کی ضرورت ہے تو پھر کوئی صاحب انھیں مستند روایات کو نظم کا جامہ بھی پہنا دیں، آپ مجھے میرے اس وعدے کو یاد دلاتے ہیں کہ "جب چھوٹوں گا روضۂ اُستاد کے پھولوں سے روح و دماغ کو معطر کروں گا اور بزم سخن میں بھی شریک ہوں گا"
اجی حضرت ابھی ان ارادوں کا اظہار ہی کہاں کیا ہے، جو دل ہی دل میں پختہ ہو رہے ہیں ابھی تو سیرت کے انگریزی بلکہ (یورپی) قالب کے متعلق کچھ اظہار خیال ہی نہیں کیا ہے اور اس خاموشی کی وجہ یہ ہے کہ خوف ہے کہ کہیں دنیا کی مکروہات میں پھنس کر اس بڑے فرض کی انجام دہی سے قاصر رہوں اور موت کتاب حیات کا آخری

باب لکھ کر "تمت تمام شد" کا فقرہ ثبت نہ کردے، مگر اب یہ بات دل سے نوکِ قلم تک آئی ہے تو سن لیجئے کہ سیرت کے پروف منگانا اور بار بار ملاقات کا تقاضا اور باقی حصوں کی ترتیب و طبع کے متعلق استفسارات یہ سب اسی نیت شب بہ خیر کا صدقہ ہیں

بیگم صاحبہ بھوپال کا قرض دار اور چور ہوں کہ اس نظربندی کی "فرصت" میں بھی باوجود زرِ نقد پہلے ہی وصول کرنے کے ان کی دو کتابوں کا ترجمہ ختم نہ کیا اور جو کچھ بھی ہوا وہ مرحوم غلام حسین کے طفیل نگرہائی یہ فرصت۔ اور وہ کتابیں آن مل بے جوڑ تھیں، بہت طبیعت پر زور ڈالا اور بار بار مگر ایک طرف تو بیگم صاحبہ کی یہ کتابیں تھیں جن میں ایک نیک سیرت خاتون اور قابل حکمران کی روزانہ زندگی کا حال تھا اور ادھر دنیا کے عجیب وغریب واقعات وسوانح تھے جن کی اہمیت وندرت میں عجیب دل کشی تھی، پھر کیا تھا سوائے ان واقعات اور ان کے نتائج کے متعلق فکرہائے گوناگوں کے ہر چیز بے مزہ اور پھیکی سیٹھی معلوم ہوتی تھی، مگر سیرت اور رشتے ہے، البتہ یہ "فرصت" قید سے زیادہ فرصت مانگتی ہے اور قید سے چھٹ کر اگر اتباعِ سنتِ رسول نے فرصت دی تو انشاء اللہ پہلا کام یہ ہوگا کہ یورپ کو اس اسوۂ حسنہ کی زیارت کرائی جائے۔

اے سوارِ اشہبِ دوراں بیا — اے فروغِ دیدۂ امکاں بیا
رونقِ ہنگامۂ ایجاد شو — در سوادِ دیدہ ہا آباد شو
شورشِ اقوام را خاموش کن — نغمۂ خود را بہشتِ گوش کن
خیز و قانونِ اخوت ساز دہ — جامِ صہبائے محبت باز دہ

باز در عالم بیار ایام صلح　　جنگجویان را بده پیغام صلح
نوع انساں مزرع و تو حاصلے　　کاروان زندگی را منزلی

مگر ابھی اس کی آرزو بھی قبل از وقت معلوم ہوتی ہے، ابھی اپنی ہی اصلاح نہیں ہو سکی، دوسروں کی ابھی نوبت کہاں ہے، ابھی تو خود اتباعِ سنتِ رسولؐ کی ضرورت ہے۔

اے چو جاں اندر وجود عالمی　　جان ما باشی و از ما می رہی
نغمہ از فیض تو در عود حیات　　موت در راہ تو محسود حیات
باز تسکین دل ناشاد شو　　باز اندر سینہ ہا آباد شو
باز از ما خواہ ننگ و نام را　　پختہ تر کن عاشقان خام را
از مقدر شکوہ ہا داریم ما　　نرخ تو بالا و نادار یم ما
از تہی دستان رخ زیبا مپوش　　عشق سلمان و بلال ارزاں فروش
چشم بے خواب و دل بیتاب دہ　　باز مارا فطرت سیماب دہ
ما پریشاں چوں ہجوم اختریم　　ہمدم و بیگانہ از یکدیگریم
باز ایں اوراق را شیرازہ کن　　باز آئین محبت تازہ کن
رہرواں را منزل تسلیم بخش　　قوت ایمان ابراہیم بخش
عشق را از شغل لا آگاہ کن　　آشنائے رمز الا اللہ کن

اب رخصت ہوتا ہوں یہاں کے سپرنٹنڈنٹ جیل ایک آئرش مین اور کیتھولک ہیں، تاہم انھوں نے رشنلسٹ سوسائٹی کی ایک مطبوعہ کتاب حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے مصلوب ہونے کے بعد زندہ ہونے کے خلاف پڑھنے کو دی ہے وہ پڑھ ہی رہا تھا کہ نواب علی صاحب کی کتاب ملی، عرصہ سے اس قسم کی کتاب کا منتظر اور طلب گار تھا،

مگر یہ ظاہر نقش اول ہے، نواب علی صاحب کو خود بھی ان شاء اللہ جلد لکھوں گا
مگر آپ لکھیں تو ضرور میری طرف سے شکریہ ادا کر دیں اور لکھ دیں کہ گو
ایک مستقل کتاب عہد عتیق اور عہد جدید کے متعلق یا ہر دو کے متعلق علیحدہ
علیحدہ دو کتابیں انھیں مرتب کرنا پڑیں گی، تاہم یہ نقش اول بھی بے حد
مفید ہے اور تدوین قرآن پاک کے متعلق ابھی ایک اور کتاب لکھنا
پڑے گی اور ساتھ ہی ساتھ قرآن تو قرآن رسول پاک کی احادیث کے
متعلق جو احتیاط برتی گئی ہے اس کا مقابلہ عہد عتیق اور جدید کی ترتیب
و ترجمے کی بے احتیاطی سے اور بھی واضح طور پر کرنا ہوگا، خدا ان کی
کوشش اور محنت کو بارآور فرمائے ع

ایں کار از تو آید و مرداں چنیں کنند

تذکرۃ المصطفیٰ سے اس کتاب میں زیادہ دقت نظر آتی ہے اور اب
خوب منجھ گئے ہیں۔ معارج الدین بھی اب تک میری نظر سے نہیں گزری
وہ بھی منگو دیجئے، مگر صحف سماوی ہیں میں نے ایک بات محسوس کی
یعنی پیدائش حضرت عیسیٰ اور وفات حضرت عیسیٰ کے متعلق انھوں
نے قرآنی بیان کو واضح نہیں کیا ہے غالباً ان کا عقیدہ ہو کہ حضرت
عیسیٰ علیہ السلام یوسف کے نجار کے فرزند تھے، مگر اس قرآنی بیان
کے متعلق کیا کہتے ہیں۔ جو سورۂ آل عمران اور سورۂ مریم میں مذکور
ہے، و ما قتلوہ و ما صلبوہ کے متعلق بھی کوئی صاف بیان نہیں دیا اس
کے متعلق آپ معارف میں کچھ کیوں تحریر نہیں فرماتے۔

مسعود صاحب کو علیحدہ خط لکھوں گا، مگر ان سے یہ معلوم کر کے
خوشی ہوئی کہ صحابۂ کرامؓ کے متعلق ایک تالیف تیار ہے، پھر طباعت

میں کیوں دیر ہے بھائی یہ تعویق تو ہم لوگوں پر جبر ہے کیا ایسی کتابوں کے بکنے میں وقت پیش آتی ہے، واللہ ارض القرآن جیسی کتاب کے لئے تو ہر تعلیم یافتہ مسلمان کو جس کی آمدنی سو روپیہ ماہوار کی ہے کم از کم ۲۵ روپیہ دینا ضروری ہے اور سیرۃ کے لئے تو ہر شخص کو ایک ماہ کی آمدنی دینا لازمی ہے، ہم لاکھ نادار سہی مگر اتنے نادار بھی نہیں ہیں کہ سال میں ۲۰، ۲۵ روپیہ ایسی کتابوں کی خریداری کے لئے نہ نکال سکیں، نواب علی صاحب کے جواب کے متعلق عرض ہے کہ یہ ناممکن ہے کہ تم بھول جاؤ مگر راؤ صاحب کیوں تعویق کرتے ہیں یہ بت تم کے نہیں بلکہ اس سے بھی زیادہ سخت ہیں، مگر اب ٹکا سا جواب دے گا ہے ۱۹۱۲ء سے معاملہ کھٹائی میں پڑا ہوا ہے رہی رقم اس کے متعلق عرض ہے کہ دیوان بہادر صاحب نے خود سات ہزار پر معاملہ چکانے کی کوشش کی تھی سات برس کا قرض اب سات برس اور بھی گزر گئے سود نہ سہی مول ہی سہی۔

۱۹۱۳ء کے سفر میں ملاقات ہوئی تھی تو کہا تھا کہ یہ نہ سمجھنا کہ تمہارے قرضہ کو بھول گیا مگر ابھی موقعہ ادا کی کا نہیں ہے، اب چھ برس ہو گئے، کوئی کب تک انتظار کرے، اب میں روپیہ سے زیادہ صاف جواب کا طلب گار ہوں، اب ڈھیل راؤ صاحب کی ہے بہرحال اس وقت تو کچھ نہیں ہو سکتا مگر جب وہ نادہند ملے اس سے صاف صاف تقاضا کیا جائے۔

نقیب کی رقابت کو نہ سمجھا۔ نقیب آنا بند ہو گیا ہے میں سمجھا کہ خود ہی بند ہو گیا اب بھائی لکھ رہے ہیں کہ ہمارے نام جاری کرد

حضرت نقیب رقیب تو جب ہو جب آپ کی حدود میں قدم رکھے کوچۂ جاناں آپ کی مخصوص ملک ہے، اس میں اس گندے قدم کے آنے کا انتظار کیجیے۔

دونوں کا سب کو سلام اور بالخصوص عزیزی مسعود کو سیرۃ کے اوراق ارسال فرمائیے اگر اصحابہ کا مسودہ بمبہ ہو کر آ جائے تو اسی سے تسکین حاصل ہو۔ میری بھوک بھی بلا کی بھوک ہے۔ مائدہ اترنا چاہیئے اچھا اب رخصت۔

دعا گو اور خیر طلب
محمد علی

مکرر یہ کہ نہ مسٹر کی ضرورت ہے نہ مولوی کی مجھ سے جس کا نام شروع ہو اس کے لئے کچھ درکار نہیں۔ چہ حاجت روئے زیبا را۔ بھائی حفظ بہت مشکل کام ہے۔ اطمینان و یکسوئی درکار ہے سودہ عنقا۔ مکرر یہ کہ اگر فرصت دنیوی مکروہات سے ملی تو ارادہ ہے کہ چند ماہ معہ اہل و عیال کے خاص اعظم گڑھ ہی میں آکر رہوں، مگر شرط محفوظ خاطر ہے۔ عرفت ربی بفسخ العزائم حضرت علیؓ نے بہت خوب فرمایا ہے کہ میں نے اپنے رب کو اپنے ارادوں کے فسخ ہونے سے پہچانا اب جو خدا کا حکم ہو گا وہی ہو گا۔

محمد علی

مسعود علی ندوی کے نام

(۱)

۲۴ ستمبر ۱۹۴۳ء   جیل خانہ بیتول۔

برادر عزیز۔ السلام علیکم و علیٰ من لدیکم

محبت نامہ مورخہ ۹ ستمبر غالباً ۱۴ کو مجھے ملا تھا۔ معارف کے ایک پرچے میں رکھا ہوا تھا۔ سنسر کی نظر سے بچ رہا تھا۔ اس لئے میں نے خود ہی اُن کو بھی اس فائدے پر لطف میں شریک کر لیا اور ان کے پاس بھیج دیا۔ ۱۴ کو ان کے پاس سے واپس آیا۔ جواب اسی وقت دیتا۔ مگر خیال تھا کہ شاید برادر مکرم سید سلیمان صاحب کا محبت نامہ بھی آیا ہوگا اور سنسر نے چوں کہ ایک خط پڑھنے کے لئے روک رکھا تھا اس خیال سے کہ شاید یہ انھیں کا ہو، یا ایک آدھ دن بعد آجائے تو دونوں کا جواب ایک ساتھ ہی دوں۔ جواب میں تاخیر ہوئی سلیمان صاحب کے خط کا اب تک انتظار ہے۔ مگر شکایت نہیں۔ کیوں کہ اس عرصے میں میں نے ارض القرآن کی دوسری جلد بھی ختم کر ڈالی (گو لفظ "بھی" بالکل صحیح نہیں ہے کیونکہ بدقسمتی سے جلد اول

اب تک پوری ختم نہیں ہوئی اور غلطی سے گھر چلی گئی ہے اور اب تک واپس نہیں آئی) سلیمان صاحب اسی طرح کتابیں لکھتے رہیں اور ساری عمر بھی خط نہ لکھیں۔ تب بھی شکایت کا موقع نہ ہوگا، بلکہ مشکوریت کا سلسلہ جاری رہے گا۔

بھائی تمھاری شکایت بھی بجا نہیں۔ دار المصنفین ایک شخص کا نام نہیں۔ اور اگر نام بھی ہو تب بھی شبلی مرحوم میں ان کی تمام علمی ذریت شامل ہے اور اب اسی طرح سید سلیمان ندوی میں سارا "دار المصنفین" اور تمام ندوہ شامل ہے اور عزیزی مسعود ندوی کو اگر سلام بھی نہ جاتا تو شکایت کا موقع نہ تھا۔ اب تو جب حضرت سلیمان (ثانی) کا تصور کرتا ہوں، مسعودِ آصف نما پہلو بہ پہلو نظر آتے ہیں "عالم" ہمیشہ "بے عمل" ہوتے ہیں۔ اسی لئے میری دیرینہ تمنا ایک لٹریری سنڈیکیٹ قائم کرنے کی ہے جس میں اہل علم تصنیف کیا کریں اور ہم حاشیہ نشینانِ دار المصنفین ان کی تصنیفات کے نشر و اعلان میں مدد دیا کریں۔ تم خود "ندوی" ہو اور عالم اس سے شاید ہم کی شرکت ناگوار خاطر گزرے۔ مگر میں تمام "مینیجروں" کو اصحاب تصنیف سے زیادہ وقیع اور دنیا کے لئے زیادہ ضروری سمجھتا ہوں اور یہ دیکھ کر خوش ہوں کہ تم بھی ان حضرات کا ذکر معقول بے اعتنائی کے ساتھ کرتے ہو اور لکھتے ہو کہ "گو تصنیف کی زحمت جناب سید صاحب نے برداشت کی ہے، تاہم تمھارا حصہ اچھا خاصہ ہے۔ یہ لوگ تو محض بھول ہیں۔ اگر ہم بادِ صبا کا کام نہ دیں اور بوئے چمن کو بیرون چمن نہ لے جائیں تو مشام بلبل بھی عطرِ گل کی خوشبو سے مستفیض نہ ہو۔ یہاں تک میری طرف سے معذرت تھی اب بھائی کی معذرت سنئے۔ برادرم

ہم دو آدمی کب ہیں کہ تم اس تفریق کو روا ہی نہیں رکھتے ہو بلکہ عدم تفریق کی شکایت کرتے ہو۔ کاش میں نے عربی پر اس قدر توجہ کی ہوتی جس قدر ایک غیر زبان پر ضائع کی، تو مجھے بھی سید سلیمان صاحب کی طرح سارے آسمان کے ستاروں کے عربی نام یاد ہوتے۔ مگر چونکہ آپ انگریزی سے بھی بے بہرہ نہیں ہیں اس لئے تلاش کرکے بتا دیں گے۔ کیسٹر Castor اور پولکس Pollux ستاروں کے عربی نام کیا ہیں اور اگر نہ معلوم ہوں گے تو دو منٹ میں معرب کر لیں گے۔ ہمارے محور شاید کسی زمانے میں علیحدہ رہتے ہوں، گو بھول گیا ستاروں کے محور بھی کہاں ہوتے ہیں قطب از جا نہ جنبد نحو کا مضمون ہے۔ مگر اس ساڑھے چار برس کی قید فرنگ میں تو ہم توام ہو گئے ہیں اور سیام کے جڑواں بھائیوں کی طرح نہ صرف ایک جان بلکہ ایک قالب بھی ہیں۔ بلکہ اس بار تہدید کی گئی تھی کہ اگر آئندہ شرارت کی تو علیحدہ کر دئے جاؤ گے اور دو مختلف آسمانوں کی فضا میں چکر لگانا اور سارے ستارو کو گمراہ کرنا پڑے گا۔ غالباً آسام اور برہما کی طرف اشارہ تھا اور یہاں بھی تفریق مکانی کی بعض کرم فرماؤں کو خواہش تھی، مگر یہ آرزو مقامی حکام کے باعث پوری نہ ہو سکی۔ اب اگر آپ اس تفریق کے متمنی ہیں تو بے شک شکایت بجا ہے، کہ دونوں نے علیحدہ کچھ نہیں لکھا۔ ورنہ جس طرح تم اور سید صاحب ایک ہو۔ اسی طرح ہم بھی ایک ہیں

من تو شدم تو من شدی من جاں شدم تو تن شدی
تاکس نگوید بعد ازاں من دیگرم تو دیگری

رہا خوشی اور اطمینان کا معاملہ تو بھائی میں نے اسی وقت کہہ دیا تھا جب ہمیں بتایا گیا تھا کہ یہ خاصی رعایت ہے کہ علیحدہ نہیں کئے گئے اور دور نہیں بھیجے گئے کہ ہم ہمہ وقت شکوریت کے لئے تیار ہیں۔ مگر شکایت کسی حالت میں روا نہیں سمجھتے کیوں کہ لَا تَحزَنْ اِنَّ اللہَ مَعَنَا کے بعد قید تنہائی ناممکن ہے اور قرب و بعد مکانی کا خیال فضول ہے۔ جب اطلاع مل چکی ہے کہ اِنَّ ارضی واسعۃ۔ ہاں اگر کسی دوسرے خدا کی خدائی میں انتقال مکانی ہوتا تو البتہ تشویش ہوتی۔ مگر بحمد اللہ کہ ابھی تک اُسی خدا کی زمین پیروں کے نیچے ہے اور اسی کا آسمان سر پر آویزاں ہے یہی نہیں بلکہ ؎

راتدن چکر میں ہیں سات آسماں
ہو رہے گا کچھ نہ کچھ گھبرائیں کیا

عزیزم۔ معارف کی ذرہ نوازی کے مشکور ہیں کہ پابندانِ اسلام کے سلسلے میں ہم دنیا کے کتوں کو بھی شامل کر لیا۔ پھر جب تم بدرجۂ اتم اُن حالات سے واقف ہو اور زلیخا سے زیادہ اس یوسف کنعانی کو محبوب سمجھتے ہو جس نے اس رسم قید کی بنا ڈالی اور اس کے لئے ماثور یہ تجویز فرمایا کہ رَبِّ السِّجنُ اَحَبُّ اِلَیَّ مِمَّا یَدعُونَنِی اِلَیہِ۔ تو پھر کس طرح کہہ سکتے ہو کہ ہم لوگ اس کو انتہائے مصیبت خیال کرتے ہیں" عزیزم۔ انتہائی مصیبت۔ غداری۔ بے وفائی۔ بغاوت۔ نمک حرامی ناشکری اور کفر ہے اور اس منعم حقیقی کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ انتہائے مصیبت اور عذاب الیم سے اُس نے اپنے دو ناچار اور ناکارہ بندوں کو محفوظ و مصئون رکھا ہے۔ میرا ایک شعر ہے۔

سرکش نہیں ، باغی نہیں ، غدار نہیں ہم
پھر ہم پہ تقاضائے وفا اور ہی کچھ ہے

اسی خیال کو کیسے اژ یا رانِ مجلس" حسرت نے کیا خوب ادا کیا ہے ۔ لکھتا ہے

بے وفائی مجھ کو کیا معلوم کہتے ہیں کسے
وہ مرے سرکار ہیں اُن کے وفاداروں میں ہوں

میری سرکار سے ہمیشہ روٹی کپڑا مجھ کو ملا ۔ سانس لینے کو تازہ ہوا ملی ۔ بچہ تھا اور دانت نہ تھے ۔ تو دودھ ملا جس میں نہ شکر ڈالنے کی ضرورت تھی ، نہ سوسے اور چونے کے پانی کی آمیزش کی ۔ بڑا ہوا تو ایک سے ایک بڑھ کر لذیذ کھانے اور پینے کو ملے ۔ پیدا ہوتے ہی نہیں بلکہ پیدا ہونے سے بھی پہلے سے تنخواہ مقرر ہو گئی تھی ۔ اور کبھی ناغہ نہیں ہوئی ۔ خدمت کے لئے نہ صرف نوکر چاکر بلکہ ماں باپ ۔ بھائی بہن ، عزیز و اقارب ملے ۔ بڑے بڑے اشراف ، بڑے گھرانے والے بڑے ناک والے ، گو موت تک کو اٹھانے کو موجود تھے ۔ بڑھنے لگا تو تعلیم و تربیت مفت ملی ۔ جوان ہوا تو دن رات کی صحبت کے لئے ایک حورِ جنت کے لئے احکام جاری ہو گئے اور میری روحانی برہنگی کی شرم رکھ لی گئی اور پروانہ جاری ہو گیا کہ ھن لباس لکم وانتم لباس لھن ۔ ایک دوسرے کی ستر پوشی کرو ۔

دل بہلانے کو کیسے مزے کے ایک دو چھوڑ چار غلمان ملے ۔ دگو آج کل کی اصطلاح میں اُن کو د Su gg ragettes ۔ یا تمہارے اختراع میں اختراعیات ، کہتا ہوں) کام اب ساری مزدوری پر کچھ بھی نہ تھا ۔ صرف ایمان و عمل صالح اور گو نمبرا بہت ڈانواں ڈول

رہا۔ اور بہ حالت صحت بھی توحید کو ریاضی کا ایک اصول سمجھا گیا جس کا تعلق محض دماغ سے ہے۔ جس طرح دو اور دو چار پر اعتقاد بلکہ در اصل اس سے بھی کم اس لئے کہ اس آخری نظر پر تو بفضلہ تعالیٰ اعمال و افعال کی بنیاد بھی غیر متزلزل اور قایم رہی۔ حالاں کہ ایاک نعبد و ایاک نستعین کے خلاف بار ہا عمل رہا) ۔ اور نمبر ۲ تو اکثر غائب ہی رہا۔ تاہم مزدوری ملنا ناغہ نہ ہوا۔ آسمان سے پانی اُسی طرح برستا تھا۔ اور میری پیاس بھی اُسی طرح بجھاتا تھا جس طرح کسی عابد و زاہد، متقی پرہیزگار کی، زمین کے مرے پیچھے اُسے میرے لئے اُسی طرح پھر زندہ کرتا تھا۔ جس طرح پیغمبروں اور صدیقوں کے لئے بلکہ اُس کی پیداواریں سے میرے حصہ کا رزق ان بزرگوں سے کہیں زیادہ اور وافر تھا۔ روئی اُون اور ریشم کے وہ باعث زیب و زینت ملبوس اس جسدِ خاکی کے عیب چھپاتے کو ملے کہ حلہائے شہدا کی اُن کے سامنے کوئی حقیقت نہ تھی۔ پھر اتنا ہی نہیں بلکہ اپنی طرح کے اور اپنے سے اچھے ہزاروں انسانوں پر حکومت بھی نصیب ہوئی اور نام و نمود سے بھی محروم نہیں رہا اور باوجود اس کے کہ "وضع وزر" نہ ہوا تھا۔ "رفع ذکر" بہت کچھ ہوا۔ پھر نہ منت نہ احسان :- ؎

شاہ مارا زرد بہ منت نہد   خالقِ ما رزق بے منت نہد

اَے برادرِ عزیز، اُس بدبخت سے زیادہ کون غدّار، باغی، نمک حرام بے وفا اور ناشکرا ہوگا جو باوجود ان تمام نعمتوں سے مستفیض ہونے کے اگر اور کچھ نہ کر سکے اور اپنے کو دست و پابستہ سمجھے (حالانکہ اس کے ہاتھ بے زور ہوتے ہیں۔ جس کا دل الحاد کا خوگر ہوتا ہے)

توکم از کم منہ سے تو اُس مہربان مربی کی ناشکری کرنے اور دوسروں کو ناحق ناروا اور اس کی مہربانیوں اور عنایتوں، قوت اور قدرت میں اس کا شریک گرداننے سے بھی باز نہ آئے۔ اس سے بڑھ کر اور کیا عذاب دردناک ہوسکتا ہے۔ ضمیر کی ملامت سے بڑھ کر کسی دوزخ کا التہاب ہے کہ اس کی گرمی کو کوئی ذی حس برداشت کرے۔ یہی وہ آگ ہے جس میں ایک بار گر کر انسان کا پھر نکلنا ہی مشکل نہیں ہو جاتا ہے بلکہ لا یموت فیہا ولا یحییٰ کی تکلیف مالا یطاق سے سابقہ پڑتا ہے۔ کبھی علالت کے زمانے میں تمہارا یہ حال ہوا ہے کہ نیند دیر سے نہیں آئی ہے اور بدن کا عضو عضو کم خوابی سے دُکھنے لگا ہے۔ نیند کی سخت ضرورت ہے مگر الا کھ بن بن کر لیتے ہو۔ آنکھیں میچتے ہو۔ کروٹیں بدلتے ہو تکیہ اور بستر بار بار درست کرتے ہو اور اپنے تئیں ہر طرح کا دھوکا دینا چاہتے ہو کہ نیند آرہی ہے مگر نیند ہے کہ کہیں پتہ نہیں۔ کوسوں نشان نہیں آخر شب رات کا لباس اتارنا پڑتا ہے اور دن کی "معاشں" کا دور شروع ہوتا ہے۔ مگر "ثبات نوم" نہ ملنے کے باعث صبح کی کیفیت شام کی کیفیت سے کہیں بدتر ہے۔ عزیزم یہ تو محض جسمانی کیفیت کا حال ہے۔ اب اگر روح کی یہ حالت ہو اور ایک دو شب نہیں بلکہ ساری عمر تو اُس زندگی سے موت کو بہتر نہ سمجھو گے۔ مگر یہ وہ دردِ فرقت نہیں جس کا علاج مرگ سے بھی ہو سکے اور غسل میت کو بھی غسل صحت کہا جا سکے۔ لا یموت فیہا ولا یحییٰ کا حکم اسی طرح نافذ ہے۔

عزیزم - ہزاروں گناہ کر چکا ہوں جن میں نہ کبیرہ کا شمار ہے نہ صغیرہ کا۔ مدتوں گناہ گاری کا احساس بھی نہ تھا۔ جب سے کچھ کچھ

حس ہونے لگا ہے۔ عرقِ انفعال میں غوطے کھا رہا ہوں۔ پچھلا تجربہ کافی تھا۔ خدا کا شکر ہے کہ قدرے ہدایت نصیب ہوئی ورنہ یُضِلُّ بِہٖ کثیرا و یہدی بہٖ کثیرا و ما یضل بہٖ الا الفاسقین الذین ینقضون عہد اللہ من بعد میثاقہ و یقطعون ما امر اللہ بہٖ ان یوصل و یفسدون فی الارض، اولٰئک ہم الخسرون۔ ہمارے بھائی وہ بھی ہیں اور اب تک ہمارے ہی دوش بدوش کام کرتے رہے ہیں۔ جن کو زمانے کے "تلخ تجربوں" نے مجبور کر دیا کہ میثاق اولیں کو توڑیں اور دل سے نئے نئے میثاق گڑھیں اور ایجاد و اختراع کریں اور بجائے وصل کے قطع تعلق کریں اور پھر لطف یہ کہ نہ اپنے کو خسرانِ مبین حاصل کرنے والا سمجھیں نہ مفسد۔ بلکہ اُلٹا ہمیں سے کہیں کہ لا تلقوا بایدیکم الی التہلکہ اور صریح تحریف معنوی کے مرتکب ہوں۔ اور الا علی قوم بینکم و بینہم میثاق اور الموفون بعہدہم اذا عاہدوا سنا کر ہم کو شرمندہ اور پشیمان کریں اور گو اس کال کی بدولت کلوا و اشربوا من رزق اللہ کی دعوت اُن کی دسترس سے باہر ہے۔ تاہم لا تعثوا فی الارض مفسدین کی منادی فرماتے ہیں اور اگر ہم کہیں کہ انما نحن مصلحون تو ہمیں یہ قرآنی فقرے کستے ہیں کہ الا انہم ہم المفسدون۔ بلکہ و لٰکن لا یشعرون۔ اس پر مستزاد ہے۔ انھیں مقتدایانِ قوم سے میرا خطاب ہے کہ

عہد اول کو بھی اچھا ہو جو پورا کر دو
تم وفادار ہو تھوڑی سی وفا اور سہی
خوف غماز، عدالت کا خطر، دار کا ڈر
ہیں جہاں اتنے وہاں خوف خدا اور سہی

مگر برادرم، یہاں آفت تو یہ ہے کہ اگر عہد اول کو پورا کرنے کا ارادہ

کیا تو پھر بہت سے عہد خود ہی باطل معلوم ہونے لگتے ہیں اور شرکت خواہ کسی قسم کی بھی ہو اُس محبوبِ دوجہاں کو نہیں بھاتی اور اُس کی غیرت کو کسی نہج گوارا نہیں ہوتا۔ اس لئے خوفِ خدا کے بعد دل میں کسی اور خوف کی کب گنجایش رہتی ہے۔ حسرت نے خوب کہا ہے ؎

اہلِ ایماں رکھتے ہیں کامل بہ فتوائے جنوں
شانِ لا خوفٌ علیہم شیوہٗ لایحزنوں

اور پھر تجربہ اور خصوصاً زمانے کا تلخ تجربہ۔ وہی بتاتا ہے جو والعصر میں ارشاد ہے اور ایمان و عمل صالح کے ساتھ توصیت بالحق و توصیت بالصبر کو گھاٹے سے بچنے کے لئے لازمی ثابت کر دیتا ہے۔ ایک شاخ بریدہ سے انسان سبق اندوز ہو سکتا ہے (کیوں کہ ہر ورقِ دفتریست از معرفت کردگار)۔

ڈالی گئی جو فصلِ خزاں میں شجر سے ٹوٹ
ممکن نہیں ہری ہو۔ سحاب بہار سے
ہے لازوال عہدِ خزاں اس کے واسطے
کچھ واسطہ نہیں ہے اُسے برگ وبار سے
فصلِ خزاں ہی تیرے گلستاں میں خیمہ زن
خالی ہے جیب دگل زر کامل عیار سے
جو نغمہ زن تھے خلوت اشجار میں طیور
رخصت ہوئے ترے شجرِ سایہ دار سے
شاخ بریدہ سے سبق اندوز ہو کہ تو
واقف نہیں ہے قاعدۂ روزگار سے

مذہب کے ساتھ رابطہ استوار رکھ
وابستہ رہ شجر سے امید بہار رکھ

خدا کا شکر ہے کہ دل ڈانواں ڈول ہو ہو کر سنبھل سنبھل گیا۔ اور کم از کم اُن فاسقین کے زمرہ میں تو نہیں ہوں، جن کی شان میں آیا ہے کہ ینقضون عہد اللہ من بعد میثاقہ ویقطعون ما امر اللہ بہ ان یوصل ویفسدون فی الارض۔ بلکہ اس پر قایم ہوں کہ ؎

تو تیری دو روزہ، مرا پیماں ہے ازل کا
پابند جفا تو ہے تو میری بھی وفا دیکھ

ع - بریں می زیم بر نہیں بہ گزرم، آمین ثم آمین

نہیں بھائی میں خوش اور خدا کرے کہ میرا خدا بھی خوش ہو۔ میں اس سے راضی کاش وہ مجھ سے راضی ہو۔ قرآن پاک ایک مختصر سی کتاب ہے مگر جامع اور ہزاروں مضمونوں کا ایک مضمون اس میں ادا کیا گیا ہے۔ اور بار بار اُسی کی تکرار ہے مگر وہ بزرگان دین بھی جو ہر وقت اُسی کی درس و تدریس میں مشغول ہیں، اب کچھ دشوارب کے الجھنوں میں اسی طرح پھنس گئے ہیں کہ معاش و معاد دونوں کی روح و اصلیت و حقیقت سے غافل نظر آتے ہیں۔ نہ خدا کی خدائی سے ہمیں واقف کرتے ہیں، نہ رسول کی رسالت سے۔ بہت ہوا تو نماز کی قواعد پریڈ میں انہماک اور روزے کی حدود میں غلو کہ الی اللیل، میں الی کے کیا معنی ہیں، یہ خیط الابیض کیا ہے کہ خیط الاسود کیا۔ حج و زیارت مرقد نبوی سے بڑھ کر بزرگان دین کے مزاروں پر جاکر دعاؤں میں مصروفیت تمام ہے۔ زکوٰۃ کا نصاب آنہ پائی تک درست رکھنے کی فکر ہے مگر ہمیں آج تک نہ بتایا

کہ اس قواعد پریڈ سے اصل غرض حرض المومنین اور اعدو الہم ما استطعتم ہے ۔ روزہ ہمارا Iron Ration ہے ۔ جس سے سپاہی بھوک کا تدارک کر سکیں ۔ حج حب وطن میں غلو سے روکتا ہے اور صاحب الحرمین کی سنت کی پیروی پر مائل کرتا ہے اور زکوٰۃ سکھاتی ہے کہ انما اموالکم واولادکم فتنۃ وان اللہ عندہٗ اجرٌ عظیم اور سب کا ماحصل صرف اسی قدر ہے کہ ان کان آباؤکم وابناؤکم واخوانکم وازواجکم وعشیرتکم واموال ن اقترفتموہا وتجارۃ تخشون کسادہا ومساکن ترضونہا احب الیکم من اللہ ورسولہٖ ساری خدائی کی تخلیق کا مقصد نہ آزادی ہے نہ حریت ۔ بلکہ غلامی ایک واحد القہار کی جس کے بعد باقی سب ایک گھاٹ ۔

من و تو ہر دو خواجہ تاشانیم بندۂ بارگاہِ سلطانیم

یہی حریت ہے ۔ یہی مساوات اور یہی اخوت ۔ سارا کام ایک جدوجہد ہے جس طرح ہو سکے زبان سے ، مال سے ، جان سے ۔ بھائی ٹھیک کہا ہر کسی نے کہ مسلمانان در گور و مسلمانی در کتاب ۔ سانپ نکل گیا ہے لکیر پیچھے چھوڑ گیا ہے ۔ میرے اور تمہارے تمام امراض کا (اور کون سا مرض ہے جو اس بیمار میں موجود نہیں) صرف کتاب اللہ اور سنت رسول ہے تمہارے دار المصنفین میں بڑے بڑے فلسفی اور سخندان ، ہزاکہ او نقاد ہیں اور ہوں گے ۔ مگر ہمیں تو تم سے زیادہ تر اسی وجہ سے انس ہے کہ تم قرآن اور سنت کے عاشق ہو ۔

باز خواں از نجد و از یاران نجد تا بیاری کوہ و صحرا را بوجد

خدا بھلا کرے ۔ اس قید کا کہ کتاب اللہ پہلی بار سمجھ کر پڑھنے کی کوشش کی گئی اور سب کچھ کھو کر ایک گنج مخفی حاصل کیا جس کے مقابلے

میں گنج شائیگاں کی کوئی حقیقت نہیں اور رسول (روحی فداک یارسول اللہ)
کے حالات زندگی سے پہلی بار سبق لیا۔ تقریباً دو سال ہوئے کہ میرے
ہم نام مولانا محمد علی صاحب نے قرآن پاک کا ترجمہ انگریزی شائع
فرمایا۔ اور مکرمی مرزا یعقوب بیگ صاحب نے ایک جلد کا ہدیہ ارسال
کیا۔ سر پر رکھا۔ آنکھوں سے لگایا۔ تدوین قرآن پاک کے متعلق سید صاحب
رحمۃ اللہ علیہ نے خطباتِ احمدیہ میں کچھ آگاہی کا سامان فراہم فرمادیا
تھا۔ جب (Mingin) کو خبط سوجھا اور بارکنا حولہ کو بر کنا
پڑھ کر قرآن کے تحفظ کے متعلق بہت کچھ بک گیا۔ حالانکہ ارشاد ہو چکا تھا
کہ انا لہ لحافظون۔ تو اور بھی حالات پڑھنے میں آئے۔ خواجہ کمال الدین
صاحب نے بھی اس طرف توجہ کی اور مولوی محمد علی صاحب نے دیباچہ
میں پوری تصریح بھی کر دی۔ مگر میں قرآن کی .... اور
جغرافیہ کا اسی طرح متمنی رہا جیسے پہلے تھا۔ چنانچہ اسی کی فرمائش
مرزا یعقوب بیگ صاحب سے کی کہ دوسرے ایڈیشن میں اس کا
اضافہ ضرور کیا جائے۔ مگر یہ سہرا میرے سلیمان کے سر کے لئے ازل
سے مخصوص تھا۔

گمان مبر زتو ارد کہ دزد معنیٔ من   متاعِ من زنہاں خانۂ ازل برداشت

پہلی جلد ارض القرآن کی ظاہر ہے کہ دوسرے سے زیادہ خشک تھی
کیونکہ بنیادیں وہ زیب و زینت نمایاں نہیں ہوتی جو عمارت
میں نظر آتی ہے۔ اسی لئے شروع کرتا تھا اور پھر ختم کرکے رہ جاتا
تھا۔ مگر دوسری جلد ملتِ ابراہیم سے متعلق تھی۔ اسی قریبی
رشتے نے گھسیٹ لیا اور اس عرصے میں بارہا شوکت صاحب نے

روزانہ اخباروں اور کونسل کے مباحثات کی طرف متوجہ کرنا چاہا مگر سہ
رشتۂ در گردنم افگندہ دوست   می برد ہر جا کہ خاطر خواہ اوست
کا مضمون تھا۔ جب تک ختم نہ کر لی کتاب نہیں چھوڑی اور مخبر صادق
کی خبروں کے سامنے کوئی اور خبر مزیدار نہ معلوم ہوئی۔ میں تھا اور
اسی قید خانے کی چار دیواری کے اندر سیروا فی الارض فانظر کیف کان
عاقبۃ المکذبین پر عمل کرنے کے لئے لطف، اب بتائیے کہ تیسری جلد
بھی ہوگی، یا یہ استاذی واستاذنا شبلی مرحوم ومغفور کا حصہ رہے گا۔
اور اس کا نام بجائے ارض القرآن کے سیرۃ نبوی ہوگا۔ بھائی خدا
را جو پروف یا قلمی نسخہ ہو رجسٹرڈ کرکے بیمہ کرکے بہر حال کسی طرح
سے مجھ تک پہنچا دو اور یہ حصہ واقعی تھا رہا ہے۔ رفقائے ندوہ
میں سے ایک صاحب معارف میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کے
حالات لکھ رہے تھے۔ اب کیوں خاموش ہیں حضرت سعد بن معاذ
کی حالت خستگی کی آخر دعا، حضرت مصعب بن عمیرؓ کی تکفین حضرت
عبداللہ بن رواحہؓ کا آخری وقف نامہ اور پھر اپنے نفس سے خطاب کہ بول
اب دنیا میں تیرا کیا رہا جو مرنے سے اس قدر ڈرتا ہے۔ یہ وہ تاریخی
سبق ہیں جن سے سب سے زیادہ ہم ناواقف اور غافل ہیں۔ ورنہ
ہمارے بچوں کی درسی کتابوں کے لئے ان قصوں سے زیادہ پرلطف
قصے اور نوجوانوں کے لئے ان واقعات عبرتناک سے زیادہ مؤثر
پند و نصائح اور بوڑھوں کے لئے تسکین قلب اور اطمینان کا ان سے
بہتر سامان کہاں سے فراہم ہو سکتا ہے۔
خدا کی قسم اسلام کی پچاس برس کی تاریخ میں وہ مواد موجود ہے

جس سے ہمارے علاج اور ہماری اصلاح کے ہزار نسخے تیار ہو سکتے ہیں اور سارے یورپ کی تاریخ جس میں یونان، روم، انگلستان، فرانس وغیرہ سب شامل ہیں، پچاس صدیوں میں بھی اس قدر مواد نہیں دکھا سکتی اور غضب یہ ہے کہ میں خود یورپ کی تاریخ کا محض اس بنا پر گرویدہ تھا کہ بادشاہوں کی تخت نشینیوں اور لڑائیوں اور فتوحات کے علاوہ اس میں اصول سیاست سمجھنے کے لئے بے حد مواد فراہم کیا گیا ہے۔ اور ہمارے لئے سبق آموزی کی بڑی گنجائش ہے۔ یہ سب کچھ اس قید فرنگ میں دل سے بھلا رہا ہوں اور اصلی سبق لے رہا ہوں۔ پھر بھی تم اُسے انتہائے مصیبت سمجھتے ہو۔

ارے بھائی مسعود معافی مانگو، ہاتھ جوڑو، پاؤں پڑو، ناک رگڑو اور دیکھو آئندہ ایسی انتہائی حماقت نہ کرنا، ورنہ پٹ جاؤ گے میرے ہاتھ سے اور سرکار علیحدہ ناراض ہو جائے گی۔ سچ کہا تھا میں نے۔

یہ نظر بندی تو نکلی رد سحر — دیدہ ہائے ہوش اب جا کر کھلے
اب کہیں ٹوٹا ہے باطل کا طلسم — حق کے عقدے اب کہیں ہم پر کھلے
اب ہوا ہے ماسوا کا پردہ فاش — معرفت کے اب کہیں دفتر کھلے
فیض سے تیرے ہی اے قید فرنگ — بال و پر نکلے قفس کے در کھلے

ورنہ یہ ہے کہ

طاقتِ پرواز ہی جب کھو چکے — پھر ہوا کیا گر ہوئے بھی پر کھلے

ابھی چند مراحل اور طے کرنا ہیں۔ خدا کرے یوں بھی ہو۔

لو وہ آ پہنچا جنوں کا قافلہ — پاؤں زخمی، ہاتھ منہ پر، سر کھلے

ابھی چند دریائے معرفت اور کھلنے کو باقی ہیں

رات تجھ تک نہ چھوڑی تب کہیں   راز ہائے بادۂ ساغر کھلے ابھی تو

تشنہ لب ہوں مدتوں سے دیکھئے   کب در مے خانۂ کوثر کھلے مگر ہاں

رونمائی کے لئے لایا ہوں جان   اب تو شاید چہرۂ انور کھلے

اب تو کشتی کے موافق ہے ہوا   ناخدا کیا دیر ہے لنگر کھلے

اور کاش یہی سچ ہو جائے کہ ؎

جیتے جی تو کچھ نہ دکھلایا مگر   مرکے جوہر آپ کے جوہر کھلے

اب اس خرافات کو ختم کرتا ہوں، گو مجھے ہفتے میں دو ہی خط لکھنے کی اجازت ہے مگر تم کو ہزاروں پڑھنا اور سینکڑوں لکھنا ہوتے ہیں۔ میں مفت وقت کاٹ رہا ہوں اور تمہاری تضیع اوقات ہو رہی ہے۔ معاف کرنا بھائی۔ ہم قید ہی کے لئے موزوں ہیں۔ اگر چھوٹے اور یہ خرافاتی سلسلہ ساتھ لائے تو تم لوگوں کو تو ایک تماشا ہاتھ آجائے گا۔

شہر کے لڑکوں کی برآئی مراد   بندے دیوانہ رہا ہو گیا

مگر اب اس دیوانگی کا ایسا لپکا پڑ گیا ہے کہ قید اور رہائی کا فرق ہی جاتا رہا بلکہ رہائی میں اُسی طرح قید کی آرزو کیا کریں گے جس طرح کبھی قید میں رہائی کی کرتے تھے۔ میرا ایک شعر ہے ؎

شک باقی ہے، اب تک گو تیری محفل میں بیٹھا ہے

کہ رہ رہ کر خیال آتا ہے۔ جوہر کو بیابان کا

اسی طرح میں ایک اور بھی ہے۔

نکالا پیرسے پھر دل میں رکھا دستِ وحشت نے
خدا کی شان ہے رتبہ ہو یہ خارِ مغیلاں کا

اب تو اسی دعا کی آرزو ہے کہ ع
ایں آوارۂ کوئے بتاں آوارہ تر بادا

سارے تجربوں کا یہی نچوڑ ہے۔ کہ ؎
کیا دھرا ہے عقل میں جز حیرت و سرگشتگی
پھرے ہوں پابند اس کو میں وہ دیوانہ نہیں

عشق ہے تو یہ ہے، عقل ہے تو یہ ہے۔ ہوشیاری بھی یہی ہے اور دیوانگی بھی یہی۔ اور خود ہی لکھ چکا ہوں۔
شدتِ شوق ہی بس وجہ ہے اس مستی کی
ورنہ کچھ عقل کی خامی نہیں دیوانے میں

اب جنوں بہت بڑھ گیا ہے۔ اگر اسی طرح ایک آدھ صفحہ اور لکھا تو جان لو کہ جیب و گریبان و دامان کی خیر نہیں ؎
رکھیو غالب مجھے اس تلخ نوائی میں معاف
آج کچھ درد مرے دل میں سوا ہوتا ہے

سب کا سب کو سلام۔ اب نہ شوکت کی شکایت کی جا سکتی ہے نہ تم کو شکایت باقی رہ سکتی ہے۔ ارے بھئی۔ یہ من و تو کے تفرقے سب باہر باقی ہیں۔ یہاں تو یک سوئی ہے اور یکتائی۔ عیدین میں بھی ایک امام اور نہ دوسرا مقتدی ہے۔ موذن بھی اور مکبر بھی یہی۔ یہی حال ہر جمعہ اور ہر جماعت کا ہے۔ عیدین میں ایک نے دوسرے کو گلے لگایا۔ گویا ساری خدائی نے ساری خدائی سے عید مل لی۔

اس قطعہ کا لطف یہاں حاصل ہوا ہے ؎

مستاں رسید عید بیاراں ندا کنید
باشد ہزار شکر خدا را شنا کنید
زاہد اگر قبول شود روزہ و نماز
در کوئے مے فروش دوگانہ ادا کنید

تمہارا خیر طلب بھائی
محمد علی

مولینا عبدالماجد کے نام

(۱)

۲۲ مئی سنہ ۱۹۱۶ء   چھنڈواڑہ سی۔پی

مکرم ۔ کوئی مہینہ بھر ہوتا ہے کہ انگریزی کتاب " سائیکالوجی آف لیڈرشپ مطبوعہ ٹی، فشر، نون (لندن) کا ایک اشتہار موصول ہوا تھا۔ لفافہ کے اندر سوا اس اشتہار کے اور کچھ نہ تھا لیکن میرا خیال ہے کہ وہ اشتہار آپ کے ایما سے یا کم از کم آپ کے علم میں میرے پاس روانہ کیا گیا تھا اگر کتاب آپ ہی کی تصنیف سے ہے تو یقیناً ولا ویز ہوگی متعدد ولایتی اور ہندوستانی اخبارات کی مدحیہ رائیں اس اشتہار میں پڑھ ہی چکا تھا کہ ایک مفصل ریویو مسز بسنٹ کے روزنامہ نیو انڈیا میں نظر سے گزرا جو بہت ہی مداحانہ تھا۔

اچھا تو میں اب بجائے مشتہر صاحب کے براہ راست آپ ہی کو لکھتا ہوں کہ کتاب کی ایک کاپی میرے نام وی،پی بھجوا دیجئے۔ اس وی، پی کی فرمائش کو کتاب کا نسخہ مفت ہاتھ آنے کے لئے حسن طلب نہ سمجھئے گا۔ مجھے یہ دل سے ناپسند ہے کہ مصنف کے احباب اس سے

کتاب مفت وصول کرنے کی گھات میں رہیں۔ اب وہ زمانہ تو ہے نہیں کہ مصنفین غریب کو شاہانہ سرپرستیاں حاصل ہوں، کتابیں اگر فروخت نہ ہوں تو آخر طبع و اشاعت کے مصارف کہاں سے نکلیں گے اور اس میں اگر دوست احباب ہی بخل کرنے لگیں تو پھر امید کس سے رکھی جائے۔

اس جبریہ تعطیل کے زمانے میں مجھے پڑھنے کے لئے تھوڑا بہت وقت مل جاتا ہے اور سائیکالوجی آف لیڈرشپ (نفسیات قیادت) سے بڑھ کر موزوں موضوع بھی مطالعے کے لئے کیا ہوگا خصوصاً اس لئے کہ آج ہندوستان میں کوئی قابل ذکر لیڈر رہے بھی نہیں۔ خدا معلوم آپ نے ہمارے پیغمبر (روحی فداہ) کی سیرت کا مطالعہ قائد اعظم کی حیثیت سے کیا ہے یا نہیں۔ مکہ کو فتح کرنا جانی دشمنوں کے حق میں لا تثریب علیکم الیوم کے مشہور فرمان کے ساتھ، اور انصار مدینہ سے اس بغیر کشت و خون والی اور بغیر مال غنیمت والی فتح کو قبول کرا لینا، یہ قیادت کے عظیم الشان کارنامے ہیں۔ لیکن یہ سب میں قبل از وقت لکھ رہا ہوں پہلے کتاب تو دیکھ لوں، پھر رائے قائم کروں۔ جملہ احباب کی خدمت میں سلام

(ترجمہ از انگریزی)

مخلص محمد علی

(۲)

دستخط سنسر
یکم اگست ۱۹۶۱ء

چھنڈ واڑہ
۲۵ جولائی ۱۹۶۱ء

مکرمی

جی ہاں - جیسا کہ آپ نے یاد دلایا ہے، آپ کی "سائیکالوجی آف لیڈرشپ" میرے پاس میری ہی فرمائش پر آئی، اور آپ کے اس نقرے کو میں اپنے لئے باعث عزت افزائی سمجھتا ہوں، کہ میں اُن گنے چنے چند لوگوں میں ہوں، جن کے تبصرے کی آپ کوئی وقعت اور پروا رکھتے ہیں - کتاب اگر ہدیۃً نہ موصول ہوئی ہوتی، جب بھی اغلب یہ ہے کہ میں اس کے موضوع پر ضرور آپ کو کچھ لکھتا - لیکن اخبارات میں میں نے پڑھا کہ آپ کی شادی ہوئی اور آپ معًا بعد، موٹر پر کہیں باہر جشن عروسی منانے روانہ ہوگئے اور میں نے خیال کیا کہ، کم از کم تا ماہ جشن، پھر تو "فلسفہ محبت" کے آگے "فلسفہ قیادت" کا تذکرہ بہت ہی بے محل و نامناسب ہوگا اس لئے اب تک خاموش رہا امید ہے کہ یہ عذر مقبول ٹھیرے گا -

خیر اب سہی - کتاب، مصنف کی حسن غور و فکر، وسعت مطالعہ، او

زبردست قوت مشاہدہ کی شہادت دے رہی ہے، اس کے لحاظ سے میں داد دیتا ہوں۔ ہمارے پڑھے لکھوں سے غور و فکر کی طرح ذوق مطالعہ بھی عنقا ہوگیا ہے اور اتنا بھی مادہ نہیں باقی رہا ہے کہ دوسروں ہی کے خیالات سمجھ کر پڑھ لئے جائیں۔ لیکن آپ نے اپنی تصنیف میں مختلف واقعات نفسیاتی کی جو مثالیں درج کی ہیں ان سے ظاہر ہو رہا ہے کہ یہاں صرف دوسروں کے خیالات پر اکتفا نہیں کیا گیا ہے۔ میں داد و ستائش کی زبان میں اور بہت کچھ لکھ سکتا ہوں، لیکن میرا خیال ہے کہ آپ کو مقصود میری "تقریظ" نہیں، بلکہ "تنقید" ہے، آپ سے ملاقات ہوتی تو زبانی ہیں بہت تفصیل سے اپنے خیالات ناقص عرض کرتا۔ ایک خط کے حدود کے اندر ایک فلسفے کی کتاب پر تفصیلی ریویو کیوں کر آسکتا ہے آپ کو صرف مختصر اشارات پر قناعت کرنی ہوگی۔ یہ محض خاکے لکھے کے طور پر آئیں گے اور آپ غالباً اُن سے یہ سمجھیں کو کتاب کا مطالعہ محض سرسری اور متفرق مقامات سے کیا گیا ہے لیکن آپ یقین کیجئے کہ میں عموماً مطالعہ بہت آہستہ آہستہ کرتا ہوں اور آپ کی کتاب کا بہ غور مطالعہ تو میں نے کئی دن میں کیا۔ بہر حال میرے منتشر نوٹ حسب ذیل ہیں :-

۱ - عبادت

موجودہ فلسفیانہ زبان پر آپ کو جو قدرت بلکہ عبور حاصل ہے اس پر دلی مبارکباد پیش کرتا ہوں۔ بیان ہر جگہ صاف ہے اور جو شخص نفسیات جدید سے واقف ہے اسے آپ کے مفہوم کے سمجھنے میں کہیں بھی دقت نہیں ہو سکتی لیکن اس ضرورت کو تو آپ بھی نظر انداز نہیں کر سکتے کہ پڑھنے والوں کی ایک تعداد "اہل اجتماع" کی بھی ہوگی، اور

آپ ان "عوام" کی دادِ تحسین سے خواہ کتنے ہی بے نیاز ہوں، لیکن ان کی ضرورتوں سے تو آپ قطع نظر نہیں کر سکتے اور اُن کی ضرورتوں کا تقاضہ یہ ہے کہ زبان میں مصطلحات ذرا کم استعمال کی جائیں، یا یوں سمجھئے کہ نفسیاتی زبان کے ساتھ ساتھ توضیحات اور مثالوں کا حصہ ذرا زیادہ ہو، ممکن ہے میں کچھ زیادتی کر رہا ہوں، اس لئے کہ مجھے خود طوالت کی لت پڑی ہوئی ہے اور محض اپنا خیال پڑھنے والے کے سامنے پیش کر دینے پر بس نہیں کرتا بلکہ چاہتا ہوں کہ کسی طرح زبردستی اس کے دل کے اندر بھی اتار دوں، تاہم میرا خیال ہے کہ بغیر طوالت کے عیب کے بھی اب اپنی کتاب کو اس کی موجودہ ضخامت سے دوگنا تو کر ہی سکتے تھے۔

۲۔ مغز

مغز کے لحاظ سے میں سمجھتا ہوں کہ " اجتماع سے تو آپ نے بڑی تفصیلی بحث کی ہے۔ لیکن " قائدین " (لیڈروں) میں اُسی قدر اجمال سے بھی کام لیا ہے۔ یہ بالکل درست ہوتا، کہ آپ اجتماع کی نفسیت پر بحث کر کے لیڈروں کے متعلق ایک منفیانہ پہلو اختیار کرتے یہ کہ کر کہ اجتماع میں جن اوصاف کی کمی ہوتی ہے، وہ اُس کے افراد میں پوری طرح پائے جاتے ہیں لیکن یہ یاد رکھئے کہ جس عمومی حیثیت سے آپ اجتماعیات پر بحث کر سکتے ہیں وہ اس لیڈروں کے لئے کافی نہیں کر سکتے۔ کتاب کی نظر ثانی کے وقت میں آپ سے بزور سفارش کرتا ہوں کہ لیڈروں کے متعلق اپنے اس تناسب کو بدل دیجئے۔ کتاب کا یہ حصہ زیادہ تفصیل کا مستحق ہے اور اس عرصے میں مزید شرح و بسط کی محض گنجائش ہی نہیں، ضرورت بھی ہے۔

۳۔ اجتماع

اجتماعات سے متعلق میں آپ کے نظریات سے اجمالاً متفق ہوں۔

لیکن یہاں بھی مزید تفصیل و تقسیم کی ضرورت تھی۔ نظم و ضبط کی اہمیت کو تو آپ نے بھی تسلیم کیا ہے اور مانا ہے کہ اجتماع جب اس وصف سے متصف ہو جاتے ہیں تو ان کی قوت زبردست بھی ہو جاتی ہے اور مفید بھی لیکن "اجتماع" کا مفہوم آپ کے ذہن میں بس اُن بڑے بڑے جلسوں اور مظاہروں ہی کے مترادف معلوم ہوتا ہے جو ہندوستان میں ہر جگہ دکھائی دیتے ہیں نہ کہ ان "مجلسوں" اور "کانفرنسوں" کا جہاں وَامرہم شوریٰ بینہم کے ارشاد ربانی کی تعمیل ہوتی رہتی ہے اور جہاں آزادانہ بحث و مباحثہ، نظر و فکر کے بعد "اجتماع" کے فیصلے اکثر افراد کے فیصلوں سے زیادہ معقول اور "اجتماع" کا عمل بھی افراد کے عمل سے زیادہ منظم ہو جاتا ہے۔ آپ کے فحوائے تحریر سے ظاہر ہے کہ "اجتماع" (بھیڑ) کی حقارت آپ کے ذہن میں بیٹھی ہوئی ہے (خود ہی یہ لفظ ہی تحقیر آمیز ہے، عربی لفظ "جمعیۃ" اس سے کہیں بہتر ہے) کیا میرا یہ خیال صحیح ہے کہ آپ "اجتماع" کی تحقیر کر رہے ہیں، یا یہ ہے کہ آپ اپنے خیالات پوری طرح واضح نہیں کر سکتے۔ یہ تو آپ کو معلوم ہی ہے کہ مجھے اسی طرف ذلکہ یوں کہئے کہ آج سے پندرہ مہینے قبل، نظر بندی کے وقت تک، جمہور سے خوب خوب سابقے رہے اور ممکن ہے کہ آپ مجھے بھی اُن عوام پسند زعیموں میں شمار کر رہے ہوں جو زبان سے تو اپنے مغلِّرْ عامۃ الناس کی بڑی تعریف کرتے رہتے ہیں مگر دل ہی دل میں ان عوام کو کالانعام اور چوپایہ سمجھتے رہتے ہیں لیکن حقیقۃً میں جہاں تک اپنے جذبات اور خیالات کا اندازہ لگا سکا ہوں، میرے خیال میں نسبتاً سب سے بہتر بلکہ اکثر تو قطعاً بہترین فیصلے جماعات ہی کے ہوتے ہیں نہ کہ افراد کے گو سرعت عمل کے لئے افراد ہی کی قیادت کی ضرورت ہوتی

ہے۔ لیکن خیر یہ تو ایک الگ بحث ہے، میں کہہ یہ رہا تھا کہ مجھے آپ سے توقع یہ تھی کہ آپ مختلف اجتماعات کی مختلف نفسیتوں پر نظر رکھیں گے۔ مومنین کی وہ آزاد جماعت جو محمد رسول اللہ صلعم کی ۲۳ سالہ مدت نبوت اور خلافت راشدہ کے ۳۰ سالہ زمانے میں موجود رہی، ایک ایسے ہی اجتماع کی مثال ہے جو اپنے قائدین کے مسلم ترین متبع ثابت ہوئی۔ کیا عمرؓ کے متبعین میں کبھی بھی ایسا ہوا ہے، کہ نکتہ چیں نہ رہے ہوں! اور پھر آج کل کی بھی کسی ایسے "اجتماع" کی بابت، جیسا کہ برٹش ایسوسی ایشن[۲] ہے جو ہر سال برطانیہ اور اس کے علاقوں میں اپنے اجلاس کرتی رہتی ہے، آپ کیا رائے دیں گے؟[۱] (بہ طور جملہ معترضہ" مجھے اس سے مسرت ہو رہی ہے کہ اب آپ کو اس کا موقع حاصل ہے کہ جس "اجتماع" کو ہمارے قدیم دوست آفتاب[۳]، بارہ چودہ سال سے برابر ہانکتے چلے آئے ہیں، آپ اُسے صحیح معنی میں "کانفرنس" بنانے میں مدد دے سکیں[۴]۔ لیکن آپ کو یہ کرنا ہوگا کہ آپ "اجتماع" پر اعتماد کریں اور احتیاط سے بھی کام لیتے رہیں نہ یہ کہ ان کی طرح اس سے بے اعتمادی قائم رکھیں، اور اس سے خوف اٹھاتے رہیں۔)

۴ - قیادت

آپ کے فحوائے کلام سے یہ متبادر ہوتا ہے کہ قیادت جس کا نام ہے

---

(۱) تبلیغ اسلام کا شوق اس وقت بھی جاری ہے۔
(۲) برطانیہ میں سائنس کی ممتاز ترین علمی مجلس۔
(۳) صاحبزادہ آفتاب احمد خاں مرحوم، سکرٹری مسلم ایجوکیشنل کانفرنس۔
(۴) مکتوب الیہ کو صاحبزادہ صاحب نے کانفرنس میں بہ طور اسسٹنٹ سکرٹری کے رکھا ہے۔

وہ محض ایک تسلسل ہے چالبازیوں اور فریب کاریوں کا۔ احمق عوام الناس کے احمق بنائے جاتے رہنے کا، سکیلین اور گگ کی طرح شعبدہ بازیوں کا، محض ایک طلسم ہے "مایا" کا۔ یہ صحیح ہے کہ آپ نے یہ لفظوں میں کھل کر نہیں کہا ہے بلکہ کہیں کہیں تو آپ نے قیادت صادقہ اور قیادت کاذبہ کا امتیاز بھی قائم کیا ہے۔ لیکن نفسیات کے اندر صدق و کذب کا فرق ہے بھی؟ نفسیات کے نقطۂ نظر سے تو جو کچھ بھی حقیقت ہی ہے۔ لیکن محرکات عمل ہمیشہ مختلف ہوتے ہیں اور اخلاقی حیثیت سے بعض قابل ستائش ٹھہریں گے۔ اور بعض قابل مذمت۔ مجھے توقع تھی کہ آپ مختلف انواع کے قائدین کے اعمال، خیالات و جذبات پر تفصیلی بحث کریں گے، اور فرق دکھائیں گے کہ کچھ ایسے ہوتے ہیں جو عمداً دوسروں کو دھوکا دیتے رہتے ہیں، اور کچھ ایسے جو غیرارادی فریب دہی سے قبل خود فریبی کے شکار ہو چکتے ہیں، اور پھر کچھ ایسے بھی، جو پہلے تو ارادةً دوسروں کو فریب دیتے ہیں اور پھر رفتہ رفتہ خود فریب نفس میں گرفتار ہو جاتے ہیں۔ کتاب کا یہ حصہ بہت ہی سرسری ہے اور اتنا مجمل ہے کہ اس سے مطالعہ نفسیات میں مدد نہیں مل سکتی۔

۵۔ نظائر

مثالیں اور نظیریں، جیسا میں پہلے کہہ آیا ہوں میری رائے ناقص میں کافی تعداد میں موجود ہیں۔ اس کے علاوہ، ان کی تقسیم بھی نامساوی و نامتناسب ہے۔ شبلی مرحوم کا ندوہ والا واقعہ اور کلکتہ کے بدمعاشوں کے ہاتھوں سے دو عیسائی مبلغوں کا پٹنا، یہ چیزیں اس قابل نہ تھیں کہ انھیں ایسی کتاب میں بہ طور مثال درج کیا جائے، جس میں اپنے کثرت سے اہم

تاریخی واقعات بیان کئے ہیں، جو ناظرین کے لئے عموماً مشہور و معلوم ہیں۔

۶- پیغمبر خدا کا ذکر

میری تنقید کا آخری عنوان آپ کے اُن تذکروں سے متعلق ہے جو آپ نے پیغمبر خدا اور قرآن مجید کا تمثیل لاتے وقت کیا ہے، میرا خیال ہے کہ آپ سچے اور حقیقی مسلمان ہیں۔ اس بنا پر مجھے سخت حیرت ہو رہی ہے کہ آپ نے ایسی مقدس شخصیت اور ایسی مقدس آسمانی کتاب کا ذکر کس ہلکے پن سے کیا ہے۔ کیا یہ آورد و تصنع اپنی "ناطرفداری" اور خالص علمی تحقیق" کے اظہار کے لئے ہے، یا کیا؟ یہ سوال میں ایک نقاد نفسیات کی حیثیت سے نہیں کر رہا ہوں بلکہ ایک مسلمان نقاد کی حیثیت سے کر رہا ہوں جو ایک مسلمان مصنف سے کتاب اللہ و رسول اللہ کے تذکرہ کے وقت ادب و احترام کی توقع رکھتا ہے۔ میں اس سے بے شبہ خوش ہوا کہ آپ نے محض دنیوی قائدین کی مثالیں دینے پر اکتفا نہ کیا، بلکہ ہمارے اولوالعزم نبی محترم کی شخصیت سے بھی قیادت اور نفسیات قیادت کی مثال میں کام لیا۔ لیکن آپ کے لب و لہجہ میں تو صاف عیسائی مشنریوں کی بو آرہی ہے، جو یہ دکھانا چاہتے ہیں یا کم از کم پڑھنے والے ذہن کو اس جانب منتقل کر دیتے ہیں کہ محمدؐ (جن کے دین پر میں اور میرا سارا کنبہ قربان ہو) نعوذ باللہ ایک پیغمبر کاذب یا محض لسان تھے! بلکہ آپ تو یہاں تک بڑھ گئے ہیں کہ قریش اور یہود جو رسول اللہ کے گرد محض اُن کی اہانت و تحقیر کی غرض سے جمع ہوتے تھے، اور اُن کی بدتمیزیوں پر قرآن مجید میں احکام صادر ہوئے ہیں . . . . آپ نے اُن احکام پر نقد شروع کر دیا ہے یا اگر آپ کوئی سی بھی سیرا اٹھا کر دیکھ لیتے تو آپ کو رسول اللہ

کے حضور میں ادب سے گفتگو کرنے کی آیات کی شان نزول مل جاتی۔ اسی طرح سعد بن عبادہؓ کا بھی وہ واقعہ کہ تقسیم غنیمت کے سلسلے میں جب انصار کو مہاجرین سے شکایت پیدا ہوئی اور سعدؓ نے رسول اللہ کے سامنے انصار کے جذبات کی ترجمانی کی اور رسول اللہ نے اُس وقت تقریر فرمائی ہے، آپ نے اس سارے واقعے کو بھی توڑ مروڑ ڈالا ہے کیا آپ کے خیال میں رسول اللہ کی یہ تقریر محض لفاظی اور شعبدہ بازی تھی؟ مجھے امید نہیں کہ آپ کا ایسا خیال ہو۔ لیکن آپ کا لہجۂ تحریر یقیناً اسی خیال کا اظہار کر رہا ہے۔

آپ کی بحث قیادت پر مجموعی حیثیت سے مجھے یہ کہنا ہے کہ بہتر ہوگا اگر اپنے قیادت کے اصطلاحی پہلو کو صفات قیادت سے الگ رکھا ہوتا پبلک زندگی میں کم و بیش ہم سب کچھ نہ کچھ تصنع سے کام لیتے ہیں۔ بناوٹ ہم سب میں ہے۔ اسی لئے ہمارے خدمت گار اور اُن سے بڑھ کر ہماری بیویاں، ہمارے دھوکے میں نہیں آتیں، لیکن ہمارے پیغمبر نے اپنی عمر کے پورے ۴۰ سال کے والوں کے درمیان ایک عام انسان کی حیثیت سے گزارے اور اس طویل مدت میں انھیں اُن کی صداقت کے جانچنے کے ہر طرح کے موقع حاصل رہے۔ جب چالیس برس کے بعد انھیں "امین" کا لقب حاصل ہو گیا اور اپنے مقدس فرض کی ادا کی کے لئے تیار ہو چکے جب جا کر اُن پر اللہ کی وحی نازل ہوئی اور جب بھی انھوں نے اسے قبول کیونکر کیا؟ غم کے ساتھ ڈرتے ہوئے، جھجکتے ہوئے۔ اور سب سے پہلے ایمان اُن پر کون لایا: سب سے پہلے اُن کی چہیتی بیوی، پھر کمسن چچا زاد بھائی، اور پھر اُن کا عزیز ترین و قدیم ترین دوست! فریب باہر والوں کو دیا جا سکتا ہے اور تصنع اور ابن الوقتی سے ان کے سامنے کام لیا جا سکتا ہے، یہاں

یہ حال تھا کہ تصدیق کرنے والے اور تسلی دینے والے وہی تھے جو خلوت کے محرمان راز تھے! کم از کم یہ ہستی تو چال بازیوں سے بالا تر تھی۔ یہی صحیح ہے کہ خدا نے اس کے سامنے سب کو خاموش رہنے یا مودب گفتگو کرنے کا حکم دیا تھا، لیکن یہ اس "رعب" و "سطوت" و "جاہ" کے تحفظ و قیام کے لئے نہ تھا[1] جس کی دھن میں مٹھی بھر پردیسی، لاکھوں کروڑوں پر حکومت کرنے کے لئے لگے رہتے ہیں۔ جو اس جاہ و اقتدار کے بھوکے ہیں وہ اپنی غلطیوں اور کوتاہیوں کا کبھی اعتراف نہیں کرتے۔ لیکن قرآن تو ایسی آیات سے بھرا پڑا ہے، جن میں پیغمبر کو کہیں تو تنبیہ ہے کہ دیکھو فلاں غلطی نہ کر بیٹھنا، جس کے بہت قریب پہنچ گئے ہو اور کہیں یہ فہمائش ہے کہ فلاں بات تو جو کر چکے ہو، خبردار آئندہ نہ ہونے پائے۔ ہر مفسر و تفسیر آپ کو بتا سکتا ہے کہ اللہ نے اپنے رسولؐ کے جن بعض افعال سے قرآن میں اپنی جس ناپسندیدگی کا اظہار کیا ہے اس کے لئے خاص اصطلاح ہے پھر جب پیغمبر کے صاحبزادے کا انتقال ہوا ہے اور سورج میں گرہن اسی وقت پڑا ہے اور عرب کے لوگ گرہن کو اسی سانحہ ہی کا نتیجہ قرار دینے لگے تو اس موقع پر کوئی جاہ پسند شخص ہوتا تو اس حسن اتفاق سے کیا کچھ فائدہ اٹھاتا۔ لیکن قرآن جو وہم پرستیوں کا خاتمہ کرنے آیا تھا اس نے اس موقع پر بھی اپنا فریضہ خاص طور پر ادا کیا۔ ایک طرف ذرا دلبر کے

[1] مکتوب الیہ نے جو اس وقت تمام تر "فرنگی محققین" کا ہم عقیدہ و ہم زبان تھا۔ یہ لکھ دیا تھا کہ بڑے بڑے قائدین اپنے حفظ جاہ و تحفظ اقتدار کے حریص رہتے ہیں اور اس کے لئے طرح طرح کی تدابیر اختیار کرتے رہتے ہیں، اور انبیا کرام کی حیثیت (نعوذ باللہ) بس قائد اعظم ہی کی رہی ہے۔

مدعی تقدس آدین گلنڈ ڈورس کا یہ دعویٰ ملحوظ خاطر رہے کہ میری پیدائش کے وقت آسمان گرجا اور دوسری طرف قرآن کو دیکھئے کہ اس قسم کے اوہام کو کس کس طرح مٹایا ہے۔ آدین گلنڈ ڈورس کو بالآخر لیوریب ہی میں جواب یہ ملا تھا کہ یہ موسمی کڑک اور گرج تو اس موسم میں اس وقت بھی ہوتی ہے، جب کوئی بلی بچہ جنتی ہوتی اور وہ خود بہ خود پیدا ہوتا نہ ہوتا لیکن ادھر دیکھئے کہ اللہ نے خود پیغمبر کی زبان سے اس خیال باطل کو جو طبعاً شدت کے ساتھ ہو گیا تھا یوں دور کرا یا کہ "آفتاب اور ماہتاب میں گرہن اپنے مناسب موسم میں پڑا کرتے ہیں، انھیں انسانوں کی شادی اور غمی سے کوئی واسطہ نہیں"

ایک اور مثال لیجئے۔ صحابہ کے خیال میں یہ جما ہوا تھا کہ آں حضرتؐ کی وفات کے ساتھ ہی دنیا کا خاتمہ ہو جائے گا۔ اس عقیدے پر وہ مضطر و مجبور تھے، اور جب آپ کی وفات کا واقعہ پیش آیا تو جن کا ایمان سب سے زیادہ قوی و مستحکم تھا، وہ فرط صدمے سے دنگ و ششدر رہ گئے۔ انھیں خیال بھی نہیں آتا تھا کہ کوئی ایسا زمانہ بھی آئے گا جب پیغمبر خدا اس دنیا میں موجود نہ ہوں گے، جن کا ایمان اس درجہ کا نہ تھا، یا جن کی عقلوں پر عقیدتمندی غالب تھی، ان کا تو ایمان ہی متزلزل ہو چلا۔ عمرؓ خود اس درجہ متاثر ہوئے کہ جہاں ایک سردار اعظم اور عملی انسان ہونے کی حیثیت سے انھوں نے ان لوگوں کے روک تھام کی فوری ضرورت محسوس کی، وہاں کوئی عملی تدبیر سوا اس تخویف کے ان کے ذہن میں نہ آئی کہ "خبردار، اگر کسی نے پیغمبر خدا کو متوفی کہا، تو اس کا سر اڑا دوں گا"۔ عین اس وقت وہ شخص جسے بجا طور پر مومنوں کا لقب ملا تھا، اٹھا، اور اس نے تسلی دلاسا دے کر لوگوں کو مطمئن کیا۔ لیکن یہ کیوں کر؟ محض ان آیات قرآنی کو سنا کر

جنھیں خود حضرت محمدؐ (میری ماں اور باپ اور بیوی اور اولاد سب اُن پر قربان) نے دنیا تک پہنچایا تھا۔ و ما محمد الا رسول قد خلت من قبلہ الرسل، افان مات او قتل انقلبتم علیٰ اعقابکم (اور محمد کیا ہیں بجز ایک رسول کے ان سے قبل اور بھی رسول ہو گزرے ہیں، اگر یہ وفات پاجائیں یا قتل ہو جائیں تو کیا تم اُلٹے پاؤں پھر (کفر کی طرف) واپس چلے جاؤگے؟) حضرت ابوبکرؓ نے بالکل صحیح طور پر حضرت عمرؓ کو ٹوکا۔ محمدؐ کی وفات ہو چکی تھی لیکن رب کی وفات نہیں ہوئی تھی، وہ حی و قیوم زندہ تھا۔ یہ تھا اس انسان کی ساری زندگی کا حاصل وعظ، جس نے کبھی اپنی عبدیت کے باب میں شک و شبہ بھی نہیں پیدا ہونے دیا "جاہ و سطوت" کا جو مفہوم آج شائع ہے، وہ تو یہ ہے کہ نہ صرف فرماں روا معصوم ہے، بلکہ حکام بھی اس معصومیت کے حصہ دار ہیں، نہ صرف "قانون" ماورا ء تنقید اور معصوم ہے، قانوناً تو قانون، معصوم ہے ہی، اس لئے کہ "بادشاہ کوئی جرم نہیں کر سکتا" قانوناً بادشاہ سے برتر کوئی قوت نہیں، اس لئے بادشاہ کا جرم پیش کس کی عدالت میں ہو؟ بلکہ اس قانون کے نافذ کرنے والے بھی امکان خطا سے ماورا ہیں۔ ہمارے نبی نے اس عقیدے کو شرک قرار دیا جس سے دنیا کو نجات دلانے وہ مبعوث ہوئے تھے وہ خود معصوم بے شبہ تھے، مگر بس اس حیثیت سے کہ پیغمبر الٰہی تھے، اور پیام بر بھی اگر معاصی کا شکار ہو سکتا تو خود پیام کی صحت مشتبہ ہو جاتی لیکن آپ نے اس کی صاف تصریح کر دی ہے، کہ جس وقت میں اپنے منصب رسالت سے الگ ہوں، اُس وقت میری تمہاری حیثیت یکساں ہے۔ انتم اعلم بامور دنیاکم، یہ وہ الفاظ ہیں جو آپ نے بہ حیثیت ایک تجارت پیشہ مکی کے، مدینہ کی زراعت پیشہ آبادی سے اُس وقت فرمائے

جب ان لوگوں نے ایک فصل میں آپ کے مشورے کے بموجب اور اپنے دیرینہ معمول کے خلاف اشجار خرما میں قلم نہیں لگائے تھے۔

لیجئے یہ خط بہت زائد طویل ہوگیا اور یہ اس لئے ہوا کہ مجھے خواہ غلط ہی سہی، یہ شبہ ہوگیا ہے کہ آپ نے دنیا کے مخلص ترین قائداعظم کی جانب چالاکی کا انتساب کیا ہے، اگر میرا یہ شبہ بے جا ہے تو آپ اس طوالت بیان کو معاف کریں اور عبارات متعلقہ پر ایک بار پھر غور کرلیں جب کتاب کی طبع ثانی کی نوبت آنے لگے، اور طبع ثانی کی نوبت جلد ہی آنی چاہیئے۔ اُس وقت تک کے لئے میرا شکریہ قبول ہو کہ آپ نے ایسا تحفہ مجھے دیا، جس کے باعث مجھے بھی بہت کچھ غور کا موقع مل گیا۔ زیادہ آداب و تسلیمات۔

آپ کا مخلص

محمد علی

مکرر۔ آپ نے مجھے رائے دی ہے کہ میں اس جبریہ تعطیل کے زمانے میں کوئی کتاب لکھنا شروع کر دوں[۱] اور مجھ سے اس کی توقع بھی کی جا رہی ہے اگر یہ صحیح ہے تو جن لوگوں نے مجھ سے یہ توقع قائم کی ہے، وہ مجھ سے واقف نہیں ہیں۔ اولاً، تو مجھ میں وہ صبر و تحمل و استقلال ہی نہیں ہے، جو ایک عالم محقق میں ہونا چاہیئے، دوسرے جو کچھ علم و عقل رکھتا بھی ہوں اس پر میرے جذبات کہیں زیادہ غالب ہیں۔ رہی یہ جبریہ فرصت، سو مجھے یہ فرصت ملنے ہی کیوں پاتی، اگر میرے جذبات اس قدر ضعیف ہوتے کہ جس وقت اغیار "تاریخ سازی" میں مصروف ہیں، میں "تاریخ نویسی" میں لگا رہتا! نہیں، میرے عزیز دوست، میرا دماغ، میرا دل، دونوں اس

[۱] مکتوب الیہ نے رائے دی تھی کہ کسی تاریخی موضوع پر کوئی محققانہ تصنیف کیجیے۔

وقت جس عالم میں ہیں، وہاں تصنیف وتالیف جیسی "تفریحات" کی گنجایش کہاں؟ البتہ کبھی کبھی دل کے ایما سے دماغ دوچار شعر موزوں کرلیتا ہے، اگر آپ کو اس کا ذوق ہو تو میں ایک آدھ غزل آپ کو بھیج سکتا ہوں یہ وہ غزلیں ہیں جو ہ ا جینے کے زمانۂ فرصت میں مشغولیت میں مہلت کے لمحے نکال نکال کر، ضبط تحریر میں لاسکا ہوں۔ یہاں کے ایک حاکم صاحب نے بھی مجھے وہی رائے دی جو آپ نے پیش فرمائی ہے، یعنی تصنیف و تالیف، میں نے جواب دیا کہ اس وقت تو میرا موضوع تصنیف دو ہی چیزیں بن سکتی ہیں، ایک "کربلا" دوسرے "قبل ہجرت"۔ اپنے چند شعر اسی وقت پیش کئے دیتا ہوں، میری ترجمانی کسی قدر انھیں سے ہو سکے گی۔

ہے ابتدا ہماری تری انتہا کے بعد　　　دورِ حیات آئے گا قاتل قضا کے بعد

اسلام زندہ ہوتا ہے ہر کربلا کے بعد　　　قتلِ حسین اصل میں مرگِ یزید ہے

اس طرح سے جینے میں بھی مرنے کا مزا ہے
قسمت میں یہی ہے کہ ابھی راہ قضا دیکھ
اللہ کے بانکوں کا بھی ہے رنگ نرالا
اس سادگی پہ شوخیِ خون شہدا دیکھ
ہے سنتِ ارباب وفا صبر و توکل
چھوٹے نہ کہیں ہاتھ سے دامان خدا دیکھ
تو طیراً ابابیل سے ہرگز نہیں کمزور
بیچارگی پہ اپنی نہ جا، شان خدا دیکھ

آساں نہ تھا تقرب شیریں تو کیا ہوا — تیشے کو کوئی رکھ نہ سکا کوہکن سے دور
ہم تک جو دورِ جام پھر آئے تو کیا عجب — یہ بھی نہیں ہے گردشِ چرخِ کہن سے دور

خوفِ غماز، عدالت کا خطر، دار کا ڈر — ہیں جہاں اتنے وہاں خوفِ خدا اور سہی
عہدِ اول کو بھی اچھا ہو جو پورا کر دو — تم وفادار رہو تھوڑی سی وفا اور سہی

(ترجمہ از انگریزی)

آغاز مئی ۱۹۱۳ء

مکرمی السلام علیکم

ہمدرد چار صفحہ کا نکلتا ہے اور انشاء اللہ یکم جون سے آٹھ صفحے کا نکلنا شروع ہوگا۔ اب ضرورت ہے کہ میں آپ سے قلمی امداد کے لئے عرض کروں، اس سے غالباً آپ کو بھی عذر نہ ہوگا کہ ہمدرد آپ کی امداد کا حاجت مند بھی ہے اور مستحق بھی۔ میں چاہتا ہوں کہ اصل ہمدرد کے ابتدائی پرچوں سے آپ کے مضامین نکلنے شروع ہوجائیں اس لئے اگر بواپسی ڈاک مضامین عنایت کریں گے تو اور بھی زیادہ میری مشکوری کا باعث ہوگا۔ والسلام۔

نیازمند

محمد علی

(۴)

۱۶ / اگست سنہ ۱۹۱۶ء — چھندواڑہ

مکرمی ۔ السلام علیکم

عنایت نامہ مورخہ ۶ / اگست چند روز ہوئے ملا ۔ مجھے تو خوف تھا کہ کہیں آپ میری تنقید سے ناراض نہ ہو جائیں ۔ مگر نیت بخیر تھی اور جانبین کو صرف اصلاح مطلوب تھی نہ کہ افساد ۔ اس لئے میرا خیال صحیح نکلا کہ آپ کو ایک سچی اور دل سوزی کی تنقید محض تقلیدی تعریف و توصیف سے زیادہ پسند ہوگی ۔ عریضہ نہایت ہی مفصل تھا مگر پھر بھی اگر ہم دونوں ساتھ ہوتے تو جزئیات کے متعلق بھی بہت کچھ عرض کر سکتا ہوں ۔ زمانے میں استبداد اور استعباد نے جن کا آپ نے ذکر کیا ہے دو لفظ گھڑ لئے ہیں Destructive—Constructive (یعنی) تعمیری و تخریبی ۔ اور اس میں سے موخر الذکر کو تو ہر سچی تنقید کے لئے استعمال کیا جاتا ہے اور مقدم الذکر کو اس عنقا صفت تنقید کے لئے مخصوص کر رکھا ہے جو نہ آج تک آنکھوں نے دیکھا نہ کبھی کانوں نے سنا ۔ اور جو نہ کسی متنفس کے دل و دماغ میں کبھی ایک لمحے کے لئے بھی جاگزیں ہوا حالانکہ

اگر فن نقادی کو صحیح طور پر دیکھا جائے تو اس کا اولین فرض یہ ہوتا ہے کہ اس قصر سربہ فلک کی تعمیر کے لئے جس کا نقشہ اس کے تصور میں ہوتا ہے (یا کہیں کہیں کسی شاعر یا فلسفی یا ادیب کے کلام میں بھی کوئی محراب یا گنبد نظر آجاتا ہے) زمین کو صاف کرے اور آس پاس کے بوسیدہ مکانات، بدنما جھونپڑے اور تنگ و تاریک بے قاعدہ گلیاں وہاں سے دور کر دے۔ بہرحال تعمیر سے پہلے تخریب تھوڑی بہت کرنی ہی پڑتی ہے۔ اگر استبداد کے عام اعتراض میں کوئی اصلیت ہی تو محض اس قدر کہ تخریب کی غرض سے نہ ہو بلکہ تعمیر کا پیش خیمہ ہو۔ سو میں نے جو کچھ بھی لکھا اس غرض سے لکھا تھا کہ جب کبھی نظر ثانی کا موقع آئے تو آخری فیصلہ کرتے وقت میرے پراگندہ خیالات میں سے جو ضروری اور مفید معلوم ہوں پیش نظر رکھے جائیں۔

پیغمبر اسلامؐ (روحی فداک یا رسول اللہ) کے متعلق ظاہر ہے کہ آپ اُن کو اتنا بڑا پیشوا مانتے ہیں اور کتاب کے ہر پڑھنے والے سے بھی منوانا چاہتے ہیں جتنا کہ کوئی اور پیشوا ہو گزرا ہو جس کی نظیر کتاب میں ہے۔ ورنہ ایک مسلمان کو کچھ بھی ضرورت نہ تھی کہ جہاں نپولین وغیرہ کا موازنہ کیا جاتا ہو، وہاں ذکر حبیب خدا صلی اللہ علیہ وسلم بھی کیا جائے۔ آج کل کی سیاست بین الاقوامی کی اصطلاح میں آپ کا غیر طرف دار رہنا بھی ایک ایسی کتاب کے لکھنے میں جسے ہر مذہب و ملت والا پڑھے، قرین مصلحت تھا۔ میں نے اس خیال Conception پر ہرگز اعتراض نہیں کیا ہے اگر اعتراض ہے تو محض طرز عمل (Execution) پر۔ اب چونکہ خود آپ کی تحریر سے واضح ہو گیا کہ آپ وہی چاہتے ہیں جو میں سمجھتا تھا کہ آپ چاہتے ہوں گے۔ اس لیے میری تنقید کی نوعیت بھی واضح ہو گئی، اور وہ اتنی

باقی ہے یعنی ایک عام پڑھنے والے پر آپ کے الفاظ اور جملوں کا اور نیز اُن موقعوں کا جن پر تذکرہ آنحضرت صلعم کیا گیا ہے ایک حد تک ضرور یہ اثر پڑتا ہے کہ وہ بار بار غور کرے کہ کہیں آں حضرت صلعم کو مار گولیتھ (یہ میری بدنصیبی تھی کہ آکسفورڈ میں جب میرا ارادہ تحقیق Research کی ڈگری لینے کا تھا تو یہ میرے رہنما مقرر کئے گئے تھے اس کے علاوہ بیشتر بھی کچھ عربی ان سے پڑھی تھی) وغیرہ کی طرح ایک چلتا ہوا لیڈر تو ثابت نہیں کرنا چاہتے۔ چونکہ یہ نہ آپ کا مفہوم ہو سکتا تھا نہ ہے اس لئے میری توقع بے جا نہیں کہ آپ اپنی تصنیف کو ایک بار اس شبہ کو دل میں جگہ دے کر پڑھیں کہ مصنف کوئی غیر مذہب والا ہے۔ جو مسلمانوں کو یا کم از کم غیر مسلموں کو تو ضلالت کی طرف آہستہ آہستہ لے جانا چاہتا ہے تاکہ وہ عظمت جو ایک وحی پانے والے رسول کی اُن کے دل میں ہو۔ وہ دور ہو جائے اور اس طرح دور ہو کہ خود پڑھنے والوں کو بھی اس تبدیلی خیالات کا احساس نہ ہونے پائے اور اسی لئے بہ طور ایک "بئس البدل" کے خلعت نبوت اتار کر لیڈری کی گون (Gown) پہنا دی ہے۔ یہ ہرگز آپ کا خیال نہ تھا نہ ہو سکتا ہے۔ مگر جس طرح حساب میں بچے اپنے سوالات کے جوابات کی جانچ کرتے ہیں کہ تقسیم کا ہے تو ضرب دے کر دیکھتے ہیں اور تفریق کا ہے تو جمع کر کے، اسی طرح ایک پڑھنے والے کے جذبات اور اس کے دل پر جو اثرات پیدا ہو سکتے ہیں اُن کا اندازہ اس طرح ہو سکتا ہے کہ اس سلسلہ تاثر کو اُلٹ دیا جائے اور جو تنقید کہ ایک نقاد پیش کرتا ہوا اس کو صحیح تسلیم کر کے اور جو اثر کہ آخر کار پڑھنے والوں کے دل پر یہ قول اس کے پڑنا ممکن یا اغلب ہو اسے قبول کر کے پھر کتاب کو پڑھا جائے اور دیکھا

جائے کہ جو نقوش پڑھنے سے پیشتر ہی دل پر نقش ہو گئے تھے باقی رہتے ہیں یا مٹتے جاتے ہیں۔ یہ بھی یاد رہے کہ گھڑی ساز جب گھڑی کے کسی ٹوٹے ہوئے پرزے کو سنبھالنا چاہتا ہے تو خوردبین شیشہ لگا لیتا ہے جس سے نقص اصلیت سے کہیں بڑا معلوم ہوتا ہے۔ یہ اس غرض سے کہ باریک سے باریک نقص بھی صاف نظر آئے اور اصلاح کی جا سکے۔ اچھے سے اچھا نقاد بھی اکثر اسی غرض سے مبالغہ سے کام لیتا ہے اور عوام سے کہیں زیادہ "لطیف" اور "باریک بیں" بننا پڑتا ہے۔ چونکہ غرض اصلاح ہے نہ کہ افساد اس لئے یہ بال کی کھال نکالنا اُس کے لئے جائز ہی نہیں سمجھنا چاہیے بلکہ اس کے لئے اصرار کرنا چاہیے۔ اسی وجہ سے میں نے بھی اس تنقید میں مبالغہ سے کام لیا ہے اور مصر ہوں کہ آپ خود اس سے بھی زیادہ مبالغے سے کام لیں۔ جوہری جب نگیں تراشی میں مصروف ہوتا ہے تو زیادہ وقت اس کا اُس تراش خراش میں صرف نہیں ہوتا جو عوام کو نظر آسکے بلکہ ایسی باریک اصلاح میں جس کا نظر آنا تقریباً ناممکن ہے اور جو کچھ وہ گھنٹوں کی محنت میں تراشتا ہے وہ نہایت باریک خاک کے چند ذرے ہوتے ہیں جو تراشتے تراشتے ہی ہوا ے اڑتی ہے۔ مصنف کسی طرح جوہر فروش سے کم نہیں اور اُس سے زیادہ باریک بیں نقاد اُس کی تصنیف کا اور کوئی نہ ہونا چاہیئے۔

"فلسفۂ اجتماع" کب تیار ہوئی۔ افسوس ہے کہ انجمن ترقی اردو اپنی طرف سے شائع کردہ کتابوں کا کافی اشتہار نہیں دیتی۔ اُسے چاہئیے کہ اگر کسی کتاب پر ایک ہزار روپیہ صرف کرے تو کم از کم ۲۰۰ اُس کے متعلق اشتہاروں پر بھی صرف کرے۔ اخبار والے اُس کے ساتھ ضرور رعایت کریں گے میں نے خود ہمدرد میں یہی کیا تھا۔ مگر خود انجمن کے رکن اس معاملے میں

تساہل برتتے تھے۔ آپ بیسویں صدی کی اس ضرورت اور Psychology
of the Advertiser پر عبدالحق صاحب کو ضرور لکھئے۔

نفسیات القرآن پر آپ نے جو لکھنے کا ارادہ ظاہر کیا ہے اس کے متعلق کیا پوچھ سکتا ہوں کہ کام کا "نقشہ" اور "تخمینہ" (باصلاح تعبیرات) کیا ہے۔ میں جانتا ہوں کہ آپ مجھ سے ناراض نہ ہوں گے۔ زیادہ سے زیادہ ایک سیاسی ریڈیکل کے جسم میں ایک مذہبی دقیانوسی کی روح رکھنے والا سمجھیں گے اگر میں عرض کروں کہ بہ قول حالی۔ ع

یاں جنبش لب خارج از آہنگ خطا ہے

جو کچھ بھی لکھا جائے وہ سمجھ کر کہ یہ کسی انسان کا کلام نہیں، محاورہ انسانی ہے مگر اس کی تمام Psychology خلاق زمین و آسمان کی ہے۔ غالباً آپ نفسیات القرآن سے یہ ثابت کرنا چاہیں کہ بڑے سے بڑا Psycholcgist بھی اس طرح انسانی نفسیات کے اسرار و نکات سے نہ واقف ہو سکتا ہے نہ ان کے اظہار کے لئے الفاظ اور ترکیبیں اور فقرے کسی زبان میں پا سکتا ہے جس طرح خود اس ذات پاک نے قرآن کریم میں ظاہر فرما دیا ہے جو عالم الغیب والشہادہ اور انسان کا پیدا کرنے والا ہے۔ اگر آپ کا یہ خیال ہے تو میدان نہایت وسیع ہے مگر رہرو کو ہر قدم پھونک پھونک کر اٹھانا پڑتا ہے۔ میں ہرگز ان لوگوں کے طرفداروں میں نہیں ہوں جو کلام ربانی سے اس قدر خائف ہو جائیں کہ اسے کبھی سمجھ کر پڑھنے کی کوشش کریں نہ اس کے متعلق کچھ سوچیں نہ پوچھیں گچھیں۔ کلام پاک ریشم کے جزدانوں اور الماری سے بالاتر ہے جو صرف اور وہاں کے گرد و غبار کے لئے آسمان سے نازل نہیں ہوا تھا۔ میں جانتا ہوں کہ قرآن پاک کا ہر ایک نسخہ اس کثرت سے مستعمل ہو کہ غیل کے نشان۔ کاغذ

کی پٹیاں بین الاوراق یہاں تک کہ انگوٹھے اور انگلیوں کے نشان ہر جگہ نظر آئیں اور ثابت کر دیں کہ اس کتاب سے زیادہ اس کے ماننے والے کسی کتاب کو نہیں پڑھتے نہ اس سے زیادہ کسی کتاب کے سمجھنے کی زیادہ کوشش کرتے ہیں۔ مگر مجھے اُن لوگوں سے ہمدردی ضرور ہے جو قرآن کو نہایت احتیاط و اہتمام کے ساتھ چھوتے ہیں۔ گو برس دو برس میں ایک ہی دفعہ کیوں نہ ہو۔ یہ ام الکتاب ہے اور اس کا ادب باقی رکھنا اس لئے لازم ہے کہ اگر اتنی احتیاط نہ برتی جائے تو تحریف کا اندیشہ ہے اور تمام صحف ماقبل اس خطرے کے بے جا نہ ہونے کا کافی سے زیادہ اور سخت دل خراش ثبوت ہیں۔ اسی لیے ایک صاحب نے جب ایک ترجمہ بلا متن میرے پاس ریویو کے لئے بھیجا تو میں نے اُنھیں اطلاع دے دی کہ مجھے ایندھن کی آج ضرورت نہیں ہے۔ کیا مسلمانوں کے لئے یہ بات مایۂ ناز نہیں کہ تیرہ سو برس سے زیادہ عرصہ گزر گیا مگر مسلمانوں نے اس ام الکتاب کو اس احتیاط سے رکھا کہ آج تک ایک لفظ یا حرف تو کجا زیر زبر کا بھی فرق نہیں ہونے پایا اور تمام فرقے اس پر اتفاق کلی کرتے ہیں۔ قرآن پاک تو قرآن پاک دوسرے صحائف ہمارے کتب حدیث کی تحقیق و تدقیق اور صحت و حفاظت کا مقابلہ نہیں کر سکتے۔ قصہ مختصر مجھے امید ہے کہ جو کچھ بھی آپ لکھیں گے آداب قرآن کو ہر طرح ملحوظ رکھ کے مگر لکھیے ضرور۔ اس سے ہرگز نہ خائف ہو جیے۔ یہ تو ایسی سیدھی سادی کتاب (غیر ذی عوج) ہے کہ عرب کے گنوار مدینہ منورہ جاتے اور نبیٔ اکرم سے اسے سنتے اور ہم سے کہیں زیادہ سچے اور پکے مسلمان بن کر اپنے بالوں والے خیموں اور اپنے ریگستان اور گلوں میں واپس آجاتے معترض کا جہاں شکریہ ادا کرنا ہے وہاں یہ شکایت بھی باقی ہے کہ باوجود سچی محبت

اور احترام کے اُنھوں نے بھی ایک حساب سے ادب قرآن پاک قائم نہ رکھا۔ جو کچھ لکھا وہ زیادہ تر اس نیت سے کہ اپنا کمال تمام اس صحیفۂ اکرم پر صرف کر دیں۔ مگر بعض اوقات یہ بھول گئے کہ کہیں حاشیہ متن کو اپنے بوجھ اور پھیلاؤ سے چھپا اور دبا نہ لے۔ یہی حال شیکسپیر کے جرمن شارحین کا ہے۔ اُن کا ساری دنیا پر احسان ضرور ہے کہ شیکسپیر کو خود اُس کے ہم وطنوں کے تغافل سے نجات دی تھی مگر اب تو بعض نے شیکسپیر کو محض اپنی مضمون آفرینی کا آلہ بنا لیا ہے۔ خدا مسلمانوں کو قرآن پاک کے متعلق اس شر سے بچائے۔ آمین

(۲)

آپ میری شاعری کا کیا پوچھتے ہیں۔ بچپن میں تو بہت سے سامان ایسے بہم ہو گئے تھے کہ میں آج زلف و ابرو کی تعریف میں خاصے شعر نکال لیا کرتا۔ رامپور میں اُس زمانے میں پیدا ہوا تھا جب گھر گھر مشاعرہ ہوتا تھا۔ داغ امیر تسلیم۔ جلال۔ عروج دہلی اور لکھنؤ کے آسمان کے ٹوٹے ہوئے ستارے سب رامپور کے آسمان سے نور افشانی کر رہے تھے۔ خود میرے خاندان میں بھی شعر گوئی کا ذوق ہوا۔ تین چار عزیز استاد داغ کے شاگرد ہوئے جن میں ایک میرے حقیقی بھائی ذوالفقار علی خاں صاحب گوہر اور میرے چچا زاد بھائی اور خسر عظمت علی خاں اور ان کے بھائی حافظ احمد علی خاں صاحب شوق شامل تھے۔ گھر پر بار ہا مشاعرہ ہوا۔ پھر داغ کو نواب کلب علی خاں صاحب مرحوم نے جن کی نظر ہمیشہ کفایت شعاری پر رہتی تھی ازراہ پرورش سرکاری اصطبل کا داروغہ بھی کر دیا تھا تاکہ وظیفہ محض کار بے کاراں کی مد نہ ہو

یہ میرے مکان کے عقب میں تھا اس لئے روزان کی زیارت یونہی ہو جاتی تھی اور اب اس بذلہ سنج کے شعر کا لطف اٹھاتا ہوں جس نے داغ کے اس تقرر پر کہا تھا ممکن ہے کہ تاریخ بھی نکلتی ہو ؎

آیا دہلی سے ایک مشکی خر   آتے ہی اصطبل میں داغ ہوا

داغ کی غزل یاد کیجے ؎

آج رخصت جہاں سے داغ ہوا   خانۂ عشق بے چراغ ہوا

اس پر مستزاد یہ کہ ذوالفقار روزانہ داغ کے گھر جاتے تھے جو ہمارے مکان سے دور نہ تھا اور مجھے بھی لے جاتے تھے۔

داغ نے پہلے دن پوچھا کچھ شعر بھی یاد ہیں میری عمر بہت کم تھی مگر بھائی نے کچھ شعر یاد کرا دیے تھے جنھیں میں نہایت زور اور شان سے کڑک کڑک کر پڑھا کرتا تھا میں نے داغ ہی کے چند شعر انھیں سنا دئے سن کر پھڑک گئے اور اس کے بعد ہمیشہ اصرار رہا کہ اس بچے کو ضرور لایا کرو۔ جناب والا اس کے بعد اگر میں یہ دعویٰ کروں کہ شعر و سخن کی گود میں پلا ہوں تو بے جا نہ ہوگا مگر میرا دعویٰ تو اس سے بھی بڑھ چڑھ کر ہے سنیے میں نہ صرف شعر و سخن کی گود میں پلا ہوں بلکہ اس کی توند پر کودا ہوں اسے ہاتھی بنا کر پیٹھ پر سوار ہوا ہوں غرض کوئی بے ادبی یا گستاخی باقی نہیں رہی ہے جو میں نے شعر و سخن کی شان میں نہ کی ہو۔

میری پیدائش ۱۸۸۵ء کے اواخر کی ہے۔ میں نے دس برس ہی کی عمر میں بہت سے لغو و فضول شعر مگر بامعنی اور موزوں کہے تھے اور اچھا ہوا کہ اب وہ کسی کو یاد نہیں ورنہ جب میری Official Biography یعنی گورنمنٹ کی طرف سے نہیں بلکہ بقول آپ کے میری امت کی طرف سے لکھنے کا وقت آتا تو میرے سیرت نگار کو سخت مشکل کا سامنا ہوتا

اس لچر پوچ کو ردّی دان بلکہ آتش دان کے نذر کیا جائے یا سیرت پیشوائے قوم ملک میں جگہ دی جائے۔ ہمدرد کے سنسر نے (جن کا چند ماہ کے بعد ہی یکایک انتقال ہوگیا) تو ہمدرد میں سے ایک بار چڑیا چڑونٹے کی کہانی کو بھی (جو محض امتحاناً درج کی گئی تھی) خارج کر دیا گیا تھا اور اعتراض کیا گیا تو کہا کہ بھائی ہے تو چڑیا چڑونٹے ہی کی کہانی مطلب بھی صاف صاف معلوم ہوتا ہے مگر ہمدرد والوں سے ڈر ہی لگتا ہے اور ردّی کا معاملہ ہے، نہ معلوم اس میں کچھ زہر بھر دیا ہو اور جواب دہی ہمارے سر آپڑے" آپ نفسیات کے ماہر ہیں کیا ممکن نہیں کہ میرا پوچھنے والا سیرت نگار باوجود نقاد سخت ہونے کے محض بطل پرستی کے باعث یہ خیال کرنے لگا کہ نہ معلوم کیا کیا اسرار اس بظاہر لچر پوچ میں پوشیدہ ہیں اور آنے والی نسلیں ممکن ہی کہ اس سے بھی زیادہ روشن ضمیر ہوں اور ان اسرار سے واقف ہوکر دنیا کو نئی نئی معلومات اور عجیب عجیب انکشافات سے مالا مال کردیں اس لئے بہتر ہے کہ انھیں داخل ہی کردو اور اسی طرح ہمیشہ کے لئے میری پوچ گوئی باقی رہتی اور قیامت کے دن اُستاد داغ میرا دامن پکڑتے کہ خود بھی بدنام ہوئے اور ہمیں بھی بدنام کیا۔ خیر اب سنیئے۔ گیارہ برس کی عمر میں علیگڑھ گیا ایک بڑے بھائی نے میری موزوں گوئی کا ذکر مولانا شبلی مرحوم سے کیا، دوسرے نے میرے حافظے کی تعریف کی کہ المامون میز پر رکھی تھی اٹھاکر پڑھنے لگا اور ایک دن میں نے امین کے قتل پر جو مرثیہ ہے اُس کا ایک شعر عربی کا پڑھا تو اُس کا مجھے ترجمہ سنا دیا حالانکہ عربی سے بالکل ناواقف ہی۔ مولانا کو یقین نہ آیا اور امتحان کی غرض سے ہم بلائے گئے۔ پہلے مامون کی اولاد کی فہرست مانگی۔ پھر اُس کا حلیہ پوچھا جب اس میں پاس ہوگئے تو ایک مصرعہ طرح اُسی وقت دیا اور

کہا کہ شعر لکھو جیسے از قسم بحر پوچ اسی وقت تیار ہو گئی۔ میرا خیال ہے کہ مولانا مرحوم پر تو جو سکہ بیٹھ گیا تھا وہ اسی بحر پوچ کا تھا۔ میں اسکول ہی میں تھا کہ ایک نظم انعامی میں نے لکھی اور مولانا حکم ٹھیرے۔ انعام تو ایک کہنہ مشق بزرگ کو ملا۔ مگر ہماری بحر گوئی کا بھی خاصہ شہرہ ہوا۔ اکثر ایسا ہوا کہ ذوالفقار بھائی نے کوئی نظم لکھ دی اور ہم نے اپنی طرف سے پڑھ دی۔ مگر جب عمر ذرا زیادہ ہوئی تو امتحانوں نے فرصت نہ دی۔ کالج میں البتہ آخری سال سجاد حیدر کی صحبت میں شعر و سخن کا چرچا رہا۔ پہلے بھی جب ہم لوگ انٹرنس میں تھے تو ایک نظم تین شعرائے باکمال۔ نے حاجی اسمٰعیل خاں صاحب (تربیت الدجاج دیوینیا جیک والے) کی دعوت کے شکریہ میں تیار کی تھی۔ ان میں سے ایک یہ خاکسار تھا۔ ایک سجاد حیدر صاحب اور ایک سید وزیر حسن صاحب تازہ آنریبل و آزمودہ کار سکرٹری مسلم لیگ کے برادرِ "اصغر" خیر ایک سال آخری کالج میں خوب گزر گیا اور وہ مشاعرہ جسے بعدہٗ حسرت نے رونق بخشی ہم لوگوں ہی کا ایجاد کردہ تھا۔ (چودھویں کو ہوا کرتا تھا اور شمع پیش نہ کی جاتی تھی کرکٹ کا Law n جائے مشاعرہ تھا، ایک بار چودھویں کو بارش ہو گئی تو تین چار دن مطلع صاف ہونے کی راہ دیکھ کر Dining Hall میں کیا گیا۔ اس وقت میں نے اپنی ایک غیر طرح میں اس شعر کا بھی اضافہ کر دیا ؎

فرش زمردیں نہیں وہ چاندنی نہیں
لطفِ مشاعرہ تو گیا چودھویں کے ساتھ

علیگڑھ کالج میں شاعری تو کچھ کی مگر وہی فرضی معشوق۔ اگر کچھ اصلیت تھی بھی تو اتنی ہی جتنی ایران کی شاعری کو اور "سبزۂ خط" وغیرہ کو ایک حد تک بامعنی کر دیتی ہے۔ کالج چھوڑا تو ولایت جانا ہوا۔ یہاں البتہ شاہدِ ن

اصلی کی کمی نہ تھی۔ مگر ذوق نظارۂ جمال لاکھ سہی اور گرہ میں مال بھی سہی تاہم طبیعت کا میلان خلاف دستور عام زہد و تقویٰ کی طرف تھا۔ دو برس کے قریب تو ہندوستان کے کچے دھاگے نے باندھے رکھا۔ دو برس کسی اور کے خیال نے مگر یہ آخری خیال باعصمت تھا اور محض حالات گرد و پیش اس کے محرک تھے۔ جب ان سب تجربوں کے بعد "کپڑے پھاتے گھر کو آئے" تو تاہل کی زندگی بال بچوں کے خیال نے شاعری سے مستغنی نہیں تو غافل ضرور کر دیا گزشتہ چند سالوں میں اگر کچھ ترشح شاعری کا ہوا تو وہی قومی مرثیہ مگر زیادہ تر رسمی۔ البتہ پچھلے دو تین برس میں عشق حقیقی رنگ لایا ہے اور تغزل کا زور ہے یہ اپنی تنگ آبی ہے کہ سوائے چار پانچ غزلوں کے اس فرصت کے زمانے میں بھی کچھ نہ لکھ سکا۔ لکھنے کے لئے نہ بیٹھتا ہوں نہ کوشش کرتا ہوں۔ مگر جب طبیعت پر خود ہی کسی بیرونی تحریک کا غلبہ ہوتا ہے تو بنہایت مجبوری لکھتا ہوں اور یہی ایک ذریعہ (علاوہ تلاوت قرآن پاک کے) تسکین قلب کا رہ گیا ہے چوں کہ آپ کا اصرار ہے کہ پوری غزلیں لکھ بھیجو اس لئے یہ لکھے بھیجتا ہوں Touch Stone کی معشوقہ سے زیادہ قابل قدر نہیں A poor thing But mine own اب رخصت ہوتا ہوں اور تضیع اوقات کی معافی کا خواستگار ہوں۔ بیگم صاحبہ کی خدمت میں آداب۔ عزیزی مسعود کے رشتہ سے بھی میرا حق پہنچتا ہے۔ والسلام

محمد علی

مکرر یہ کہ مجھے سخت تعجب ہوگا اگر آپ صاحبزادہ صاحب کے ساتھ نباہ کر سکے۔ ہمارا تجربہ مدتوں کا ہے گو اوروں کے لئے اپنا تجربہ اکثر بے سود ہوتا ہے

تم خداوند ہی کہلاؤ، خدا اور سہی (غالب)

خوگرِ جور پہ تھوڑی سی جفا اور سہی
اس قدر ظلم پہ موقوف ہے کیا، اور سہی!

خوفِ غماز، عدالت کا خطر، دار کا ڈر
ہیں جہاں اتنے، وہاں خوفِ خدا اور سہی

کشورِ کفر میں کعبے کو بھی شامل کر دو
سیرِ ظلمات کو تھوڑی سی فضا اور سہی

ربِ عزت کے لیے بھی کوئی رہنے دو خطا
"تم خداوند ہی کہلاؤ، خدا اور سہی"

عہدِ اول کو بھی اچھا ہو جو پورا کر دو
تم وفادار رہو، تھوڑی سی وفا اور سہی

حکمِ حاکم نہ سہی مرگِ مفاجات سے کم
مالک الملک یہ ایماں کی سزا اور سہی

جس نے ہنگامہ عدالت کا تری دیکھا ہے
اس گنہگار کو اک روزِ جزا اور سہی

بندگی میں تری سہتے ہی ہیں لو کی لپٹیں
چند دن کے لئے دوزخ کی ہوا اور سہی

دل وہ دیں جا ہی چکا جان بھی جانی ہے تو جائے
ترکشِ کفر میں اک تیرِ قضا اور سہی

ہم وفاکیشوں کا ایماں بھی ہے پروانہ صفت
شمعِ محفل جو وہ کافر نہ رہا اور سہی

مارا دیارِ غیر میں مجھ کو وطن سے دور (غالب)

یادِ وطن نہ آئے ہمیں کیوں وطن سے دور
جاتی نہیں ہے بوئے چمن کیا چمن سے دور

گر بوئے گل نہیں، نہ سہی، یادِ گل تو ہے
صیاد لاکھ رکھے قفس کو چمن سے دور

پاداشِ جرمِ عشق سے ہے کب ملک مفر
مانا کہ تم رہا گئے دار و رسن سے دور

کچھ بھی وہاں نہ خنجرِ قاتل کا بس چلا
روحِ شہید رہتی ہے نعش و کفن سے دور

تقوے کے بعد خوف کہاں حزن پھر کہاں
عالم ہی اک جدا ہے وہ رنج و محن سے دور

مستِ مئے الست کہاں اور ہوش کہاں
طرزِ وفائے غیر ہے اپنے چلن سے دور

واعظ کا ارتداد، نہ میرا ہی ترکِ کفر
کچھ بھی نہیں ہے ساقیِ توبہ شکن سے دور

ہے بُعد کربلا سے بھی، قربِ یزید بھی
اور چاہتے یہ ہیں کہ نہ ہوں پنجتن سے دور

اللہ رے نورِ چشمِ محبت کی جستجو
نکلا اسیرِ مصر نہ کچھ بھی وطن سے دور

آساں نہ تھا تقربِ شیریں تو کیا ہوا
تیشے کو کوئی رکھ نہ سکا کوہ کن سے دور

مسلم اجل سے دور نہیں رمزِ کربلا
رہتا نہیں برات میں دولہا دلہن سے دور

منقارِ عندلیب کو صیاد سی چکا
مانا کہ گوشِ گل ہے لبِ نالہ زن سے دور

یوں بچ سکو مواخذۂ حشر سے تو ہاں
مارو دیارِ غیر میں ہم کو وطن سے دور

مفتیِ مفت خوار کو سب کچھ حلال ہے
بوئے شرابِ شرک ہو پھر کیوں دہن سے دور

دستِ دراز کو ترے اے رندِ باصفا
رکھے خدا عمامۂ شیخِ زمن سے دور

ہم تک جو دورِ جام پھر آئے تو کیا عجب
یہ بھی نہیں ہے گردشِ چرخِ کہن سے دور

ہیں اتنے لافِ شوق پہ مرعوبِ حسن بھی
یہ طائفہ عجیب ہے اک مرد و زن سے دور

تم ہو تو نذرِ عشق، نہ لکھیں وہ مرثیہ
یہ بات ہے مروتِ اہلِ سخن سے دور

تا دل بڑھ کے اقرب النفس ہو گئی
پھر بھی نہیں ہے شیخ ترے علم و فن سے دور

تم سے بعید تھا کہ بھلا دو، اگرچہ ہم
اک عمر ہو گئی کہ ہوئے انجمن سے دور

شاید کہ آج حسرت جو تربت نکل گئی
اک لاش تھی پڑی ہوئی گور و کفن سے دور

دورِ حیات آئے گا قاتل قضا کے بعد
ہے ابتدا ہماری تری انتہا کے بعد

قتلِ حسین اصل میں مرگِ یزید ہے
اسلام زندہ ہوتا ہے ہر کربلا کے بعد

ممکن ہے نالہ جبر سے رک بھی سکے مگر
ہم پر تو ہے وفا کا تقاضا جفا کے بعد

اک شہرِ آرزو پہ بھی ہونا پڑا خجل
ہل من مزید کہتی ہے رحمت دعا کے بعد

غیروں کے ساتھ تم سے الگ خیف ہے اگر
یہ بے حجابیاں بھی ہوں عذرِ حیا کے بعد

تجھ سے مقابلے کی کسے تاب ہے ولے
میرا لہو بھی خوب ہے تیری حنا کے بعد

لذت ہنوز مائدۂ عشق میں نہیں
آتا ہے لطفِ جرمِ تمنا سزا کے بعد

کیا زندگی جو دل میں کوئی آرزو نہ ہو
رہتی ہے موت ہی دلِ بے مدعا کے بعد

ہے کس کے بل پہ حضرتِ جوہر یہ روکشی
ڈھونڈھیں گے آپ کس کا سہارا خدا کے بعد

ہر رنگ میں راضی بہ رضا ہو تو مزا دیکھ
دنیا ہی میں بیٹھے ہوئے جنت کی فضا دیکھ

یہ نورِ خدا کا ہے بجھائے نہ بجھے گا
کچھ دم ہے اگر تجھ میں تو آ تو بھی بجھا دیکھ

سمجھا بھی ہے کچھ تو کہ یہ ہے کس سے تمرد
اللہ کو مان، اپنی حقیقت کو ذرا دیکھ

سونے کا نہیں وقت یہ، ہشیار ہو غافل
رنگِ فلکِ پیر، زمانے کی ہوا دیکھ

ہے سنتِ اربابِ وفا صبر و توکل
چھوٹے نہ کہیں ہاتھ سے دامانِ خدا دیکھ

اللہ کے بانکوں کا بھی ہے رنگ نرالا
اس سادگی پر شوخیِ خونِ شہدا دیکھ

خو تیری دو روزہ، مرا ایمان ہے ازل کا
پابندِ جفا تو ہے تو میری بھی وفا دیکھ

ہم کہہ نہیں سکتے وہ کریں چارہ گری بھی
حالِ دلِ بیمار طبیبوں کو سنا دیکھ

تو طیرًا ابابیل سے ہرگز نہیں کمتر
بے چارگی پر اپنی نہ جا، شانِ خدا دیکھ

دشتِ رہِ غربت میں اکیلا تو نہیں تو
مکے کے مہاجر ہے تو نقشِ کفِ پا دیکھ

عقبیٰ تو کہاں، واں نہیں دنیا کی بھی کچھ طلب
اس کافرِ بے فیض سے دل تو بھی لگا دیکھ

اس طرح سے جینے میں بھی مرنے کا مزا ہے
قسمت میں یہی ہے کہ ابھی راہِ قضا دیکھ

ہو حسنِ طلب لاکھ، مگر کچھ نہیں ملتا
ہو صدقِ طلب پھر اثرِ آہِ رسا دیکھ

ہوں لاکھ نظر بند، دعا بند نہیں ہے
اللہ کے بندوں کو نہ اس طرح ستا دیکھ

سینہ ہمارا فگار دیکھیے کب تک رہے
چشم یہ خوں نابہ بار دیکھیے کب تک رہے

عشق، سو وہ بھی ترا، صبر طلب ہی بہت
صبر ہمارا شعار دیکھیے کب تک رہے

امتِ احمد کو ہے فضل کی تیرے امید
فضل کی امیدوار دیکھیے کب تک رہے

سب کو یہاں ہے فنا، ایک تجھے ہے بقا
یہ ستمِ روزگار دیکھیے کب تک رہے۔

یوں تو ہی ہر سو عیاں آمدِ فصلِ خزاں — جور و جفا کی بہار دیکھیئے کب تک رہے
زور کا پہلے ہی دن نشہ ہرن ہو گیا — زعم کا باقی خمار دیکھیئے کب تک رہے
پہلے رہا دردِ دل ہوس جاں مدتوں — درد مگر اب کی بار دیکھیئے کب تک رہے
ہم نے یہ مانا کہ یاس کفر سے کمتر نہیں — پھر بھی ترا انتظار دیکھیئے کب تک رہے
حق کی کمک ایک دن آ ہی رہے گی بھلے — گرد میں پنہاں سوار دیکھیئے کب تک رہے
ماتم شبیر ہے آمد مہدی تلک — قوم ابھی سوگوار دیکھیئے کب تک رہے
رونقِ محفل پہ رشک تھا کبھی جنت کو بھی — یوں ہی یہ اجڑا دیار دیکھیئے کب تک رہے
طاعت و آزادگی یوں تو نہ ضدین تھے — جبر کا یہ اعتبار دیکھیئے کب تک رہے
دین پہ دنیا فدا کرتے رہے مدتوں — کفر پہ ایماں نثار دیکھیئے کب تک رہے

یہ چند اشعار ہیں۔ ممکن ہے کہ بقول آپ کے میری "امت" ان سے کچھ تسکین پائے۔ بہر حال مجھے ضرور کچھ نہ کچھ تسکین ہو جاتی ہے۔ مگر ان کو لٹریچر سے کیا تعلق۔ یہ صرف اپنی دست افشانی اور پا کوبی کے لئے ہیں۔ اب رخصت ہوتا ہوں

آپ کا نیاز مند
محمد علی

انوار احمد صاحب کو اور نیر عباسی صاحب کو سلام شوق دونوں کی طرف سے۔

(۵)

۱۰ر نومبر ۱۹۱۶ء چھندواڑہ

مکرمی۔ تسلیم

یہ سچ ہے کہ آپ کے ملازم صاحب نے ایک خط آپ کا ضرور تلف کر دیا۔ مگر اس کے بعد کے دونوں خط مورخہ ۲۵ ستمبر و ۱۱ اکتوبر مجھے ملے میری اس خاموشی سے آپ ضرور متردد اور غالباً مجھ سے ناخوش بھی ہوں گے مگر میرے عذرات سن کر ضرور مجھ سے ہمدردی بھی فرمائیں گے۔ آپ کا پہلا عنایت نامہ مجھے ۲۰ ستمبر کو ملا۔ اکتوبر کو مسٹر معظم علی[۱] میرے سالے بانکی پور سے معہ اپنی بیگم صاحبہ اور دو چھوٹے بھائیوں کے تشریف لائے۔ چونکہ والدہ رام پور تھیں اور میری اہلیہ کو کامل صحت نہ ہونے پائی تھی اس لئے خانہ داری کا تھوڑا بہت کام میرے بھی متعلق تھا۔ یہی کچھ کم نہ تھا کہ مجھے تیمارداری بھی کرنا پڑی اور وہ بھی ایک نرس کی طرح میرا منجھلا سالا بانکی پور ہی سے بخار ساتھ لایا۔

[۱] یہ وہی معظم علی صاحب ہیں جو علی برادران کے زمانہ قید میں ۱۹۲۲ء و ۱۹۲۳ء میں خلافت کمیٹی کے سیکریٹری رہے اس وقت بانکی پور میں بیرسٹری کرتے تھے اس وقت رام پور میں ہائی کورٹ کے جج ہیں۔

پہلے دو روز بعد ڈاکٹر نے ٹائیفوائڈ تشخیص کیا اور یہ بھی جتلا دیا کہ اس عمر میں یہ مرض سخت ترین امراض سے ہوتا ہے اور علاج سوائے نرسنگ کے کچھ نہیں۔ شوکت صاحب تو ہمیشہ کے میرے تیمار دار تھے۔ اب کی بار بالکل بے کار ہو گئے۔ ایک ناتجربہ کار ڈاکٹر نے ایک کچی پھوڑیا میں نشتر لگا دیا معدہ خراب پہلے ہی سے تھا، Erithemia میں مبتلا ہو گئے اور سخت تکلیف رہی۔ دس بارہ دن برابر سہل ہوئے تب جاکر چلنا پھرنا نصیب ہوا۔ میں اپنی چھوٹی لڑکی کی تیمارداری ٹائیفوائڈ میں حال ہی میں کر چکا تھا۔ میری اہلیہ سخت علیل رہیں تو ان کی تیمارداری بھی مجھی کو کرنا پڑی۔ ان امراض پیہم نے مجھے چند دواڑہ کی اچھی خاصی مس فلارنس نائٹینگیل[1] بنا دیا تھا یہ تو امر مسلمہ ہے کہ "ساری خدائی ایک طرف جورو کا بھائی ایک طرف"، اپنے سالے کی تیمارداری میں ایسا منہمک ہو گیا اور ایسا منہمک ہونا پڑا کہ آپ کو ایک کارڈ بھی اطلاعاً نہ لکھ سکا کہ دونوں عنایت نامے مل گئے میرے متعلقین کو اس کوردہ میں پڑے پڑے ایک سال ہونے کو آیا تھا۔ مگر مجھے تنہا چھوڑنا بھی گوارا نہ تھا دوسرے لے دے کر صرف ڈھائی سو روپیہ کے وظیفہ پر معاش تھی۔ اب جب تک اس Subsistence Allowance پر ایک Separation Allowance کا اضافہ نہ ہو، ان لوگوں کو علیحدہ رکھنے کی نظر بند بجٹ میں گنجائش بھی نہ تھی۔ ایک ہنڈیا بھی مشکل سے چڑھتے پاتی تھی، دو ہنڈیوں کا چڑھنا معلوم۔ مگر یہ بھی سوچتا تھا کہ ہم تو پھر بھی شہر میں چل پھر لیتے ہیں۔ رہتے رہتے بہت لوگوں سے واقفیت ہو گئی ہے۔ دوسرے اپنے افکار اشغال کا کام کرتے ہیں۔ ان

---

[1] ایک مشہور انگریز خاتون، جس نے جنگ کے زمانے میں اپنے کو خدمات تیمارداری کے لئے وقف کر دیا تھا۔

بے چاروں کے لئے تو یہ بھی موجود نہیں۔ سوائے ایک دو گھروں کے کہیں آنا جانا نہیں "ملا کی دوڑ مسجد تک" اگر ہوا خوری کے لئے باہر گئیں بھی تو موٹر النس میں ایک دو جگہ۔ حدود میونسپلٹی سے باہر نکلنے پر لطف بندوں کے پر جلتے تھے۔ پھر گھر میں پیہم بیماریوں کا ہونا اور خصوصاً موئی جھرائے دو واقعات پے درپے۔ اس لئے گورنمنٹ کو لکھا کہ جس زمانے میں Subsistance Allowance مقرر ہوئی تھی صرف میرا بار اس پر تھا اور میں نے دراصل اصولاً اس پر زور دیا تھا اور بھائی Harley سے "دوستانہ" خط و کتابت عرصے تک صرف اصول کے لئے جاری رکھی تھی۔ مگر ہمدرد کے بند ہو جانے کے بعد صرف یہی ایک ذریعہ معاش کا میرے اور میرے متعلقین کے لئے رہ گیا تھا۔ میرے ہی لئے کافی نہ تھا مگر۔ ایں ہم اندر عاشقی بالائے غم ہائے دگر۔ کے اصول پر جس طرح بن پڑا اب تک کام چلایا۔ مگر اس الاؤنس کے دو ٹکڑے کرنا اور چھ چھ برس کے دو ملازم نوکر رکھنا برابر ہے۔ سفر خرچ کی بھی گنجائش نہیں ہے۔ سفر خرچ دیا جائے اور الاؤنس میں اضافہ کیا جائے۔ یہ تحریر اب گورنمنٹ ہند کے زیر غور ہے۔ نہ معلوم خزانہ عامرہ کی کیا کیفیت ہے۔ تہی ساغری ہے یا لبریزی۔ بہر حال متعلقین کا زیادہ رکھنا مناسب نہ تھا، ان کو یکم نومبر کو براہ باگی پور رام پور روانہ کر دیا کہ ڈھائی تین ماہ بعد پھر آجائیں گے۔ والدہ کو جب یہ معلوم ہوا کہ تم تنہا رہ گئے تو بے چاری فوراً رخت سفر باندھ چلدیں اور ۸ کو یہاں آگئیں۔ آپ اندازہ کر سکتے ہیں کہ اب تک مجھے کس قدر کم فرصت ملی ہوگی۔ ۱۸ تک تو عزیزی مسعود کو حرارت رہی۔ اس کے بعد جا کر ٹوٹی اور بہ فضلہ تعالیٰ صحت کامل حاصل ہو گئی۔ مگر ۱۲ تک سخت تردد تھا۔

اس قدر لمبی چوڑی معذرت کے بعد آپ کے عنایت ناموں کا جواب

دیتا ہوں۔ بھائی علوی[1] مجھ سے کچھ خفا ہیں کہ اب تک فلسفۂ اجتماع کی جلد روانہ کی گئی۔ مجھے پہلے بھی خوف تھا اور اب تو آپ کے لکھنے سے اس خیال کو اور تقویت ہو گئی کہ آپ کو اجتماع سے نفرت ہے مگر تعجب ہے کہ صاحبزادہ . . . . صاحب[2] کو بھی اجتماع سے نفرت ہے اور آپ کو بھی اور پھر دونوں میں نہ نبھ سکی۔ نہ معلوم نفسیات القرآن[3] میں آپ وامرہم شوریٰ بینہم اور وشاورہم فی الامر کی شان میں کیا فرمائیں۔ بہرحال میں فلسفۂ اجتماع کے دیکھنے کا مشتاق ہوں۔ ظفر الملک صاحب سے کہہ کر جلد روانہ کرائیے۔

Psychology of Leadership پر تو میں اپنی رائے دے چکا ہوں۔ سر ویلنٹائن چرل[4] ایک خبیث و بد باطن شخص نہ معلوم اس کی تعریف کی آپ نے کس طرح وقعت کی۔ وہ ہمارے لئے غلامی اور اپنے لئے خواجگی ہی کو پسند کرتا ہے۔ ابھی حال میں انھوں نے میرے ایک حیدر صفت دوست جگندر سنگھ صاحب کے لکچر میں صدارتی تقریر کی تھی اور فرمایا تھا کہ ۴۰ برس سے انھیں مشرق بلا رہا تھا۔ ان کی مشرق کے حال پر یہ بڑی ہی نوازش ہوئی کہ تشریف لائے "خانہ خانہ تست" مضمون ہے۔ مگر کاش ان کو چار ہی سال سے مغرب بھی پکارتا اور وہ اس کے حال پر بھی کرم فرماتے اور وطن مالوف کی طرف مراجعت فرماتے۔ مگر ان لوگوں کی صرف یہی سزا ہے کہ قانون قدرت

---

[1] مولوی ظفر الملک علوی صاحب الناظر پریس۔

[2] صاحبزادہ آفتاب احمد خاں مرحوم۔ مکتوب الیہ دفتر کانفرنس میں ملازم ہو گیا تھا، مگر کچھ روز بعد واپس چلا آیا۔

[3] مکتوب الیہ کا ارادہ اس زمانے میں انگریزی میں "سائیکالوجی آف قرآن" لکھنے کا تھا۔

[4] برطانوی صحافت کا ایک موقر رکن لنڈن ٹائمس کے شعبۂ خارجہ کا مدیر اعلیٰ۔ ہندوستان و مشرق کا تاج اس زمانے میں ہندوستان آیا ہوا تھا اور مکتوب الیہ کی کتاب کی حوصلہ افزائی کی تھی۔

ان کی خاطر بدل نہیں سکتا جو دوسروں کے لئے گڑھا کھودتا ہے وہ خود اسی میں گرتا ہے
غلامی کو دوسرے کے لئے پسند کرنا میش خیمہ ہوا کرتا ہے خود اپنی غلامی کا۔ اگر اجتماع ہمارے
لئے برا سمجھا جاتا ہے تو کل کو خود ایسا کہنے والوں کے لئے برا سمجھا جائے گا۔ دنیا کی مثالیں
ہمارے سامنے موجود ہے۔ تاریخ اسلام خود اسی کی شاہد ہے جس طرح آپ مجھے لکھ رہے ہیں
اس سے تو نفسیات القرآن کے متعلق بھی میرا خوف روبہ ترقی ہے "ناطرفدارانہ طرز ادا" مخالفین کے
رام کرنے کے لئے شوق سے استعمال کیجئے، لیکن اگر آپ کا قلب "ناطرفدار"
ہے اور وہ حصۂ جسم بھی جس میں ایمان جاگزیں ہوتا ہے محض ایک لوح سادہ ہے
جس پر آپ کی Psychology کی بدولت کچھ نقوش منقش ہوں گے تو ایک مسلم اور
مومن سے آپ کیا توقع رکھ سکتے ہیں کہ وہ آپ کو مسلم اور مومن بھی سمجھے جب
ایک بار قلب نے اعتراف وا قبال کر لیا کہ آمنا وصدقنا تو پھر تو یہی صادق
آنا چاہیئے کہ "مجھے تو خوب ہے کہ جو کچھ کہو بجا کہیئے" گو روئے سخن خدا اور رسول کی
طرف ہونا چاہیئے۔ نہ کہ ہر گیسو دراز و ریش دراز کی طرف۔ میں اجتہاد پر ایمان
رکھتا ہوں اور اس کو بہت ضروری بلکہ لابدی سمجھتا ہوں۔ کورانہ تقلید میرا ہرگز
مذہب نہیں۔ اگر آپ اس طرح لکھیں کہ اپنا ایمان مقدمۂ کتاب میں واضح ہو جائے
اور محض اس Process کی تشریح اصل کتاب میں ہو جس سے خود آپ کے
قلب کی لوح سادہ پر بہ تدریج ایمان اور عقیدہ منقش ہو گیا تاکہ ناطرفدار تو
ناطرفدار خود مخالفین کے دلوں پر کے کفر و شرک کے نقوش دھندلے پڑتے
جائیں اور بہ تدریج مٹ جائیں اور پھر ورق سادہ پر آپ کی کتاب کلمۂ
لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ جلی حروف میں لکھ دے تو واقعی میں آپ کی نفسیات
کی قدر کروں گا۔ برادرم ایمان ہر شے پر مقدم ہے اور میرا خیال ہے کہ
مسلمانوں نے جب حضرت ابو بکر صدیق کو خلیفۂ اول بنایا تو در اصل

امر کا اعتراف کیا کہ ایمان ابو بکرؓ، عدل عمرؓ، غنا، وحیا عثمانؓ، اور فقر و شجاعت علیؓ سے بھی زیادہ قابل قدر تھا۔ یہی وجہ تھی کہ جب آفتاب محمدی بہ تقاضائے بشری ۲۳ سال کی نبوت کے بعد غروب ہو گیا اور سارے عالم پر اندھیرا سا چھا گیا۔ جو لوگ اپنے سراسر میں اُس کی شمع ہدایت کی روشنی کے عادی ہو گئے تھے خدا کی دی ہوئی آنکھیں بھی گویا کھو بیٹھے اور بعض مولفۃ القلوب نے ارتداد اور زندیق ہو جانے سے اُن کے ایمان بھی تھوڑی دیر کے لئے معرض خطر میں آگئے، یہاں تک کہ حضرت عمرؓ کو سوائے اس کے کچھ نہ سوجھا کہ تلوار نکال کر کھڑے ہو گئے اور چلانے لگے کہ اگر کسی نے کہا کہ محمد روحی فداہ قضا کر گئے تو اُس کی قضا اُسی وقت اس تلوار کے ذریعے اُس تک پہنچ جائے گی ایسے وقت میں وہ آمنا و صدقنا کہنے والا آیا اور اُس نے ایک بدیہی امر اُن سراسیمہ اور پریشان لوگوں کو جتلایا۔ آفتاب محمدی غروب ہو گیا تھا مگر خدا کا شمار آفلین میں نہ تھا۔ آفتاب اسلام اُسی طرح درخشاں تھا۔ بھائی یہ سب ایمان کے کرشمے تھے۔ یہ فطرت صدیقی تھی۔ اگر کچھ کمی تھی تو اُس امین اعظم کے ایمان نے پوری کر دی تھی جب کہ غار ثور میں ابو بکرؓ کو بتایا گیا تھا کہ وہاں سیکڑوں دشمنوں سے خائف اور مارے ڈر کے غار میں چھپے ہوئے صرف بندگان خدا ہی نہ تھے بلکہ ایک تیسرا اور بھی وہاں موجود تھا جو ان دونوں کا نگراں اور نگہبان تھا۔ ان اللہ معنا کی تعلیم کے بعد ایمان ابو بکرؓ پختہ ہو گیا تھا۔ یہی وجہ تھی کہ امینؐ کی خلافت صدیقؓ کو ملی۔ اگر آپ فلسفہ اور استدلال سے مدد لیتے ہیں تو لیجیے مگر صرف اُسی طرح اطمینان قلب کے لئے جس طرح ابراہیم علیہ السلام نے خدا سے مردہ زندہ کرنے کے متعلق اطمینان قلب چاہا تھا۔ مخالف کے لئے دلیل اور ثبوت کے ہتھیار تیار کیجئے۔ استدلال و تحقیقات کی توپیں لینے

دماغ کے کارخانہ اسلحہ سازی میں ڈھلنے۔ یہ تو ایک مومن کے لئے ضروری ہیں تاکہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر جاری رہے جس کے لئے ہم کو خیر امتہ کا لقب عطا ہوا ہے مگر کیا تؤمنون باللہ قرآن سے خارج کر دیا گیا ہے۔ مجھے اگر اعتراض ہے تو صرف اس پر کہ کہیں خود قلب و دماغ ناطرفدار نہ ثابت ہوں۔ اسلوب بیان تمام تر نفسیات ارسطو اور نفسیات کانٹ کا کس طرح ہو سکتا ہے جبکہ آپ ارسطو اور کانٹ دونوں کو مرکب من الخطا مانتے ہیں اور اُن کی تقلید ہر امر میں فرض نہیں جانتے۔ مگر قرآن حرف بہ حرف فرمودۂ خدا ہے اور خدا خاطی نہیں ہو سکتا۔ آپ شوق سے اسے فرمودۂ خدا ثابت کیجئے اور خدا کو غیر خاطی بھی ثابت کیجئے۔ مگر خود آپ کے قلب کو مستغنی عن الحجۃ ہونا چاہیے۔ بھائی جتنی شاعری چاہو باہر کی عورت پر صرف کرو اور اُسے لبھاؤ اور رام کرو۔ مگر گھر کی بیوی تمہاری ہے۔ نہ دوسرے پر نظر ڈال سکتی ہے نہ اُس کو تمہاری گریہ و زاری اور التماس و گزارش کی ضرورت ہے بلکہ اصل تو یہ ہے کہ بقول میر ؎

نہ تبسم کی ضرورت نہ نگہ کی حاجت نہیں جز دل کے توسل کوئی دل آنے میں

غزالی کا فلسفہ مجھ سے زیادہ آپ نے پڑھا ہوگا۔ ان کی احیاء العلوم کا اگر ترجمہ فرانسیسی زبان میں اگر ہو گیا ہوتا تو ڈیکارٹ کو دنیا چور سمجھتی، مگر ان کی خود تصنیف کردہ سیرۃ بلکہ سوانح قلبی و دماغی کو ملاحظہ فرمائیے۔ آخر میں اسی کا اعتراف ہے کہ اصل دینی مشاہدہ ہے جو حسیات ظاہرہ سے مستغنی اور استدلال و محبت سے بے نیاز ہے۔

خدا نے ہم پر بڑا رحم فرمایا کہ مسلمان کے گھر پیدا کیا Heredity کا رجحان اسلام و توحید کی طرف، تربیت اسلام اور توحید کے دائرے میں اگر اس پر ہمارے فلسفے نے ہماری امداد کی ہے تو سونے پر سہاگہ ہے۔ اسلام

اور ایمان کو اور بھی تقویت ہو گئی اور عقل و نقل دونوں کی زد سے باہر ہو گئے۔ اب نہ ارسطو کا جادو چل سکتا ہے نہ کانٹ کا۔ مگر صرف استدلال ہی پر بھروسہ ہے اور خود اپنی عقل پر اس قدر زعم ہے کہ جو اس میں نہ سمائے وہ خدا نہیں اور جو اس میں نہ آئے وہ ایمان نہیں تو اس کا جواب یہی ہے کہ "پائے استدلالیاں چوبیں بود" اور باوجود اس کے کہ میرے اور شاید آپ کے بھی اُستاد (شبلیؒ) آخر عمر میں اسی ہیئت سے چلتے تھے اس میں ذرا بھی شک نہیں کہ "پائے چوبیں سخت بے تمکیں بود" خواہ کسی طرح تفسیر کیجئے۔ مگر قرآن خود صاف کہہ چکا ہے کہ علم انسانی بہت ہی کم ہے۔ میں اس کا ضرور قائل ہوں کہ خواہ کسی قدر کم کیوں نہ ہو وہ خدا کی دین ہے اور ایمان کے بعد اس کی بہترین دین بلکہ اس کے بغیر ایمان کمزور و ضعیف رہتا ہے اس لئے اس کا پورا پورا استعمال کرنا چاہیے اور ایمان کے لئے علم کا نتیجہ ایمان کو مستحکم کرنے والا ہوتا ہے اس لئے اس کے ذریعہ سے ایمان کا استحکام کرنا چاہیئے مگر زعم علم سے پرہیز ضروری ہے خدا کی رحمت ہو اقبال پر خوب تعلیم مولانا روم کا اتمام کر رہا ہے۔

پر بزن و از جذبِ خاک آزاد باش — ہمچو طائر ایمن از افتاد باش
تو اگر طائر نۂ اے ہوشمند — بر سرِ غار آشیانِ خود مبند
اے کہ باشی در پے کسبِ علوم — با تو می گویم پیام پیر روم
"علم را بر تن زنی مارے بود — علم را بر دل زنی یارے بود"
آگہی از قصۂ آخوند روم — آں کہ داد اندر حلب درس علوم
پائے در زنجیرِ توجیہاتِ عقل — کشتیش طوفانیِ ظلماتِ عقل
موسیِ بیگانۂ سینائے عشق — بے خبر از عشق و از سودائے عشق
از تشکک گفت و از اشراق گفت — وز حکم صد گوہرِ تابندہ سفت

عقدہ ہائے قول مشائین کشود — نور فکرش ہر خفی را وا نمود
گرد و پیشش بود انبار کتب — بر لب او شرح اسرار کتب
پیر تبریزی ز ارشاد کمال[۱۵] — جست راہ مکتب ملا جلال
گفت این غوغا و قیل و قال چیست — این قیاس و وہم و استدلال چیست
مولوی فرمود ناداں لب ببند — بر مقالات خردمندان مخند
پائے خویش از مکتبم بیروں گذار — قیل و قال ست این ترا با وے چہ کار
قال ما از فہم تو بالاتر است — شیشۂ ادراک را روشن‌گر ست
حرف ملا شمس را جدت فزود — آتشے از جان تبریزی کشود
بر زمیں برق نگاہ او فتاد — خاک از سوز دم او شعلہ زاد
التہاب دل خس ادراک سوخت — دفتر آں فلسفی را پاک سوخت
مولوی بیگانہ از اعجاز عشق — نا شناس نغمہ ہائے ساز عشق
گفت ایں آتش چساں افروختی — دفتر ارباب حکمت سوختی
گفت شیخ اے مسلم زنار دار — ذوق و حال ست ایں ترا با وے چہ کار
حال ما از فکر تو بالاتر است — شعلۂ ما کیمیائے احمر است
ساختی از برگ حکمت ساز و برگ — از سحاب فکر تو بارد تگرگ
آتشے افروز از خاشاک خویش — شعلۂ تعمیر کن از خاک خویش
علم مسلم کامل از سوز دل است — معنی اسلام ترک آفل ست
چوں ز بند آفل ابراہیم رست — در میان شعلہ ہا نیکو نشست
علم حق را در قفا انداختی — بہر نانے نقد دیں در باختی
گرم رو در جستجوئے سرمۂ — واقف از چشم سیاہ خود نۂ

۱۵ شیخ کمال الدین جندی رحمۃ اللہ علیہ۔

آب حیواں از دم خنجر طلب   از دہان اژدہا کوثر طلب
سنگ اسود از در بتخانہ خواہ   ق نافۂ مشک از سگِ دیوانہ خواہ
سوزِ عشق از دانشِ حاضر مجو   کیفِ حق از جام ایں کافر مجو
مدتے محو تگ ودو بودہ ام   رازدان دانش نو بودہ ام
باغباناں امتحانم کردہ اند   محرم ایں گلستانم کردہ اند
گلستانے لالہ زار عبرتے   چوں گل کاغذ سراب نکہتے
تا ز بند ایں گلستاں رستہ ام   آشیاں بر شاخ طوبےٰ بستہ ام
دانشِ حاضر حجاب اکبر است   بت پرست و بت فروش و بتگر است
پا بہ زندان مظاہر بستۂ   از حدودِ حس بروں ناجستۂ
در صراط زندگی از پا فتاد   بر گلوئے خویشتن خنجر نہاد
آتشے دارد مثالِ لالہ سرد   شعلہ ہائے او مثال ژالہ سرد
فطرتش از سوز عشق آزاد ماند   در جہانِ جستجو ناشاد ماند
عشق افلاطون علت ہائے عقل   بہ شود از نشترش سودائے عقل
جملہ عالم ساجد و مسجودِ عشق   سومناتِ عقل را محمودِ عشق

ایں مے دیرینہ در میناش نیست
شورِ "یارب" قسمتِ شبہاش نیست

لکھنے بیٹھا تھا خط۔ مگر لکھ گیا اقبال کی مثنوی شریف۔ مگر چونکہ بہ حیثیت ادب کے اس کا پایہ میری نظر سے اتنا ہی اونچا ہے جتنا کہ زمین سے آسمان کا۔ اور آپ باوجود فلسفی ہونے کے ادب کو استدلال سے مرجح سمجھتے ہیں، اس لئے اسرار خودی کا یہ حصہ نقل کر دیا گیا۔ امید ہے کہ تشفی ہوگی۔

رہا ظریف مرحوم کا معاملہ تو اس کی حقیقت یہ ہے کہ مجھے مرحوم سے

بے حد محبت تھی، اور میں ان کی قابلیت اور اس سے زیادہ اُن کی محبت کا قدر دان تھا۔ مگر اُن کی فلسفیانہ گفتگو میں ہمیشہ ہذیان سرائی سمجھا اور وہ مجھے اس کا قدر دان نہ پاکر محض اپنی ادبیت، ظرافت اور محبت سے محظوظ فرمایا کرتے تھے۔ اپنے معقولات مجھ سے معقول تر دوستوں کے لئے محفوظ رکھتے تھے "عقلیات" کی ایک کاپی تحفتہً مجھے بھی دی مگر میں نے اُن کی محبت کا پاس کر کے کبھی اُسے کھول کر بھی نہ پڑھا۔ ممکن ہے کہ کامریڈ کی لائبریری میں ابھی تک موجود ہو۔ ممکن ہے کہ کوئی لے گیا ہو۔ چند اور خیالات پریشان غالب کے "الحاد" کے متعلق اُنھوں نے تحریر فرمائے تھے۔ وہ کسی دوست کی جیب میں جو ہم سے یہاں ملنے آئے تھے پڑے ہوئے مل گئے۔ میں نے دیکھا تو اُن کی اس بے موقع "ظرافت" پر افسوس ہوا۔ انھوں نے ناحق اپنے ساتھ غالب جیسے موحد مسلم کو بھی لینا چاہا تھا۔ اسی سے "عقلیات" کی "نامعقولیت" واضح تھی۔ جنگ طرابلس میں میرا "اسلامی" جوش اُن کے "قومی" سے کم نہ تھا۔ نہ معلوم کس طرح وہ ترکوں کو اپنا ہم قوم سمجھتے تھے۔ بہرحال جوش ضرور تھا اور اٹلی سے سخت نفرت۔ اس کے بعد میں دہلی چلا آیا۔ بلقان کی لڑائی چھڑی۔ ترکوں کو پیہم شکستیں ہوئیں۔ بظاہر خدائے قادر توانا حی و قیوم کی بارگاہ میں ہماری دعائیں نامسموع ثابت ہو رہی تھیں۔ یہ وہ زمانہ تھا کہ ایک دن تو میں نے خودکشی ہی کر لی ہوتی۔ مگر حرام موت مرنے سے خوف خدا مانع ہوا۔ اسی زمانے میں ظریف مرحوم کا ایک خط آیا۔ نام ندارد تھا۔ مضمون خط صرف

سلہ (نوٹ صفحہ ۱۴۲) ظریف محمد ایم اے، مرحوم مصنف کتاب "اسلام اور عقلیت" جو دہریت والحاد سے لبریز تھی۔ عین عالم شباب میں انتقال کیا۔ سنا ہے کہ آخر عمر میں تائب ہو گئے تھے۔ مکتوب الیہ نے پوچھا تھا کہ ان کی جوش اور مذہبی تقشف کے ساتھ آپ سے اور ظریف سے دوستی کیونکر تھی۔

ایک مصرعہ غالب کا تھا۔

"دعا قبول ہو یارب کہ عمر خضر دراز"

مطلب یہ تھا کہ دعا وغیرہ سب کچھ لغو ہے جس کے پاس توپ گولہ نہیں وہ ضرور ہارے گا۔ نہ دنیا کا کوئی خدا ہے نہ اُس کا کوئی بندہ۔ نہ وہ بندہ نواز۔ بندگی بے کار ہے۔ اُن کی عقلیات صرف یہیں تک راستہ روشن کرتی تھی مگر ۱۲ جون ۱۹۱۳ء کو ایڈریانوپل پھر غازی انور پاشا دام اللہ فیضہ کے قبضے میں آگیا اور دائرہ حکومت اسلام میں ازسرِ نو داخل ہوا اور شبلی مرحوم کا شعر جو انصاری صاحب کے مشن کی واپسی والی نظم میں تھا صادق آیا ؎

عجب کیا ہے یہ بیڑا غرق ہو کر پھر ابھل آئے

کہ ہم نے انقلاب چرخ گرداں یوں بھی دیکھے ہیں

اس کو عقلیات کہیے یا نقلیات۔ بہرحال شبلی مرحوم کا شعر ظریف مرحوم کی "ظرافت" سے صحیح تر اُسی وقت ثابت ہو چکا تھا اکبر کے "بحمداللہ اب خون شہیداں رنگ لایا ہے" والے قطعہ نے صحیح ترین ثابت کر دیا۔ ظریف مرحوم سے اوائل ۱۹۱۴ء میں کلکتہ میں ملا۔ ہم دونوں تفریح کے لئے چند روز ٹھہر گئے تھے اور شب ماہ میں دریائے ہگلی کی سیر ساتھ کی تھی پچھلی "قومیت" کا دریا بھی موجزن تھا۔ وہ تو یہی کہتے تھے کہ یہ اسلام اور ایمان نہیں ہے۔ مگر ایمان چھپائے سے نہیں چھپتا۔ قرآن کریم کے بے مثل ادب کے قائل تھے ھو اللہ الذی لا الہ الا ھو۔ عالم الغیب والشھادۃ ھو الرحمٰن الرحیم۔ ھو اللہ الذی لا الہ الا ھو الملک القدوس السلام المومن المھیمن العزیز الجبار المتکبر سبحان اللہ عما یشرکون۔ ھو اللہ الخالق الباری المصور لہ الاسماء الحسنیٰ یسبح لہ ما فی السموات والارض وھو العزیز الحکیم۔ کے ادب پر وجد کرتے تھے۔ اس کے چند ماہ بعد میں رامپور گیا اور نظر بند ہوا۔ وہاں نصیر حسنین خاں خیال کا خط

آیا کہ مرحوم تفریحاً ایام رخصت وزرگا پٹم گئے تھے۔ وہاں سے تار آیا ہے کہ اُن کا یکایک انتقال ہوگیا۔ اُن کے پسماندوں کو اطلاع دے دو کہ مال اسباب لیجائیں۔ انا للہ و انا الیہ راجعون۔ مرحوم پر آج تک ہم سے کہیں زیادہ اسرار ہستی آشکارا ہوگئے ہوں گے۔ امید ہے کہ خاتمہ اسلام اور ایمان پر نہ کہ عقلیات پر ہوا ہو۔ دل سے مرحوم کے لیے وہ دعا نکلتی ہے جس کے قبول ہونے کا اُنھیں کبھی اقبال نہ تھا۔ آپ کو تو بفضلہ تعالیٰ خدا اور رسول کا انکار نہیں ہے۔ برائے خدا و رسول اپنی عقل و تمیز، علم، تحقیقات کو اسلام اور صرف اسلام کے لئے وقف کر دیجئے اور اس دانش حاضر کے حجاب اکبر میں مستور و محجوب نہ رہیے۔

آپ نے مارگولیتھ کا ذکر فرمایا ہے۔ میں وہ بدنصیب ہوں کہ اس مردود خبیث و لعین سے آکسفورڈ میں عربی پڑھی ہے۔ عربی اس کی مادری زبان ہے قابلیت علمی بے شک بہت رکھتا ہے۔ مگر دشمن اسلام اور سب سے زیادہ زہر آلودہ کتاب سیرۃ نبوی پر اس لئیم کی تصنیف کردہ ہے مجھے خوف ہے کہ ہمارے لٹریری نوجوان اس کے پھندے میں آکر نبی امی (روحی فداک یا رسول اللہ) کو عرب کا بطل اعظم نہ سمجھنے لگیں اور رحمۃ اللعالمین کے خدائی لقب سے محروم نہ کر دیں۔ سر ولیم میور کی سیرۃ میں سید احمد خاں مرحوم نے بھی سب سے بڑا عیب اور پوشیدہ مطلب ڈھونڈھ نکالا تھا اور خطبات احمدیہ اسی غرض سے لکھ کر بصرف کثیر انگریزی میں ترجمہ کرا کے طبع کرائی تھی۔

ہمدم سے میں ہرگز خوش نہیں نہ اس سے زیادہ کی اُس سے توقع تھی اس جنگ کے خاتمے پر ایک جنگ اور چھڑے گی اور وہ بھائی جانب سے میری ہوگی۔ بنائے مخاصمت Cacus Belli وہ دو دمی " ھر " ہوگی جو اُن کے " ہمدم " کے نیچے لگی ہے۔ خدا کی مار ہو " ہمدرد " تو اگر اسی نے " ہمدم " کو

قالب میں جنم لیا ہے اور خدا مجھے میر اکبر حسین ..... معروف بہ لسان العصر سے جنھوں نے "ہمدرد" کی سرخی "واعتصموا بحبل اللہ جمیعا" کو "ہمدم" کے لئے یوں بدلا ہے۔ میری غزلوں کی تعریف وہ فرمائیں یا آپ یا آپ کے احباب۔ مگر حقیقت یہ ہے کہ وہ ادب میں داخل نہیں ہیں محض میرے درد کی آواز ہیں۔ دیکھیے کب تک رہے" والی زمین شگفتہ کیوں کر ہو سکتی ہے۔ گو چشم انتظار وا ہونے سے شگفتہ چیزوں میں شمار ہو سکے تو اور بات ہے۔ حال میں چند اشعار لکھے ہیں اور لکھ کر غزلیں پوری کر دوں گا۔ غالب کا ایک شعر مانع اظہار وحشت ہو رہا ہے اور ورد زبان ہے۔ اسی کی ردیف کو محدود کر کے غزل لکھ رہا ہوں۔ وہ شعر یہ ہے۔

چاک مت کر جیب کو بے فصل گل کچھ ادھر کا بھی اشارا چاہیئے

اس پر چند اشعار لکھے ہیں۔

صبر پہلی شرط غمخواری کی ہے ضبط کا یاروں میں یارا چاہیئے
تھک کے کہتا ہے جنوں کیسا حجاب خاک اڑانا آشکارا چاہیئے
دشمنوں سے گر "تلطف" ہو تو کچھ دوستوں سے بھی "مدارا" چاہیئے

(حافظ تو تلطف کی صلاح دیتے تھے۔ مگر آج کل این ہم غنیمت است)

ایک ہی در کا بھکاری ہوں مجھے اک فقط تیرا سہارا چاہیئے

نہ معلوم کیوں ان ایام حج بیت اللہ میں بار بار یہ شعر زبان پر آتا ہے ؎

• تم تو کعبے کے خدا تھے پھر کہاں کیوں گئے اے بتو! کیسے خدائی ہوتے ہوتے رہ گئی!!

اس پر صرف ایک شعر خود بھی لکھ دیا ہے۔ بلکہ یوں کہیئے کہ بے اختیار زبان پر آ گیا

مستحق دار کو حکم نظر بندی ملا کیا کہوں کیسے رہائی ہوتے ہوتے رہ گئی

دیکھیئے یہ دونوں غزلیں کب پوری ہوں۔

اب رخصت ہوتا ہوں۔ امید ہے کہ میری مذہبی "نقادی" بار خاطر نہ ہوئی

ہو گئی۔ خوب یاد آیا۔ المعارف میرے پاس نہیں آتا۔ شکر خدا کہ بھائی ظفر الملک نے الناظر تو بھیجنا شروع کر دیا۔ ہاشمی جوہر و حسرت کی لے میں کچھ لکھ گئے۔ مگر شاہ جوہر پر پہلے بھی کچھ لکھا تھا۔ دیکھنے کا خواہشمند ہوں۔ میں تو پہلے سے اس کا قائل ہوں کہ

تم ہو تو نذر عشق، نہ لکھیں وہ تو مرثیہ
یہ بات ہے مروت اہل سخن سے دور

آپ کا خیر طلب
محمد علی

(٦)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

۱۴ر جنوری ۱۹۲۱ء قومی مسلم یونیورسٹی علیگڑھ

برادرم۔ السلام علیکم۔ اپنی عدیم الفرصتی کا اب کیا دکھڑا روؤں۔ آپ خود اندازہ فرما سکتے ہیں۔ اسی باعث مفصل خط لکھنے سے معذور رہوں اور مجملاً لکھنے کا غالباً یہ نتیجہ ہوگا کہ آپ میرے مفہوم کو نہ سمجھ سکیں گے۔ بہر حال یا قسمت یا نصیب کہہ کر لکھتا ہوں۔

جی چاہتا تھا کہ آپ کو یہاں دیکھوں مگر علم سے زیادہ مذہب عزیز ہے تو ایک مسلمان کے مذہب کے متعلق اگر قومی مسلم یونیورسٹی میں بھی شک وشبہ کیا جائے گا تو ہم یکسوئی سے نہیں پڑھا سکتے کہ ہر شخص کا مذہب اُس کا ذاتی معاملہ ہے جس سے اس دارالعلوم کو کوئی تعلق نہیں۔ اب تک عمداً میں نے فلسفے کے پروفیسر کی جگہ کے متعلق کوئی سفارش نہیں کی ہے۔ چونکہ اردو میں تعلیم دلانا منظور ہے اس لئے اور بھی آپ کی ضرورت ہے۔ اگر تکلیف نہ ہو تو ایک دو دن کے لئے میرے مہمان بن کر یہاں کی دال روٹی کھائیے اور تمام معاملات کا تصفیہ کیجئے اگر ہم دونوں ایک ہی بات پر راضی ہو گئے تو مجھے یقین ہے کہ دارالعلوم کو

آپ سے بیش قیمت مدد مل سکے گی۔ ممکن ہے کہ آپ شروع ہی سے یہاں آنے سے انکار کرتے ہوں اور مذہب کے متعلق میرے اس قدر لکھنے کو بھی خواہ مخواہ کا دخل در معقولات تصور کریں۔ لیکن مجھے تو **Propaganda** کرنا ہے اس لیے تبلیغ ہی کا موقع دیجئے اور آجائیے۔ بہر حال آپ سے نصاب و نظام تعلیمات کے متعلق مشورہ کرنا ہے۔ اسی کے لئے آجائیے۔

اب رخصت ہوتا ہوں۔ والسلام

آپ کا قدیم نیاز مند

محمد علی

مولانا عبدالماجد صاحب سچ ۲۷ مئی ۳۲ء میں لکھتے ہیں

ستمبر ۲۳ء میں مولانا جیل سے رہا ہوئے تو منجھلی اور محبوب ترین صاحبزادی آمنہ مرحومہ دِق میں مبتلا ہو چکی تھیں۔ مولانا پہلے سیدھے دہلی آئے اور وہاں سے صاحبزادی کے پاس بھوالی پہاڑ پر روانہ ہو گئے، اسی سال کانگرس کی صدارت کے لئے مولانا کا انتخاب ہوا، مولانا کا قیام بسلسلہ جامعہ ملیہ اب علیگڑھ میں تھا، آمنہ مرحومہ بھی پہاڑ سے اُتر آئی تھیں اور اپنی زندگی کی آخری سانسیں لے رہی تھیں، ۵ر دسمبر کا چلا ہوا یہ تار مجھے ۶ر کی صبح کو موصول ہوا۔

عبدالماجد

ایک ہفتے کے لیئے علی گڑھ فوراً آجائیے خطبہ صدارت کے اردو ترجمے میں آپ کی ضرورت ہے۔

محمد علی

میں نے تار سے، اور پھر خط سے، کچھ اپنی معذوریاں لکھ کر بھیجیں ۱۱ر دسمبر کو یہ تار موصول ہوا:۔

کلام جوہر کا بھی جدید ایڈیشن زیر طبع ہے، اُس کا مقدمہ ضروری ہے
مہربانی کرکے فوراً آئیے۔ کوئی حیلہ مسموع نہ ہوگا۔ میر محفوظ علی آگئے ہیں۔ وہ
بھی آپ کو بلا رہے ہیں۔

محمد علی

(۸)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

۱۴؍اپریل ۱۹۲۴ء دہلی

ولا غالب الا اللہ

برادرم - السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ - تعزیت نامہ ۸ شعبان کا اُسی زمانے میں ملا تھا، یا یوں کہیے کہ جب ایک ہفتہ بعد کلکتہ کی خلافت کانفرنس سے واپس ہوا تھا۔ آج ۸ رمضان کو شکریہ ادا کرتا ہوں۔ تاخیر کا سبب کیا لکھوں۔ قومی مصیبتوں نے ذاتی مصائب کو اسی طرح نگل لیا جس طرح حضرت موسیٰ کے عصا نے ساحروں کے سانپوں کو نگل لیا تھا۔ بقول غالب

ایک ایک قطرہ کا مجھے دینا پڑا حساب	خونِ جگر ودیعتِ مژگانِ یار تھا

۱۱ مارچ کو آمنہ رخصت ہوگئیں۔ ۱۵ مارچ کو مسلم لیگ کے قضیہ نے کھینچ بلایا۔ ۱۶ مارچ کو ڈاکٹر شوکت صاحب کو اور والدہ کو جو تھے باتھ کرے آئے والا تو آمنہ کی رخصتی کے وقت بے ہوش تھیں۔ شوکت صاحب کو حرارت تھی اور اسی شب سے صاحب فراش ہوئے تو آج تک صاحب فراش ہیں۔ مسلم لیگ کی احیاء کا بیڑا اٹھانے والے حضرات کی ہمدردی کی یہ حالت تھی کہ میں نے چاہا کہ اُس کی کونسل کا وہ جلسہ جو روز ماقبل کورم پورا نہ ہونے کے باعث نہ ہوسکا تھا،

کو منعقد کر دیا جائے نہ کہ دوپہر کو جب کہ حکیم صاحب، ڈاکٹر صاحب اور ہم لوگ اُن کو لینے اسٹیشن جا رہے تھے اور ڈاکٹر عبدالرحمن آن کو ہمراہ لا رہے تھے مگر یہ درخواست نامنظور ہوئی۔ مجبور ہو کر سب نے یہی فیصلہ کیا کہ شوکت صاحب کو ڈاکٹر عبدالرحمن ہی پر چھوڑا جائے اور احیا مسلم لیگ کا مسئلہ حل کیا جائے۔ ڈاکٹر انصاری صاحب کے ہاں سے ٹیلیفون پر اطلاع ملی کہ شوکت صاحب کی حرارت نارمل ہے۔ ہم سب خوش ہو گئے اور میں نے ٹیلیفون کر دیا کہ اب اُن کے حسب فرمائش میں کلکتے خلافت کانفرنس کی صدارت کے لئے چلا جاؤں گا اور اپنے سکرٹری کو علیگڑھ بھیج دیا کہ میرا سامان لے کر ڈاک گاڑی میں مجھے مل جائیں۔ لیکن بھوکا پیاسا چار بجے انصاری صاحب کے ہاں رائے سینا سے واپس آیا تو معلوم ہوا کہ حرارت حسب معمول As Usnal تھی نہ کہ نارمل یعنی ۱۰۳۔ اب میں نے جانے سے انکار کیا مگر شوکت صاحب نے پھر بھی مجبور کیا اور بالآخر کلکتہ گیا۔ وہاں کے لوگوں کے خیالات کی یک سوئی کی۔ خلافت کمیٹی غریب مفلس ہو رہی تھی۔ ساڑھے نو ہزار روپیہ بڑی مشکل سے وصول کیا۔ اگر ایک دن اور رہ جاتا تو شاید تین چار ہزار اور مل جاتے مگر دہلی کی خبروں سے شبہ ہوا کہ شوکت صاحب کی طبیعت پھر بگڑی۔ دوڑا ہوا ایک دن کے لئے دہلی آیا۔ مگر مرض کے عود کر آنے کا شبہ صحیح نکلا اور ایک ہفتہ دہلی رہنا پڑا۔ طبیعت تو پھر درست ہونے لگی تھی مگر پاسپورٹ نہ ملنے کے باعث تین چار دن خلافت کا کام کرنا پڑا۔ اس طرح ۵ مارچ کا نکلا نکلا کہیں ابتدائے اپریل میں پھر "گھر" یعنی علیگڑھ پہنچا۔ عزیزہ آمنہ مرحومہ کی قبر تیار کرائی (یعنی اسی قدر پختہ کہ ڈھل نہ جائے) رخت سفر باندھا اور اس نیت سے ریل میں سوار ہوئے کہ ۵ اپریل کو آیا کہ ۶ کی شام کو بمبئی کی طرف چل دوں گا۔ بال بچے ساتھ تھے۔ اگر شوکت

صاحب علیل نہ ہوگئے ہوتے تو بربہا جاتے میں بھی ہمراہ جاتا اور اپنی اہلیہ کو بھی بمشکل تمام راضی کر لیا کہ ہمارے ساتھ چلی چلیں۔ کام میں اُن سے مدد ملتی۔ کیوں کہ وہ مستورات میں خوب کامیابی سے کام کرتی ہیں لیکن یہ بھی غرض تھی کہ اُن کا غم غلط ہوگا۔ دس مہینے وہ اور غریب محمود اللہ ہمارا داماد مرحومہ کی تیمارداری کرتے کرتے اب اس درجہ کو پہنچ گئے تھے کہ ان دونوں کا دھیان اُس کی طرف سے ہٹانے کی سخت ضرورت تھی۔ خود غرضی بھی اس میں ضرور شامل تھی۔ میں بھی چاہتا تھا کہ کوئی تنہائی میں میرے ساتھ بیٹھ کر چپکے چپکے رونے والا مل جائے۔ اب جب کہ برہما کا سفر ناممکن تھا ان دونوں کو اور لڑکیوں کو بھی شوکت صاحب کے ہمراہ ماتھران لے جانے کا قصد تھا۔ اُن کے Relapse نے مجبور کر دیا تھا کہ مع اہل وعیال کے پہلے خود ماتھران چلا جاؤں۔ راستے میں مہاتما جی سے دو تین دن مسلسل تمام امور حاضرہ پر گفتگو کر دں۔ جب شوکت صاحب کو افاقہ ہو جائے اور وہ اتنا لمبا سفر کرنے کے قابل ہوں تو ڈاکٹر انصاری صاحب اور زاہد انہیں ماتھران لے آئیں۔ علیگڑھ سے چلنے میں دو روز کی دیر جامعہ کے کام کے باعث ہوگئی تھی اس لئے دہلی سے کوئی خبر نہیں آئی تھی۔ اسٹیشن پر معظم صاحب نے I. D. T. خرید کر کھولا تو تار دیکھا کہ پھر شوکت صاحب کو Ralapse ہوا ہے۔ یہاں آکر بھی ارادہ یہی تھا کہ اسٹیشن پر سامان چھوڑ دوں اور دوسرے ہی دن روانہ بمبئی ہو جاؤں مگر انصاری صاحب کے مکان پر پہنچا تو معلوم ہوا کہ آپ کا Relapse سخت تر ہے۔ بخار ۱۰۲ سے بڑھ گیا تھا چار و ناچار رہنا پڑا۔ ۱۰ تک تو حالت اس قدر خراب ہو گئی تھی کہ حرارت ۱۰۴ سے متجاوز تھی۔ ہزاروں خیالات بُرے سے بُرے دل میں آتے تھے مگر میرے پروردگار نے رحم فرمایا۔ دوسرے ہی دن سے بخار کم ہونا شروع ہو گیا اور آج صبح تو حرارت

نارمل تھی۔ وہاں تمام جی میرا انتظار کر رہے ہیں مگر میری مجبوریوں کے باعث مجھے معذور سمجھتے ہیں۔ تاہم شوکت صاحب کا تقاضا ہے کہ جاؤ، جلد جاؤ، ابھی جاؤ چنانچہ کل شب کو روانگی کی نیت ہی ہے۔

یہ میری پریشانیوں کی کتھا ہے مگر ولنبلوگم نے پہلے ہی متنبہ کر دیا تھا سوائے صبر و شکر کے کیا چارہ ہے مگر چار و ناچار نہیں طوعاً صبر و شکر کرتا ہوں انما اموالکم واولادکم فتنہ بالکل صحیح ہے مال تھا ہی نہیں، اولاد تھی کبھی کوئی لڑکا نہیں ہوا مگر ان لڑکیوں نے زندگی کو اتنا ہی پر لطف کر دیا تھا کہ مشکل ہی سے لڑکے کی خواہش کبھی دل میں آتی تھی اور اب تو خدا کا شکر ادا کیا کرتا تھا کہ گو لڑکا نہ دیا مگر جتنی اولادیں ہوئیں سب کو زندہ رکھا بڑا کرم کیا۔ اس موت سے صبر نہیں تو شکر میں کمی ہو جانے کا بہت اندیشہ تھا بالخصوص اس وجہ سے مرحومہ میں کچھ تو میری شکل کی شباہت تھی اور زیادہ تر میری خصلت کی یہاں تک کہ میری برائیاں بھی اُس میں موجود تھیں اور اسی لئے وہ اور بھی عزیز تر تھی۔ خداوند کریم نے چاہا بھی تو اسی کو۔ مگر اس کے مرتے وقت سب روتے تھے اور میں سب کو سمجھاتا تھا۔ البتہ اب ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ غم صرف اس دن کے لئے نہ تھا بلکہ ساری عمر کا شریک ہو گیا ہے۔ کوئی چیز زندگی کو کھوکھلا کر گئی ہے۔ دعا کیجئے کہ خداوند کریم رحم کرے۔ والدہ کی علالت سخت نے جو اگر سخت نہ بھی ہو تب بھی اس عمر اور اس ضعیفی میں خطرناک ہوتی ہے پریشان کر دیا تھا شوکت صاحب کو خطرناک علالت نے اور پھر Relapse نے اور خاص کر اس پچھلے نہایت خطرناک Relapse نے رہے سہے حواس گم کر دیئے تھے۔ لیکن خلافت کے اس قضیہ نے دل کی وہ حالت کر دی ہے کہ اگر خداوند کریم کا فضل شامل حال نہ ہوا تو نہ معلوم میری کیا کیفیت ہو جائے۔ نہیں کہہ سکتا کہ جا کر کیا کر لوں گا مگر پاسپورٹ نہ ملنے سے اپنی بے کسی اور بے بسی اور بھی پریشان کرتی

ہے۔ اس قید سے دیکھیے کب خلاصی ملتی ہے۔

قید ہے قید غلامی دو برس کی قید کیا
دیکھو کب ہو خاتمہ اس قید بے میعاد کا

اب رخصت ہوتا ہوں۔ مدتوں کے بعد آج خط لکھنے بیٹھا ہوں مگر آپ کو دو حرفی خط لکھا نہیں جاتا۔ ابھی درجنوں خط پڑے ہیں جن کا جواب خود اپنے قلم سے دینا ہے۔ والسلام

آپ کا محب صادق
محمد علی

(۹)

جہاز اکبر۔ قرنطینہ کامران۔ بحر احمر   لفافہ کی مہر پر ۲۴ جولائی ۱۹۲۹ء

پیارے ماجد میاں - السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

یہ تو نہیں کہہ سکتا کہ جتنی خوشی اپنے اس سفر کی ہے۔ اسی قدر افسوس آپ کی شرکت نہ ہونے کا ہے۔ یہ دربار وہ ہے کہ باوجود یکہ حضرت عبداللہ ابن مسعود کو اپنے مرحوم بھائی کے شریک نہ ہونے کا افسوس تھا۔ وہ خود ہر بار حاضری سے لطف اندوز ہوتے تھے۔ یہاں ایک حد تک خود غرضی جائز ہے مگر یقین جانیے کہ آپ کے میرے دوست قاسم حسن اور تیسرے دوست مسعود علی صاحب ندوی کے اور مستورات میں بیگم صاحب انصاری کے شریک نہ ہونے کا سخت قلق ہے۔ سفر خوب لطف سے طے ہوا۔ میری اہلیہ کو دو تین دن متلی آئی اور گھمن تو سب عورتوں کو چار پانچ دن رہی مگر مرد اکثر اچھی طرح رہے اور ہم لوگ تو خوب مزے سے کھاتے پیتے اور چلتے پھرتے تھے۔ عدن سے گزرنے سے ایک دو دن پہلے ہی سمندر میں مطلق جوش نہ رہا تھا، جوش تو پہلے بھی نہ تھا۔ مگر ہوا بعض لوگوں کو ناگوار گزرتی تھی لیکن جب ہوا بند ہوئی تو سب گرمی کے شاکی تھے اور ایک شب تو بہت تکلیف رہی۔

میں نے پہلی بار سمندر کا سفر ½ ۱۹ برس کی عمر میں کیا تھا ، ۱۱ر جون کو مانسون
شروع ہوئی تھی ۔ ۱۹ر کو میں نے ساحل ہند چھوڑا طغیانی کا زور تھا ۔ جو کیفیت
شروع کے ۵ ر دن رہی تھی ۔ اُس سے اندازہ کر سکتا ہوں کہ اور دل پر کیا گزرتی
ہوگی ۔ لیکن حج کا شوق وہ شوق ہے کہ ایسی سخت تکلیف پر بھی لوگ گلہ سنجی سے
محترز رہتے ہیں ۔ میرے کاربنکل کو چلنے سے پہلے آرام ہوگیا تھا مگر ریل کے سفر میں
ایک اور نکل آیا ۔ پھر بھی جہاز کا ایک چکر تو روز ہو جاتا تھا ۔ اگر اس سے نجات مل گئی
ہوتی اور بیوی کی تسلی و تشفی لازمی نہ ہوتی تو میں تو زیادہ وقت تھرڈ کلاس ہی پر گزارتا
کمپنی تو مفت لے جانا چاہتی تھی مگر میں نے کہدیا تھا کہ اس سفر کو بلا خرچ کیے ہوئے
اختیار نہ کرنا چاہیئے ۔ اور تھرڈ کلاس میں سب کے ساتھ جانے ہی کی نیت تھی ۔
اور اتنا ہی روپیہ پاس تھا ۔ تاہم کمپنی نے تھرڈ ہی کے ٹکٹ سے فرسٹ میں ٹھیرایا ۔
جمعیۃ العلماء کو بھی سکنڈ میں ٹھیرایا ۔ شوکت صاحب کو کپتان نے اپنے پاس ایک
خاص کیبن دیا جس میں وہ اور بہن رہتے ہیں ۔ مگر افسروں کا سارا ڈک Deck
تھرڈ کلاس والوں سے اتنا بھرا رہتا ہے کہ خود افسروں کو بعض وقت راستہ تک نہیں
ملتا ۔ افسر بہت خلیق اور بامروت ہیں ۔ بالخصوص کپتان جو ایک نیک اور سیدھا سادا
آدمی ہے ۔ میری اہلیہ اور بہن اور اُن سے ملنے والی عورتوں کو کپتان نے اپنا
آدھا ڈک دے رکھا ہے ۔ اپنے غسل خانے میں خود اس لئے کم جاتا ہے کہ مستورات
اودھر بیٹھی ہیں اُن کو نقاب نہ ڈالنا پڑے ۔ پرسوں رات مجھے سوجھی کہ اہل ہند غیر
ہندی مسافروں کی دعوت کریں ۔ بالخصوص بخاریوں کی جو باوجود گندے اور پسینے
کے باعث سخت بدبودار اونی اور روئی بھرے کپڑے پہننے کے نیک اور سیدھے
سادے لوگ ہیں ۔ کوئی پانچ سو روپیہ صرف تیس چالیس آدمیوں سے وصول ہوگیا
کل یہاں کامران میں قرنطینہ والوں کی دیگیں لے کر سامان منگا کر کھانا پکوایا گیا رات

نو بجے خود کھانا کھایا اور کوئی دو بجے سونے کو لیٹا۔ بہت کھانا بچ رہا اور حضن بھی بنگالی" بھوکے" مشہور ہیں۔ رات ثبوت مل گیا۔ باوجود سوائے ایک خاتون کے چند مطلق نہ دینے کے ناخواندہ مہمان بن کر آگئے تھے۔ بڑی مشکل سے اُنہیں ٹالا تھا۔ اب سب کی رائے تھی کہ اُن کو کھلوا دیا جائے۔ سخت ندیدے اور حریص اور اس معاملے میں بے حیا ہیں۔ لوٹ مچا رکھی تھی۔ خیر ضیف اللہ ہیں۔ جب اللہ انہ کو مہمان بناتا ہے تو ہم کیوں ناک بھوں چڑھائیں۔ اس سے بھی فارغ ہوئے اب کہ دن کے گیارہ بج رہے ہیں جہاز پر واپس جا رہے ہیں۔ کوئی بارہ بجے تک لنگر اٹھ جائے گا۔ انشاء اللہ پھر شام کو احرام باندھا جائے گا اور "لبیک اللھم لبیک لبیک لاشریک لک لبیک" کی ندائیں بلند کی جائیں گی۔ اُس وقت آپ پھر یاد آئیں گے اور خوشی کے ساتھ قلق بھی ہوگا۔ مگر اب شوق کی بے قراری بڑھ جائے گی۔ دیکھیئے کیا کیفیت قلب پر طاری ہوتی ہے۔ اب تک تو اور مسافروں کی دیکھ بھال سے فرصت نہ رہی کہ دھیان صرف اسی میزبان کی طرف کیا جائے جس کے مہمان ہو کر ہم جا رہے ہیں۔ دعا کیجئے کہ عمرہ، حج اور زیارت روضہ اقدس نصیب ہوں اور قبول ہوں۔ آمین۔

اب رخصت ہوتا ہوں۔ حکم آگیا کہ اُٹھو۔ چلو۔ آخری کشتی اب جہاز کی طرف جا رہی ہے۔ یہاں ان عربوں سے جو ملازم ہیں، خوب مزے دار باتیں ہوئیں۔ عرب اور باشندگان عرب کی محبت دل میں اور بڑھ رہی ہے۔ خدا جلد اس قوم کا اور اسلام کا احیاء کرے۔ سب کو سلام شوق خصوصاً ظفر الملک کو کہہ دیجئے کہ دیکھو بھائی ہمارے پیچھے نہایت احتیاط سے کام کرنا۔ قوم کو سنبھالنا اب آپ لوگوں کا کام ہے۔

بچوں کو پیار۔ گھر میں سلام شوق۔ میری اہلیہ کا سلام بھی قبول فرمائیے

اور گھر میں پہنچایئے۔ والسلام

آپ کا پیارا بھائی
محمد علی

(۱۰)

۱۳ر فروری سنہ ۲۶ء — کوچہ چیلان ۔ دہلی

محترمی مولانا صاحب[۱] ۔ السلام علیکم

گرامی نامہ ماموں صاحب قبلہ کے نام موصول ہوا ۱۱ر فروری سے صاحبِ فراش ہیں۔ بخار رہتا ہے ہلکا ہو جاتا ہے مگر اترتا بالکل نہیں۔ اپنے آپ خط لکھنے سے معذور ہیں، اس لئے میں ماموں صاحب کی جانب سے لکھتا ہوں۔

۱۔ دنیا میں اگر کوئی چیز ہے جو انسان کو اس کے مصداق بنائے، تو وہ اصول پرستی[۲] ہے۔ ہم نے بہت سی چیزیں اسی اصول پرستی کی وجہ سے چھوڑ دیں۔ یہ چیزیں ہمارے لئے Temptations ہیں انھیں سے ہم کو بچنا ہے انھیں کو چھوڑ کر ہم نے دیگر معاملات میں نا اہلوں کو جگہ لینے دی۔ پھر اگر آج

---

[۱] یہ مولانا کے بھانجے عثمان علی خاں کے ہاتھ کا لکھا ہوا ہے، جو ایک عرصے تک ہمدرد کے جنرل منیجر بھی رہے ہیں۔

[۲] مکتوب الیہ نے پوچھا تھا کہ فلاں سرکاری کمیٹی کی رکنیت اگر پیش ہونے پر قبول کر لی جائے تو بحیثیت سردارِ قوم آپ کا کیا حکم ہے، نہ قبول کرنے کی صورت میں کوئی دوسرا نااہل اس جگہ پر ہو جائے گا۔

نااہل مسلط ہوجائیں گے تو کیا ہے۔ بالکل شراب کی سی حالت ہے۔ نفع سے زیادہ مضرت اس میں ہے۔ لہذا کنارہ کشی ہی بہتر ہے۔ یہ میری صرف "رائے" ہے۔ "حکم" صرف خدا کے لئے زیبا ہے۔

۲۔ خلافت کمیٹی کے متعلق قطب میاں کو خط جا رہا ہے[1]۔

۳۔ [2] . . . . . کے متعلق میرا تجربہ یہ ہے کہ وہ حریص زیادہ ہیں۔ جس منزل پر آپ کو وہ پہنچانا چاہتے ہیں، اس کی اہلیت بالکل نہیں۔ صرف خواہش سے کام نہیں چل سکتا۔ حکیم صاحب[3] کا حیدرآباد میں کوئی خاص اثر نہیں البتہ اگر میں مجبور کروں تو ضرور لکھ دیں گے۔ مگر میرے لئے یہ ایک قسم کا جھوٹ بولنا ہوگا جسے میں جائز نہیں رکھتا۔ اب تک جو مواقع آئے، میں نے ان کو کچھ ترقی کرتے نہیں پایا۔ اب تک مزاج میں لڑکپن ہے۔ کامن سنس[4] بالکل نہیں جس سے کچھ کام لیں۔ مواد جمع کر دیا جائے جب بھی اخذ نہیں کرتے۔ شام کے متعلق ان کو کچھ کٹنگز[5] دئے تھے، تمام پوائنٹس[6] بتا دئے تھے مگر جب مضمون لکھ کر لائے تو کچھ بھی نہ تھا۔ چنانچہ خود ایک مضمون لکھ کر بتا دیا کہ اس نہج پر لکھو مگر پھر بھی آپ

---

[1] مکتوب الیہ اودھ خلافت کمیٹی کا صدر ہے مولانا کو لکھا ہے کہ قطب میاں صاحب فرنگی محل کو اس کمیٹی سے استعفیٰ کیلئے لکھیں۔

[2] مکتوب الیہ نے ایک صاحب کے متعلق سفارش کی ہے۔

[3] حکیم اجمل خاں مرحوم

[4] عقل۔

[5] اخبارات کے تراشے

[6] نکتے۔ لکھنے والی باتیں۔

تک مکمل مضمون نہ دے سکا۔ دو مرتبہ مضامین پڑھ چکا، اب تیسری مرتبہ لائے تو میں بیماری کے سبب سے نہ دیکھ سکا۔ آج کسی وقت دیکھوں گا۔ بشرطیکہ بقیہ مضمون انھوں نے دے دیا۔ میں ان کی ترقی کا خواہاں ہوں اور دل سے، مگر آپ جانتے ہیں کہ جرنلزم (صحافت) کے لئے صرف قلم ہی درکار نہیں۔ اس کے لئے جو باتیں درکار رہیں وہ آپ پر بخوبی روشن ہیں۔ اس لئے کہ آپ خود بھی اس خارستان کے بادیہ پیما ہیں۔ دعا کیجیے کہ خدا ہم سبھوں کو صراطِ مستقیم پر قائم رکھے۔

محمد علی

(۱۱)

(منور علی خاں مرحوم، خزانچی دفتر ہمدرد کے نام کا لکھا ہوا۔ مولانا کی عین روانگی حج سے قبل)

برادرم، السلام علیکم۔ احمد آباد گیا ہوا تھا، پرسوں آیا ہوں، آپ کا خط اور . . . . . ملے۔ مرض کی حالت میں اب پہلے سے فرق ہے، مگر تنہا ہوں۔ ہر طرح کا کام خود ہی کر رہا ہوں۔ سفر حج کی فکر علیحدہ، گھر کی فکر جدا گانہ۔ آپ کی محبت کا دل سے شکریہ ادا کرتا ہوں۔ ۱۰ مئی کو ارادہ روانگی ہے۔ اللہ تعالیٰ بخیر پہنچائے۔ آپ کا نام میں نے اپنی یادداشت میں لکھ لیا ہے خانہ کعبہ میں ضرور دعا کروں گا اور مدینہ پاک میں سلام عرض کر دوں گا۔ بیگم صاحبہ کو بھی ہمراہ لئے جاتا ہوں، بچیاں یہاں رہیں گی۔ زیادہ سلام

محمد علی

(۱۲)

۲۴ / اپریل ۲۸ء "ہمدرد" کوچہ چیلان - دہلی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

برادر محترم و مکرم - السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ - مدتوں سے آپ کے محبت نامے سینے کی جیب میں دل کے قریب ہی ڈالے ہوئے پھرتا ہوں تاکہ ذرا وقت ملے تو جواب تحریر کروں، مگر اب تک موقع نہ مل سکا جس طرح رام پور گیا جس طرح وہاں سے خلاف توقع واپس آیا اور جس طرح دو والیانِ ریاست کے درمیان کم از کم عارضی طور پر ناچاقی کا سبب بنا اس کی داستان طولانی ہے۔ اگر گھر میں طبیعت درست ہوگئی ہوا ور آپ ایک دو دن ہی کے لیے آسکیں تو تشریف لائیں اور اس داستان کو سنیں اور "ومن یتق اللہ یجعل لہ رزقاً و یرزقہ من حیث لا یحتسب" کی تفسیر و تعبیر بھی ملاحظہ فرمائیں - جن باتوں کا جواب آپ مانگتے ہیں وہ بھی آپ کے تشریف لانے پر ہی دیا جاسکتا ہے، میں نے برادرم ظفرالملک صاحب سے عرض کر دیا تھا کہ میرے ذاتی مصارف اس سے زیادہ نہ ہوں گے جو جیل خانے میں تھے جس طرح وہاں گزر کرتا تھا یہاں بھی گزر کروں گا -
اور میری بیوی بے چاری مجھ سے کم کھاتی ہے اس لیے اس کے واسطے

بھی یہی اسکیل کافی ہوگی لیکن میں اس اسکیل پر اس وقت رہنا شروع کردوں گا
جب ہمدرد کو بند کردوں گا۔ میری صحت، میرے بال بچوں کی صحت بالکل
خراب ہے، میں اب مالی تفکرات سے بالکل بچنا چاہتا ہوں تاکہ کچھ عرصے تک
آرام کرسکوں۔ گوشہ نشینی کو حرام سمجھتا ہوں مگر اب قدمے اور کلمے مدد کرنے کے
لئے سامان فراہم نہیں۔ جس قدر ہو سکے گا سخنے ہی مدد کردوں گا۔ درمے مدد کے
قابل پہلے بھی نہ تھا، جس قدر تھا کرتا تھا جس قدر اب بھی رہوں گا کروں گا۔ میں
اس فکر میں ہوں کہ کیا کام کرکے ڈیڑھ دو سو روپیہ ماہوار تین گھنٹے محنت کے
معاوضے کے طور پر کما سکوں "ہمدرد" کی اڈیٹری اب نہ کروں گا۔ میں مضمون
لکھ کر ہی اگر روٹی کماتا یعنی اس کی تجارت کرتا تو انگریزی اخبارات کم نہیں ہیں۔
مگر مجھے اڈیٹری کرنا نہیں ہے۔ تبلیغ مدنظر تھی، مگر لوگ بظاہر سننا نہیں چاہتے۔ چند
دن کے لیے انھیں ان کے حال پر چھوڑ دینا چاہیے۔ جب انھیں تجربہ سے معلوم ہوگا
کہ جس طرح ہمارے علیگڑھ چھوڑ دینے سے ان کو فائدہ نہیں پہنچا اسی طرح ہمدرد کے بند
ہوجانے سے بھی کوئی خاص فائدہ مترتب نہ ہوگا، تب وہ شاید پھر ہماری
طرف متوجہ ہوں۔ میں ملت اسلامیہ کا بے حد مشکور رہوں، اب تک کہ ہمدرد
پریس کے فرنیچر کا روپیہ سوائے ایک دو کے کسی نے نہیں مانگا۔ حالانکہ
سود ششماہی ادا ہونا تھا لیکن باوجود بار بار ہر جگہ سے طلب کیے جانے کے
میں ان کے نزدیک ایک چوتھے درجے کے ڈپٹی کلکٹر کی تنخواہ کا بھی مستحق نہیں
ہوں۔ اللہ اللہ خیر صلاح۔

دوسرے سوال کا جواب یہ ہے کہ شوکت صاحب کی مالی حالت بھی ردی
ہے لیکن ان کو ہمدرد کی طرح "خلافت" اپنے صرف سے شائع نہیں کرنا پڑتا
دوسرے ان کی بیوی نہیں۔ ایک لڑکی کے پورے مصارف ادا کرنا پڑتے

ہیں (گو شادی اُس کی بھی ہوگئی ہے) اور ایک لڑکے کے، زاہد خود تنخواہ پاتا ہے۔ دوسری لڑکی کی شادی عثمان سے ہوگئی ہے۔ البتہ کچھ رقم ماہوار آسے بھی ادا کرنا پڑتی ہے۔ وہ خود کھدر اسکیل پر رہتے ہیں۔ اُن کا زندگی کا بیمہ غالباً دس ہزار کا ہوا تھا۔ وہ رقم غالباً ابھی ملی ہے۔ رام پور میں ان کی ایک بنگلیہ ہے جس کے باغ کی کوئی چار سو روپیہ سالانہ کی آمدنی ہو جاتی ہے۔ میرا کوئی گھر نہیں نہ کسی باغ کی آمدنی ہے۔ میری مالی حالت اگر "ہمدرد" سے اب کچھ نہ ملے ان سے کسی قدر خراب تر ہے۔ ورنہ یقیناً اس میں بھی وہ بڑے" بھائی" ہی تھے میں قرض لے رہا تھا اور کھار ہا تھا وہ اس "فاقہ مستی" سے بچے ہوئے تھے

آپ کے لڑکے کی ولادت کی خبر سے جس قدر جی خوش ہوا تھا اُسی قدر اُس امانت کے چھن جانے سے صدمہ ہوا اور آپ سے کہیں زیادہ بہن سے ہمدردی ہے۔ میری بیوی بچے سب اس غم میں شریک ہیں۔ بہن تک اس پیغام کو پہنچا دیجئے۔ میرے کوئی لڑکا نہیں ہوا، مگر کوئی لڑکی بھی مری نہیں، الا ماشاء اللہ صرف آمنہ نے داغ جدائی دیا۔ البتہ زہرہ کا دوسرا لڑکا جو نہایت ہی خوش رو اور ہنس مکھ تھا، ۷ ماہ کی عمر میں رخصت ہو گیا اس کا اسی طرح صدمہ ہوا جس طرح خود اپنے لڑکے کے اس عمر میں گزر جانے کا ہوتا۔ پھر بھی سمجھتا ہوں کہ خداوند کریم نے مجھ پر بہت رحم فرمایا۔

حمیدہ کا نکاح شروع جنوری میں ہو رہا تھا، مگر کچھ تو حکیم صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی وفات حسرت آیات، کچھ ماجد[1] کی پریشانیوں نے دیر لگائی۔ اب دو تین دن میں ہو رہا تھا کہ ایسے شخص کی طرف سے ایما ہوا کہ نومبر میں کرو۔ میں خود شریک ہونا چاہتا ہوں۔ بار بار کہا کہ اس کی ماں سخت پریشان ہوگی (اور حقیقت یہ کہ

[1] ماجد علی خاں رام پوری۔ مولانا کے اس وقت ہونے والا داماد کا نام۔

کہ جو کچھ سامان کیا ہے خود اُس کی ماں نے اپنی ۲۰ روپیہ ماہوار کی آمدنی میں سے
کیا ہے جو ۱۲ برس سے جمع ہو رہی تھی اور صرف حج میں کام آئی تھی یا اب کام
آئی ہے۔ اور وہ ڈرتی ہیں کہ کہیں خانگی مصارف میں ان کی یہ قلیل پونجی بھی نہ اُٹھ
جائے لیکن برابر اصرار ہے کہ شوکت صاحب کے آنے پر اس کا فیصلہ ہوگا
اور اس سے ایک اہم تر فیصلہ بھی جس کے لئے میں چاہتا ہوں کہ آپ بھی تشریف
لائیں۔ عجیب کشمکش و پیچ میں گرفتار ہوں۔ اچھا اب رخصت ہوتا ہوں۔

دعاگو اور آپ سے کہیں زیادہ محتاج دعا

محمد علی

قطب میاں صاحب اور ظفر الملک صاحب کو بھی خط سنا دیجئے گا قطب میاں
کے عنایت نامے کا جلد جواب دوں گا۔

(۱۳)

۲۹ر اپریل ۱۹۲۸ء   دہلی

بسم اللہ الرحمن الرحیم

برادر محترم ۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔

حمیدہ کی شادی ۶ر مئی کو رکھی گئی ہے مگر ابھی آخری اور قطعی طور پر تاریخ اس وقت مقرر ہوگی جب معظم صاحب کے پاس سے آج کے (ارجنٹ تار) کا جواب آجائے گا کہ انھیں اس تاریخ کے لئے رخصت مل جائے گی۔ ظفر الملک صاحب کا محبت نامہ شوکت صاحب کے واسطے جو میری اہلیہ کے نام آیا تھا ابھی دیکھنے میں آیا مجھے افسوس ہے کہ مجھے ہمدرد کے بند کرنے کے سوا چارہ کار نظر نہیں آتا۔ بہر حال میں تو چند ماہ کے لئے تمام کام بند کرکے اپنا علاج کرانے انگلستان جاؤں گا۔ غیب سے مدد مل گئی ہے اور مشورہ کرنے کے بعد امداد قبول کر لی گئی ہے۔ سوائے علاج کے کوئی اور غرض اس سفر کی نہیں ہے اور فاقہ کرا کے علاج کیا جائے گا۔ کوئی اور کام کروں گا بھی نہیں۔ براہ کرم مشورے کے لئے فوراً تشریف لے آیئے اور حمیدہ کے نکاح میں بھی شریک ہو جایئے۔ سوائے قطب میاں صاحب اور احباب فرنگی محل کے اور آپ کے اور ظفر الملک صاحب کے کسی کو نہیں بلا رہا ہوں۔ بیوی کی طبیعت

کیسی ہے؟ میری بیوی اور بچیاں سب صحت کامل کے لئے دعاگو ہیں اور خیریت معلوم ہونے کے لئے سخت منتظر ہیں، براہ کرم فوراً چلے آئیے تاکہ آخری فیصلہ دو تین دن میں کر دیا جائے اور اخبار کو بند کر دیا جائے۔ میں انشاءاللہ اواخر مئی میں ہندوستان سے روانہ ہو جاؤں گا۔ کیا کہوں دل کی کیا کیفیت ہے۔

آپ کا بھائی

محمد علی

(۱۴)

تار

۲ر مئی سنہ ۲۸ء، چہار شنبہ،

دہلی

دہلی جمعہ کی صبح تک ضرور پہنچ جاؤ۔ اخبار کی بابت آخری فیصلہ بہت ضروری ہے۔

محمد علی

(۱۵)

(مولانا آخر مئی سنہ ۲۸ء میں ہمدرد کو ہم لوگوں کے ہاتھوں میں دے کر اپنی صحت کی خاطر سفرِ یورپ پر روانہ ہو چکے ہیں، دہلی سے اجمیر ہوتے ہوئے بمبئی گئے ہیں، بمبئی سے یہ تار ہے۔)

۲ر جون سنہ ۲۸ء — بمبئی

اللہ تم کو اور ظفر الملک کو اپنے فضل میں رکھے۔ یہ دعا جہاز پر بیٹھتے وقت کر رہا ہوں۔

محمد علی

(۱۹)

۲ر جون سنہ ۶۲ء

جہاز "مقدونیہ"

پیارے ماجد میاں ظفر الملک صاحب ۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

۲۵ر کو آپ لوگوں سے رخصت ہوکر ۲۶ر مئی کی صبح کو اجمیر شریف پہنچا ، تاکہ جسمانی علاج سے پیشتر کچھ روحانی علاج بھی کرسکوں نہ معلوم ظفر الملک صاحب کی "زیارت" زیارت قبور کو کہاں تک روحانی علاج سمجھے اور کہاں تک خود اسے مرض تصور کرے ، حقیقتاً جو کچھ ان مزارات کے گرد و پیش دیکھنے میں آتا ہے وہ مجھ جیسے "بدعتی" کو اس قدر صدمہ پہنچاتا ہے کہ عرض نہیں کیا جاسکتا ۔ تاہم ان تمام بدعات میں جو وہاں کی جاتی ہیں اور نہایت بدتمیزی سے کی جاتی ہیں ، میں جب کبھی اجمیر شریف آتا ہوں اور میری نظر اس مزار شریف پر پڑتی ہے تو میرا خیال اُس زمانے کی طرف جاتا ہے جب سارے ہندوستان میں مشکل ہی سے کوئی مسلمان نظر آتا ہوگا ، مشکل ہی سے کسی جگہ کوئی شخص ایک آن دیکھے خدا کو سجدہ کرتا ہوا دکھائی دیتا ہوگا ، اور اذان کی آواز تو یقیناً کہیں بھی نہ آتی ہوگی ، اور پھر میں خیال کرتا ہوں کہ ایک ایسے زمانے میں ایک سنجر کا رہنے والا سرکار مدینہؐ کے حکم سے غریب نوازی کو اپنا شعار بناکر سلطان الہند بننے کے لئے ایک ایسے ملک میں آتا ہے اور کسی گوشہ کو اپنے لئے

تلاش نہیں کرتا، بلکہ راجپوتانے کے وسط میں ہندوستان کے سب سے بڑے راجہ کی راجدھانی میں داخل ہوتا ہے اور ایک پہاڑ کی چوٹی پر بیٹھ کر اپنی پاک وصاف زندگی کے ذریعے سے اسلام کا اعلان کرتا ہے، اور جس وقت ساری جنگی اور مادی قوتیں اسلام کے خلاف ہوتی ہیں، اعلائے کلمۃ الحق کرتا ہے اور ہزاروں لاکھوں کو مشرف بہ اسلام کرتا ہے۔ آج کل جب کہ ہزاروں لاکھوں نام کے مسلمان ہر وقت غیر مسلم اکثریت ہی کا رونا رویا کرتے ہیں، اس مزار پر جاکر اگر ہم اسی سبق کا اموختہ پھیریں کہ لقد نصرکم اللہ فی مواطن کثیرۃ ویوم حنین اذ اعجبتکم کثرتکم فلم تغن عنکم شیئا وضاقت علیکم الارض بما رحبت ثم ولیتم مدبرین۔ تو مجھے یقین ہے کہ ہم پر بھی آج سکینہ نازل ہونے لگے اور ہماری مدد کے لئے جنود الم تروہا اترآئیں جاتے ہی درگاہ شریف پر حاضر ہوا، پھر مولانا معین الدین صاحب کے بھائی حکیم نظام الدین صاحب کے ہاں جاکر فروکش ہوا، اپنے آکسفرڈ کے رفیق صاحبزادہ عبدالواحد خاں سے جاکر ملا اور شب کو پھر درگاہ شریف جانے کے بعد رخصت ہوا۔

میرے جن نئے کرمفرما نے مجھے علاج کے لئے اس بار ولایت بھیجا ہے اُن سے دوسرے دن آبو جاکر ملا۔ ۲۸ر کو اُن سے بھی رخصت ہوا اور اس بار بھی اُنھوں نے شکریہ کے الفاظ کو زبان پر آنے سے روک دیا۔ اس لئے اُس صحبت کو دعا پر ختم کیا اور با دیدۂ تر روانہ ہوا۔ ۲۰ر کی شب کو احمد آباد پہنچا۔ انسویا بہن اپنے بھائی اینالال سارا بھائی اور اُن کے بال بچوں کے ہمراہ ولایت گئی ہوئی ہیں، اور شنکرلال بینکر علیل تھے، لیکن اُنھوں نے انسویا بہن کی موٹر روانہ کردی تھی اور آشرم سے ایک مدراسی نوجوان مجھے لینے آگئے تھے، اسی وقت سابرمتی گیا اور غسل کرکے سو رہا، مگر گنن لال بھائی کی جوان موت اور اُن کی

بیاری بچی رادھا کے رنج و غم نے نیند کو بھگا دیا۔ تاہم صبح کو خاصی نیند آ گئی۔ نماز فجر کے بعد پہلے رادھا اور اس کی والدہ کے پاس گیا۔ پھر ۔۔ اور رتنا تاجی سے ملا اپنے ولایت جانے کا سارا قصہ سنایا اور ان کو اپنا ہم خیال پایا۔ دوپہر کو جمنالال جی بزاز کی فرودگاہ پر آرام کیا اور شام کو کھانا کھا کر شنکر لال بینکر کے ساتھ ان کے اور انسو تیابہن کی قیام گاہ پر گیا۔ نماز مغرب پڑھ کر اسٹیشن کو روانہ ہوا تاکہ گجرات میل ہی میں روانہ ہو جاؤں اور نماز عید الضحیٰ سے پہلے ہی بمبئی پہنچ جاؤں۔ بمبئی میں عیدین کی نمازیں سورج نکلتے ہی ہو جایا کرتی ہیں۔ اس لئے ریل ہی میں غسل کر کے اور کپڑے بدل کر اور سامان اسٹیشن ہی پر چھوڑ کر، شوکت صاحب اور مولانا عرفان وغیرہ کے ساتھ ہی دفتر خلافت کے پاس والی چھوٹی مسجد کا رخ کیا جہاں نماز اچھی طرح مل گئی، مگر اس قدر مختصر سی جماعت میں یقیناً وہ غرض پوری نہیں ہوئی جو سارے جامع میں بھی بہ شکل پوری ہوتی ہے، اور جس کے پورا کرنے کے لئے شہر کے باہر عیدگاہ بنائی جاتی ہے۔ اس عید کی نماز میں اصفہانی صاحب نے آلۂ مکبر الصوت لگانے سے احتراز کیا اور میرے نزدیک سخت غلطی کی اور کٹ ملاؤں سے ڈر کے میں ان کا استفتاء ہی پڑھ کر بچا نپ گیا تھا کہ ان بزرگ پر ملاؤں کا خوف غالب ہے جو جماعت گرامو فون کو باجا سمجھتی ہے اور اس میں قرآن کریم کی قرأت سننے کو لہو و لعب سمجھتی ہے اس سے "لاؤڈ اسپیکر" کے لئے فتوے طلب کرنا ہی حماقت ہے عید کا دن اور دوسرا دن حاجی اسمٰعیل صاحب۔ خلافت کے سیٹھ اور ریکے دوست کے ہاں دعوتوں میں گزرا یا مسز نائیڈو کے ہاں کی دعوت میں۔ یکم جون کو کچھ کھدر اور ان کی جرابیں کتراک صاحب کے کارخانے میں جا کر بنوائیں۔ ٹکٹ اسی دن ہی کو لے لیا تھا۔ ۲ کو سب سامان ٹھورا اور باندھا اور کمپنی کے سپرد کیا۔ اور پھر کچھ آم لے کر اور کچھ ہار پھول ٹھو کر بندرگاہ پر گیا کمپنی کی نوازش سے ۲ ٹکٹ جہاز پر جا کر

رخصت کرنے کے لئے دوستوں کے واسطے مفت مل گئے تھے، حالانکہ فی ٹکٹ ۱۰، روپیہ قیمت دینا پڑتی ہے۔ بندر پر ڈاکٹر کو نبض دکھائی۔ انھوں نے پوچھا کہ اچھے ہو، میں نے کہا کہ اچھا ہوتا تو ولایت ہی کیوں جاتا، بار دولی نہ گیا ہوتا۔ مگر ان کا اطمینان کر دیا کہ میرا مرض متعدی نہیں ہے (اور اب تو میری سیاست بھی متعدی نہیں ہے) نہ بہ ظاہر میرا مذہب بھی متعدی ہے) ایک پولیس کے انگریز افسر صاحب نے طارق تک سے ٹکٹ مانگا، اور شوکت صاحب غصہ کے مارے اسی وقت اپنے ٹکٹ کو پھینک کر واپس جا رہے تھے، مگر ڈاکٹر نے طارق صاحب کو بھی آہا ٹکٹ میں شامل ہونے اور جہاز پر جانے کی اجازت دیدی۔ روانگی کا وقت سنا ہے کہ ایک بجے ہوتا ہے۔ اس سے پہلے سب رخصت کرنے والے رخصت کر دئے گئے، مگر ڈاک ڈیڑھ بجے تک بار کی جاتی رہی اور ڈیڑھ بجے ہم ہندوستان کے ساحل سے رخصت ہوئے۔

کیا کہوں کہ کن افکار اور کن خیالات کا اس وقت دل میں اور دماغ میں ہجوم تھا۔ پہلا سفر ۱۸۹۸ء کا کن امنگوں اور کن امیدوں کے ساتھ شروع ہوا تھا۔ ایک غریب بھائی کی بے نظیر اور حیرت انگیز ہمت کی بدولت یکایک آکسفرڈ جانے کا انتظام ہوا تھا، پیسہ عنقا کا حکم رکھتا تھا۔ سول سروس میں کامیابی کی آرزو تھی۔ دوسرا سفر ۱۹۰۲ء میں ہوا تھا جب کہ سول سروس میں ناکام رہ چکا تھا شوکت صاحب بھی ناکامی کی خبر "پایونیر" میں پڑھ کر زرد پڑ گئے تھے، مگر ایک بڑھیا نے دیکھتے ہی تاڑ لیا تھا کہ کیا ہوا اور پوچھا تھا کہ کیا محمد علی کی امتحان میں ناکامی ہی پر اس قدر مایوس ہوتے ہو، اگر اس نے چوری کی ہوتی، یا مرتد ہو گیا ہوتا تب تمھاری کیا حالت ہوتی۔ محمد علی کو لکھو کہ میرا اسے دیکھنے کو جی چاہتا ہے اور اس کی منگیتر بھی تین ساڑھے برس سے بیٹھی ہے، اب اسے بلا لو، اور اس کی شادی کر دو میں

بلایا گیا تھا، شادی بھی ہوئی تھی، رام پور میں محکمۂ تعلیم کا افسر بھی مقرر ہو چکا تھا۔ اور اب صرف آکسفرڈ کا بی۔ اے کا امتحان دینے جا رہا تھا، رام پور میں جو واقعات گزر چکے تھے وہ بے حد پریشان کن اور بالآخر میرے استعفے کا پیش خیمہ تھے، نہیں کہہ سکتا تھا کہ کیا حشر ہوگا۔ جو حشر ہوا وہ آپ کو معلوم ہے۔ تیسرا سفر سید وزیر حسن صاحب کی معیت میں ۱۹۱۳ء میں چھپ چھپا کر ہوا تھا کہ کہیں میرے کرم فرما میسٹن صاحب جن سے دو ہفتے پیشتر ہم سد ھار رہے تھے سنتے ہی میری گرفتاری کا وارنٹ نہ نکال دیں۔ "ایم۔ علی" اور "ڈبلیو۔ حسن" کے نام کے دہلی سے ٹکٹ خریدے گئے تھے، سورج نکلنے سے پیشتر شوکت صاحب کے ساتھ دہلی کے اسٹیشن سے عید الفطر کے دوسرے ہی دن اس طرح روانہ ہوا تھا کہ گویا شوکت صاحب کو صرف پہنچانے آیا ہوں، گھر میں نہ بچیوں کو خبر تھی، نہ نوکروں کو اور سامان بھی یہ کہہ کر بند ھوایا تھا کہ شملے جا رہا ہوں، وہاں سردی پڑتی ہے، گرم کپڑے زیادہ رکھنا۔ کانپور کی مسجد شہید ہو چکی تھی، سو سے زیادہ مسلمان، جن میں بوڑھے بھی تھے اور بچے بھی، اس وقت قید تھے۔ ایڈریانوپل کے فاتح ترکوں سے ایسکوتھ صاحب اور سر ایڈورڈ گرے سختی کے ساتھ مطالبہ فرما رہے تھے، "کامریڈ" کے اڈیٹر نے پریس ایکٹ کے خلاف ایک بے نظیر فیصلہ سر لارنس جینکنس، کلکتہ ہائیکورٹ کے چیف جسٹس اور دو سب سے سینیر ججوں کا حاصل کر لیا تھا گو "مقدونیہ آزاد رہا ری مدد کرو" والا پمفلٹ جس میں بلقانی حلیفوں کے مظالم کی داستان غم تصاریر سے ہی کو سنائی گئی تھی، پھر بھی واپس نہ مل سکا تھا۔ انگلستان کی لبرل حکومت کے پاس جا کر منت ساجت کرنا تھی۔ اس کا بھی جو حشر ہوا وہ آپ کو معلوم ہے۔

چوتھا سفر ۱۹۲۰ء میں کیا گیا، اور ایک آخری کوشش اس کی کی گئی تھی کہ خلافت عظمیٰ کو برقرار رکھا جائے ترکی سلطنت کی قوت اور اس کے اقتدار کی حفاظت کی جائے

اور ترکوں کو اس غلامی سے محفوظ و مصؤن رکھا جائے جس میں ہم خود ڈیڑھ سو یونے دو سو برس سے گرفتار تھے، اور اس قبضہ کو قسطنطنیہ پر سے اٹھوایا جائے جو تقریباً چالیس برس سے مصر پر چلا آرہا تھا۔ گزشتہ تجربوں کی بنا پر جانتے تھے کہ کیا حشر ہوگا مگر ع

رہے نہ دل میں ہوس آؤ یہ بھی کر دیکھیں

اس خیال سے احرام سفر باندھا گیا تھا۔ آپ کو یہ بھی معلوم ہے کہ اس کا بھی کیا حشر ہوا۔

اس سفر کے بعد تو یہ کرلی تھی کہ اب آستان بوسی نہ کریں گے، اگر پھر جائیں گے تو اسی لیے کہ انگلستان اور ہندوستان کے درمیان معاہدہ پر دستخط کریں۔ افسوس وہ معاہدہ آج بھی دور نظر آتا ہے۔ مگر الحمد للہ کہ توبہ آج بھی نہیں ٹوٹی بسر ڈینس برے فارن سکرٹری صاحب کو پاسپورٹ کے لئے شملہ ٹیلیفون کیا تو ان کے سوال کے جواب میں صاف کہہ دیا کہ اب نہ مجھے برطانیہ کی کسی سیاسی جماعت پر اعتماد ہے نہ یورپ کی کسی حکومت پر کہ کسی سیاسی کام کی غرض سے یورپ کو جاؤں، اور آج مسٹر واٹسن پولیٹکل سکرٹری صاحب سے جہاز پر ملاقات ہوئی تو ان کی غلط فہمی کو بھی دور کردیا کہ میں ٹیلر کمیٹی کے سلسلہ میں انگلستان جا رہا ہوں محض اپنی صحت کی اصلاح کے لیے بھیجا گیا ہوں، اور اس پر بھی ہنسی آتی ہے کہ ایک فاقہ کش ملک سے ایک متمول ملک کی طرف ایک فاقہ مست بصرف کثیر اس لیے سفر کر رہا ہے کہ وہاں جاکر فاقہ کرکے اپنا علاج کرائے!

ہندوستانی عورتیں اس جہاز پر بھی ہندوستانی لباس میں سفر کر رہی ہیں، مگر سوائے مسز بیسنٹ کے اخبار نیو انڈیا کے اڈیٹوریل اسٹاف کے ایک رکن جو اچکن اور آڑا پاجامہ پہنے ہوئے ہیں، مردوں میں صرف میں ہی ایشیائی لباس میں ملبوس ہوں۔ ۲ رجون کا دن اچھا گزرا مگر ۳-۴- اور ۵ کو ہوا تیز رہی اور تیز تر

ہی ہو گئی - یہ وہ موسمی ہوا ہے جس کا نام بگاڑ کر "مانسون" کر لیا گیا ہے، اور جو ہندستان کے لئے بارش لا رہی ہے۔ دلی کی گرمی کا خیال کر کے دعا نکلتی ہے کہ یہ جلد بمبئی پہنچے اور سب طرف جل تھل کر دے، لیکن جہاز والوں کا خیال کرتا ہوں اور بالخصوص عورتوں کا تو جی چاہتا ہے کہ دعا کروں کہ ہوا بند ہو جائے اور سمندر کی یہ طغیانی باقی نہ رہے۔ تاہم خلاف توقع میں بالکل اچھا رہا، اور ایک وقت کا کھانا بھی نہ چھوٹا، حالاں کہ آدھے سے زیادہ مسافر اور تین چوتھائی سے زیادہ مسافر عورتیں کھانے کے کمرے سے غیر حاضر رہنے لگی تھیں۔ البتہ آج صبح کے بعد سے تموج میں بہت کمی ہو گئی، اور آج شب کے ساڑھے آٹھ بجے سے، جب سے یہ خط شروع کیا گیا ہے، جہاز پر مردوں اور عورتوں کا ناچ ہو رہا ہے۔ حالانکہ کل شب کو اُن میں سے اکثر خاموش پڑے تھے، اور ناچ ہو رہا تھا تو سمندر کی موجوں کا ہو رہا تھا۔

علاوہ مہاراجہ صاحب الور کے وزیر اعظم کے جو میرے ہم سفر ہیں، اور چند ہندوستانیوں کے میرے کسی سے گفتگو نہیں ہوئی، اور اس فرصت کو غنیمت جان کر میں نے یا تو اپنی نیند کا قرضہ جو مدتوں سے چڑھا ہوا تھا وصول کیا، یا کچھ فرانسیسی زبان سیکھنے کی کوشش کی۔ مرحوم علیگڑھ کالج کے مرحوم طالب علم سابق محمد داؤد صاحب کی نظموں کو اُن کے چھوٹے بھائی محمود احمد عباسی پھر شائع کر رہے ہیں اور مجھ سے تقریظ لکھنے کا وعدہ لے چکے ہیں۔ ان کا خط جہاز پر بھی ملا، اس لیے خطوں سے بھی پہلے اسے لکھنا شروع کیا، اور بحمد اللہ آج ختم کر دیا۔ شوکت صاحب سے بھی پہلے آپ کے نام کا یہ خط شروع کیا اور اب اگر آپ اجازت دیں تو اسے ختم کر دوں۔

ڈیک پر میرے نزدیک ہی تین انگریزوں کے بچے، دو لڑکیاں اور ایک لڑکا کھیلا کرتے ہیں، ان سے یا ان کے والدین ہی سے کبھی کبھی دو چار باتیں ہو جایا کرتی تھیں۔ یا دو بہار کے انگریزی زمینداروں سے جو نیل تیار کرایا کرتے ہیں۔

لیکن میرے قریب ہی ایک خوش رو، وجیہ اور بلند قامت فوجی افسر بھی لیٹے رہتے تھے اور کبھی کبھی ایک دو لفظ بول لیا کرتے تھے۔ آج ایک بجے سے میری دیر تک گفتگو ہوتی رہی جس میں زیادہ تر میری بچیوں کے نام اور اُن کی عمر وغیرہ کے متعلق اُن کے سوالات اور میرے جوابات تھے۔ بہ ظاہر اسے سُن کر اور کچھ دلچسپ پاکر ان صاحب نے مجھ سے گفتگو شروع کی اور دو گھنٹے تک نہایت آزادی اور صفائی سے۔ مگر پُر لطف طریقہ پر سیاسی گفتگو رہی، جس کے بعد اُنھوں نے شکریہ بھی ادا کیا اور دادِ تحسین بھی دی۔ بعد کو معلوم ہوا کہ یہ بریگیڈیر جنرل ہیں اور میں نے آخر میں نام دریافت کیا تو معلوم ہوا کہ ان کے بزرگ میرے دادا کے ۱۸۵۷ء کے دوست تھے۔ اب تک کی ساری داستان میں نے آپ کو سنا دی۔ اب نہ کہیے گا کہ میں نے خاموشی سے کام لیا ہے۔ کل سے انشاء اللہ حدیث شریف بھی شروع ہو جائے گی اور چونکہ حجاج کے جہازوں کی واپسی کا وقت ہے۔ راستہ میں آنکھیں ان کو بھی ڈھونڈیں گی۔ ہائے ؎

زہے سعادتِ آں بندہ کہ کرد نزول گہے بہ بیت خدا و گہے بہ بیت رسول

مگر خدا بھلا کرے سلطان ابن سعود کا، اب وہاں کا راستہ بھی ہم بدبختوں کے لیے بند ہے۔ جہاز ہی پر خبر پڑھی کہ ہم سے بھی زیادہ بدبخت شامی جنھوں نے ترکوں کے خلاف بغاوت میں سب سے بڑا حصہ لیا تھا، اور اس کے صلے میں فرانس کی غلامی اور ۱۸ ہ گھنٹے اس کی مسلسل گولہ باری حاصل کی تھی، انھوں نے اب فیصلہ کیا ہے کہ اُن کی نجات کے لیے ایک بادشاہ کی ضرورت ہے۔ چنانچہ فیصل ابن سلطان ابن سعود پر اُن کی نظرِ انتخاب پڑی ہے، سچ ہے، ملکیت کی بدعت کی ابتدا شام ہی سے ہوئی تھی، اب یزید کی ملکیت کی جگہ نجدیوں کی ملکیت کی طلب ہے۔ اچھا اب رخصت ہوتا ہوں۔ تعجب ہے کہ اعصاب! سوزش جہاز پر آتے ہی

بند ہوگئی، مگر کل دوپہر کو، اور آج صبح کو تھوڑی دیر تک محسوس ہوئی لیکن یقیناً یہ آموں کا پھل ہے، سو بندرگاہ سعید تک وہ بھی ختم ہو جائیں گے۔ اور لندن جاتے ہی فاقہ ہی فاقہ ہے۔

قطب میاں صاحب کو، اور الطاف بھائی کو، سعید کو اور تمام فرنگی محل کو سلام شوق، بالخصوص جمال میاں اور محمد میاں اور نور میاں کو۔ مولانا سلامت اللہ صاحب کی خیریت تحریر فرمائیے۔ دہلی میں جعفری کو پیار اور سب کو سلام شوق۔ بالخصوص مولانا کفایت اللہ صاحب کی خدمت میں آداب۔ مولانا احمد سعید صاحب کو سلام شوق اور ان کی صحت کے متعلق اطلاع دیجیے۔ ڈاکٹر سعید احمد صاحب اور اسرائیلی صاحب، راشد الخیری صاحب کو بھی سلام و شوق۔

آپ کی عالی ہمتی کا قدردان "ہمدرد" کا دعاگو آپ کا بھائی

محمد علی

۱۹ر اگست — لندن

پیارے ماجد میاں، ظفر الملک صاحب اور جعفری

گزشتہ ہفتے میں جو "ہمدرد" کے پرچے آئے ان میں میرے کسی خط کا کوئی ذکر نہ تھا جس سے مجھے اندیشہ ہوا کہ شاید وہ خط جو یورپ پہنچ کر میں نے لکھا تھا اور ۲۱ر جون کو ڈوور کے اسٹیشن پر ڈالا تھا وہ ۱۱، ۱۲ر جولائی تک آپ حضرات کی نظر سے نہیں گزرا، اور اگر ماجد علی صاحب کے خط میں صاف تصریح نہ ہوتی کہ انھوں نے حیات صاحب کو اس تاکید کے ساتھ روانہ کر دیا ہے کہ وہ اس خط کو پڑھ لینے کے بعد فوراً جعفری کو بھیج دیں، تو میرے دل میں ضرور یہ خوف بھی پیدا ہوجاتا کہ بیگم صاحبہ نے حیات صاحب کو وہ خط تو بھیج دیا مگر یہ لکھنا بھول گئیں کہ پڑھنے کے بعد وہ خط جعفری صاحب کو بھیج دیا جائے تاکہ بہت مندرجہ حالات سے قارئین "ہمدرد" بھی واقف ہوجائیں۔

جب تفصیل کے ساتھ کسی چیز کے متعلق لکھنا پڑتا ہے تو پھر ناممکن ہوجاتا ہے کہ اس کو ہر خط میں دوہرایا جائے۔ اس لیے میں نے یہ انتظام کیا تھا کہ کسی نہ کسی کو ہر ہفتے مفصل خط لکھ دیا جائے اور وہ اسے آپ حضرات تک پہنچا دیا کریں۔

۲۱ رجون کا خط اس قدر طویل تھا اور اسی مصروفیت کی حالت میں لکھا گیا تھا کہ اس کے بعد کسی اور کو دو سطریں لکھنا بھی مشکل تھا۔ چنانچہ بے چاری بیگم صاحبہ تک کو اس ڈاک سے علیحدہ خط نہ روانہ کیا جا سکا، لیکن چونکہ ان کی اور بچیوں کی پریشانی کا سب سے زیادہ خیال تھا اس لیے میں نے حیات صاحب کا خط بجائے مکتوب الیہ کو بھیجنے کے بیگم صاحبہ کے پتہ سے بھیج دیا۔ چوں کہ اس ہفتے کی ڈاک کے "ہمدرد" میں بھی اس کا کہیں ذکر نہیں کیا گیا ہے اس لیے مجھے اندیشہ ہوا کہ شاید حیات صاحب اسے دہلی بھیجنا ہی بھول گئے اور چونکہ آپ کو بظاہر اس خط کا کوئی علم نہیں اس لیے آپ غالباً ان کو بھی نہیں لکھیں گے کہ آپ کی یاددہانی پر وہ اسی خط کو آپ کے پاس بھیج دیں۔ اس لیے مجبوراً میں خود آپ کو لکھ رہا ہوں کہ ان سے وہ خط ضرور منگالیں۔ وہ پہلی ستمبر کو غالباً بمبئی سے نواب صاحب بھوپال کے ہمرکاب روانہ ہوں گے اس لیے اس خط کے ملتے ہی ان کو لکھ دیجیے کہ وہ اپنے خط میں آپ حضرات کو بھی شریک کر لیں۔ مجھے خوف ہے کہ میں نے لندن سے جو ڈاک پہلی بار ارسال کی اس میں کوئی خط آپ حضرات کے نام ارسال نہیں کیا، لیکن بیگم صاحبہ کو بچیوں کو اور ماجد علی صاحب کو خطوط لکھ دیے تھے اور نیز شوکت صاحب کو اور سب سے زیادہ تفصیل کے ساتھ چوں کہ بیگم صاحبہ ہی کو لکھا گیا تھا اس لیے ان سے درخواست کی تھی کہ وہ اپنے خط کا ایک حصہ شوکت صاحب کو اور جعفری کو بھجوا دیں۔ مگر وہ اس شرکت کو گوارا نہیں کرتیں اور ان کے پچھلے خط میں لکھا ہوا آیا ہے کہ آپ میرے خط میں کسی کو شریک نہ کیجیے خواہ کتنا ہی مختصر خط ہو وہ میرے لیے مخصوص ہونا چاہیے۔ مجھے کاتب بننے کی فرصت معلوم نہیں کہ اس کے بعد انھوں نے اس خط کی نقل جعفری کو بھیجی یا نہیں؟ بہر حال "ہمدرد" میں اس کا کہیں ذکر نہ تھا اور اگر وہ بھیجی بھی

گئی ہے تو غالباً جمعرات تک آپ حضرات کو مل گئی ہوگی۔ خیر، اب یہ انتظام کیا جاتا ہے
کہ سب سے زیادہ مفصل خط بالعموم آپ ہی کے نام جایا کرے گا اور جو دوسرے
خطوط لکھے جائیں گے۔ ان میں سب کا حوالہ دے دیا جایا کرے گا اور انہیں
صرف اس قدر لکھ دیا جایا کرے گا کہ بعد آدائے آداب کے عرض پرداز ہوں
کہ یہاں خیریت ہے اور آپ کی خیریت درگاہ سے نیک مطلوب ہے۔ بڑوں کو
سلام، چھوٹوں کو دعا۔ تمت تمام شد۔

پہلے اپنی صحت کے متعلق عرض کر دوں کہ اس بار ۶ دن کے فاقہ سے
جس میں نارنگی اور انگور کا عرق پینے کی اجازت تھی میری طبیعت بہت اچھی ہو گئی
اور یہی نہیں کہ شکر نہیں آئی بلکہ باوجود چربی کے تقریباً اسی مقدار میں پائے جانے
کے جو گزشتہ ہفتہ میں تھی میرے پاؤں کے تلووں میں اعصابی سوزش بالکل نہیں
ہوئی۔ البتہ گزشتہ ہفتے کے دن چند نوجوان طلباء کے ساتھ ریجنٹس پارک میں چڑیا گھر
Zoological Garden دیکھنے کے لیے جانا ہوا اور چونکہ اس
دن صبح کو بہت ہی کم پھل کھائے تھے اس لیے ان طلبہ کے ساتھ چائے میں شریک
ہو گیا۔ افسوس ہے کہ یہاں شہد نہ مل سکا اور شکر کا استعمال کرنا پڑا۔ اُس دن
میں نے خوب ہی بدپرہیزی کر ڈالی اور ڈبل روٹی اور جیم کا بھی استعمال کیا اور کیک
کے بھی دو ایک ٹکڑے کھا لئے۔ یہ میری پہلی بدپرہیزی تھی ورنہ نہ کبھی شکر کا استعمال کیا اور نہ
کبھی جیم کا اور نہ کبھی کیک کا یہاں تک کہ روٹی بھی تقریباً ڈیڑھ مہینے سے نہیں کھائی گو میرے
دوست احباب کو شاید اس کا یقین نہ آئے لیکن حقیقت یہ ہے کہ جب بدپرہیزی کرنا پڑی تو میں نے
عمداً پیٹ بھر کر بدپرہیزی کی تاکہ دیکھوں اس کا اثر کیا ہوتا ہے چنانچہ چند ہی گھنٹوں کے بعد شکر
بھی پائی گئی اور ایک ہفتے کے بعد تلووں میں اعصابی سوزش پھر شروع ہوئی الحمد للہ کہ کچھ نہ کچھ اثر
کل تک رہا۔ البتہ آج ایک وقت کا فاقہ کرنے کے بعد الحمد للہ وہ کیفیت بالکل دور ہو گئی اور اس اثر بین تجربہ

نے میرے یقین کو اور بھی پختہ کر دیا کہ میرے معالج غذا کے متعلق جو کچھ کہتے ہیں وہ یقیناً صحیح ہے۔ اس ہفتے سوائے اس بدپرہیزی کے میں نے ان کے کہنے پر اس قدر اور بھی عمل کیا کہ گوشت مطلق نہیں کھایا بلکہ سوائے تھوڑی سی اُبلی ہوئی مٹر کے کوئی پکی ہوئی ترکاری بھی نہیں کھائی اور صرف پھلوں پر گزر کیا۔ مگر پھلوں میں علاوہ نارنگیوں کے اور ناسپاتیوں کے اور خوبانیوں وغیرہ کے کچھ گریاں بھی کھائی گئیں (بادام، اخروٹ وغیرہ) اور لطف یہ ہے کہ کھجوریں بھی روزانہ بیس بیس کھائی گئیں۔ اس لیے اس پرہیز میں شکایت کا ذرا بھی موقع نہ ملا۔ ارادہ ہے کہ کل پھر قارورہ کیمیاوی تجربہ کے لیے بھیجوں تاکہ معلوم ہو جائے کہ فاقہ نہ کرنے کے بعد بھی شکر مفقود رہتی ہے یا نہیں۔ ورزش کے معاملے میں البتہ بہت کچھ فروگزاشت ہوئی ہے لیکن آج سے ارادہ کر لیا ہے کہ دن میں کم سے کم دو تین بار ورزش ضرور کیا کروں گا۔ ڈاکٹر صاحب کا قول ہے کہ صحیح غذا سے زیادہ صحیح ہوا کی ضرورت ہے اور جب تک اندر کی ہوا پوری طرح باہر نہ نکالی جائے گی جسم کا اندرونی حصہ صاف نہ ہوگا اور تمام ورزشیں اسی غرض سے کرائی جاتی ہیں کہ میں سانس صحیح طریقے سے لے سکوں۔ چربی پوری طرح سانس لینے میں مانع نہ ہوتی رہے۔ وہ کہتے ہیں کہ اگر میری سانس لمبی ہو گئی تو غذا بھی زیادہ ہضم کی سکے گی اور تھوڑی بہت بدپرہیزی سے بھی زیادہ نقصان نہیں پہنچے گا۔ بہرحال یقیناً اس ڈیڑھ مہینے کے علاج میں اتنا افاقہ ہوا ہے جو اس سے پہلے کبھی نہیں ہوا تھا۔ اور میں شوکت صاحب کو بھی لکھنے والا ہوں کہ وہ بھی اب پھلوں پر گزارا کیا کریں اور جس طرح سے میں زمین پر لوٹ لوٹ کر اور دوسری ورزشوں میں لمبی لمبی سانسیں لیا کرتا ہوں وہ بھی لیا کریں۔ میرا وزن سات سیر گھٹ چکا ہے کمر چار انچ کم ہو گئی ہے اور سانس ایک سو ستر سے ترقی کر کے دو سو تک

پہنچ گئی ہے۔ اُن کا وزن تو یقیناً بیس پچیس سیر گھٹ جائے گا بلکہ اس سے بھی زائد۔ اور وہ تھوڑے ہی عرصے میں۔ مصرعہ "کمر پتلی صراحی دار گردن"، کے مصداق ہو جائیں گے بیگم صاحبہ بے چاری مدت سے دُبلا ہونا چاہتی ہیں۔ ان کے لیے بھی یہی علاج مفید ہوگا اور چونکہ وہ نقرس کے مرض میں مبتلا بھی ہیں اس لئے یہ طریق علاج اس مرض کے لیے بھی مفید ثابت ہوگا۔ میں بار بار زور دے رہا ہوں کہ لڑکیوں کو کہے کہ وہ بھی یہیں چلی آئیں اور ابھی اسی مضمون کا انھیں تار بھی دے چکا ہوں۔ حمیدہ کی بیماری نے بے حد پریشان کر دیا ہے۔ اگر وہ یہاں آگئیں تو حمیدہ بی کا بھی اسی طریقے پر یہاں علاج شروع کرا دیا جائے گا۔ لیکن دیکھیے وہ آتی بھی ہیں یا نہیں؟

جہاں اس قدر اپنی صحت یابی کے متعلق لکھ چکا ہوں وہاں چند سطریں ایک بزرگ قوم کی وفات کے متعلق بھی لکھنا نامناسب نہ ہوگا۔ جمعہ کی صبح کو میں نے اپنا فاقہ ختم کر دیا۔ ڈاکٹر صاحب چاہتے تھے کہ دو دن اور فاقہ کیا جائے لیکن چونکہ میں امام صاحب سے وعدہ کر چکا تھا کہ ناٹنگل گیٹ کے دار الصلوۃ میں نماز کے بعد مصلیوں سے اسلام کے متعلق ایک مختصر سے مکالمے کی بھی ابتدا کروں اور خوف تھا کہ اگر اسی دن "افطار" نہیں کیا گیا تو شاید کمزوری زیادہ محسوس ہو۔ لیکن جو حالت جمعرات کو تھی اگر اس کا پہلے سے ذرا بھی گمان ہوتا تو میں ہرگز جمعہ کو افطار نہ کرتا اور دو چار دن اور فاقہ کرتا۔ کیا معلوم تھا ٹھیک جس وقت میں افطار کر رہا تھا اسی وقت سید امیر علی صاحب دنیا سے رخصت ہو رہے تھے۔ وہ لندن سے کچھ دور سسکس کاؤنٹی کے ایک چھوٹے سے قصبے میں اس زمانے میں آرام فرما رہے تھے اور مسز امیر علی صاحبہ کے قول کے مطابق آخر وقت تک کام کرتے رہے۔ گو کچھ عرصے سے وہ صاحبِ فراش تھے اور ایک نرس کے ساتھ ہی وہ چلا پھرا کرتے تھے۔ تاہم کسی کو گمان نہ تھا کہ وہ اس قدر جلد داعیِ اجل کو لبیک کہنے والے

ہیں۔ یہاں جس طرح جینا مشکل ہے اُسی طرح مرنا بھی مشکل ہے۔ جس دن امیر علی صاحب کا انتقال ہوا اُسی دن لوگ جشن منانے جارہے تھے اس لیے کہ گزشتہ پیر کے دن بینکوں کی چھٹی تھی چنانچہ تجہیز و تکفین کا سامان منگل تک نہ ہو سکا۔ تجہیز و تکفین کرانے والے پیشے کی یہاں ایک کمپنی ہے چنانچہ اسی نے مرحوم کی میت کو رڈ یچ سے ویسٹ منسٹر تک پہنچایا ہوگا اور منگل کے دن تعطیل ختم ہونے پر تابوت بنانے کا اہتمام کیا۔ اسی کمپنی کی ایک اسپیشل ٹرین واٹرلو اسٹیشن سے منگل کے دن بارہ بجے کے قریب بروک وڈ Brook Wood کو جو ووکنگ Woking اور ایلڈرشاٹ Aldershot کے درمیان واقع ہے روانہ ہوئی اور اس میں جنازہ اور اس کو کاندھا دینے والے روانہ ہوئے۔ یورپین رسم کے مطابق پھولوں سے تابوت چھپ گیا ہوگا اس لیے کہ جب میں قبرستان پہنچا تو قبر پھولوں سے بالکل ڈھکی ہوئی تھی۔ میں چند طالب علموں کے ساتھ موٹر میں روانہ ہوا تھا۔ مجھے پہلے اس کا علم نہ تھا کہ لوگ اسپیشل میں قبرستان جانے والے ہیں۔ اتوار کی شب کو سر محمد رفیق صاحب سے ملا تب اس کا حال معلوم ہوا اور میں اس سے پہلے ہی موٹر کا انتظام کر چکا تھا۔ احتیاطاً ہم لوگ اسپیشل سے بھی پہلے موٹر میں لندن سے روانہ ہوئے لیکن بدقسمتی سے آدھے بیچ میں موٹر رک گئی اور اس کے صاف کرنے میں موٹر کے مالک کو کچھ غلط فہمی ہوئی جس کے باعث گھنٹہ بھر تک راستے میں رکنا پڑا۔ بالآخر گزرتی ہوئی ایک موٹر کے چلانے والے سے درخواست کی گئی کہ آٹو موبائل ایسوسی ایشن کے سپاہی کو آگے چل کر بھجوا دیں۔ یہ مالکان موٹر کی ایک جمعیت ہے جس کا سالانہ چندہ دو پونڈ ہے اور اس کی طرف سے تھوڑے تھوڑے فاصلے پر عمدہ وردی پہنے ہوئے سپاہی بٹھلا دیے گئے ہیں جو موٹر والوں کو راستہ بھی بتاتے ہیں اور اگر کوئی حادثہ واقع ہو جاتا ہے تو موٹر اور موٹر والوں دونوں کی مرہم پٹی کرتے ہیں۔ ان کے پاس

موٹر بائیسکلیں ہیں جن میں سائڈ کار کی جگہ ایک چلتی پھرتی موٹر والوں کی ڈیسپنسری ہے۔ اس سپاہی کے آنے ہی سب کچھ ٹھیک ہوگیا اور ۲۰ منٹ میں ہم بروک ووڈ Brook Wood کے قبرستان جا پہنچے۔ ووکنگ کی مسجد کے امام صاحب نماز جنازہ پڑھا چکے تھے اور سید امیر علی صاحب ہمارے پہنچنے سے پہلے ہی سپرد خاک کیے جا چکے تھے۔ البتہ اُن کے صاحبزادے وارث امیر علی صاحب مع اپنی والدہ ماجدہ کے اس وقت تک وہاں موجود تھے چنانچہ قبر پر فاتحہ پڑھنے کے بعد میں اُن کے پاس گیا اور تعزیت کی۔ اس قبرستان میں ہزاروں ہی قبریں ہیں اور اس شہر خموشاں کا نام بھی Necropolis ہے۔ ریل کی پٹری اس کے اندر تک آتی ہے نہایت وسیع میدان میں باغ لگایا گیا ہے جس کے چاروں طرف پختہ احاطہ کی دیوار ہے۔ نہایت عمدہ سڑکیں، روشیں چلنے پھرنے والوں کے لئے بنا دی گئی ہیں۔ بلکہ گھر آنے کے بعد ہمیں معلوم ہوا کہ ہم کو لنچ نہ ملنے کے باعث جو چار کے وقت ووکنگ جا کر انڈے وغیرہ تلوانا پڑے اس کی ضرورت نہ تھی، اس شہر خموشاں کے اندر ایک اچھی خاصی رسٹوران بھی موجود تھی جہاں لنچ کھایا جا سکتا تھا۔ یہاں ایک چھوٹا سا حصہ مسلمانوں کی قبروں کے لئے بھی ہے اور ایک حصہ پارسیوں کی قبروں کے لئے اور اسی طرح ایک حصہ ہندوؤں کی قبروں کے لئے ہے۔ مگر سید امیر علی صاحب نے حین حیات ہی ایک قطع اپنے اور اپنے خاندان والوں کے لیے اُس طرف خرید لیا تھا جہاں متمول عیسائی دفن ہوتے ہیں۔ یوں تو تجہیز و تکفین کا انتظام کرنے والی کمپنی نے سب کچھ کر لیا ہے لیکن بعد کو معلوم ہوا کہ قبر کا رُخ کسی قدر غلط تھا لیکن الحمدللہ کہ کچھ زیادہ غلطی نہ تھی۔ دفن کرتے وقت قطب نما تلاش کی گئی اور ایک شخص کے پاس مل بھی گئی۔ اس کے دیکھنے سے معلوم ہوا کہ قبر کی سمت میں صرف تھوڑی سی کجی تھی۔ زیادہ نہ تھی اور امام صاحب نے میت کا منہ صحیح طور پر قبلہ کی

سمت موڑ دیا تھا۔ ہم لوگ جب پہنچے تو قبرستان میں پندرہ بیس ہی آدمی رہ گئے تھے جن میں ایک لارڈ ہیڈلے اور پنجاب کے سابق لفٹنٹ گورنر سرلوئی ڈین تھے لارڈ ہیڈلے کے پاس ہی ایک اور بزرگ بھی تھے جن کا اسم گرامی انگلستان کے اخبارات اور رسالوں میں یا تو جنگ افغانستان کے بعد یکایک نظر آنا شروع ہوا تھا یا اب پھر دو سال سے مکہ معظمہ کی موتمر عالم اسلام کے بعد سے زیادہ تر اسی سلسلے میں پھر نظر آنے لگا ہے۔ آپ سمجھ گئے ہوں گے کہ یہ بزرگ کون ہیں۔ یہ "سردار" اقبال علی شاہ صاحب تھے۔ چونکہ اس سے ایک ہی روز پیشتر مجھ سے ان بزرگ سے ٹیلیفون پر گفتگو ہو چکی تھی جس کے متعلق میں ابھی کچھ عرض کروں گا اور مجھ سے مایوس ہو چکے تھے اس لیے اس بار علیک سلیک کی بھی نوبت نہ آئی۔ سرلوئی ڈین صاحب نے مجھے پہچان کر اردو میں مزاج شریف، کہہ کر میرا حال دریافت فرمایا اور فرمایا کہ ہاں میں آپ کو اچھی طرح پہچانتا ہوں۔ میں جواب میں الحمدللہ کہہ کر اور ان سے ہاتھ ملا کر آگے بڑھا۔ مجھے امیر علی صاحب کی قبر کا اور مسلمانوں کی قبروں سے اتنے فاصلے پر ہونا اور متمول انگریزوں کی قبروں سے اس قدر متصل ہونا کچھ زیادہ اچھا نہیں معلوم ہوا۔ مسلمانوں کی قبریں غالباً پہلے یہاں نہ تھیں۔ جتنے کتبے ملے ان سب کو میں نے پڑھا اور معلوم ہوا کہ سب سے پرانی قبر ایک خاتون ضعیفہ احمد فارسی کی ہے جس وقت یہ بے چاری دفن ہوئی تھیں اس وقت شاید کسی کے پاس قطب نما بھی نہ ہوگی اس لئے کہ قبر کی سمت صحیح نہیں ہے۔ اس کے پاس ہی بمبئی کے مشہور و معروف اور نہایت قابل مسلمان ڈاکٹر حبیب جان محمد صاحب کی قبر ہے جن کا یکایک ذیابیطس کے عارضہ میں نیشنل لبرل کلب میں انتقال ہو گیا تھا۔ اسی قبرستان میں حیدر آباد کے خطیب احمد حسین بن کھوکھر ضلع جہلم کے شیخ عبدالحمید اور راندیر کے داؤد ابراہیم موتالا کی بھی قبریں ہیں۔ جن میں سے موخر الذکر کا موٹر کے تصادم سے اسی سال انتقال ہوا ہے اور ان کے

ایک رفیق جو اسی تصادم میں زخمی ہوئے تھے اس بار ہمارے شریک سفر تھے۔ یہیں قبروں میں ایک قبر مصطفےٰ صبحی منزلوی کی ہے جو مصری تھے۔ نیز ایک قبر آغا خاں صاحب کے چچا زاد بھائی اور حاجی بی بی صاحبہ کے بھائی آغا شمس الدین شاہ کی بھی ہے اس قبر پر غالباً آغا خاں کی طرف سے یہ عبارت کندہ کی گئی ہے۔

"برادر عزیزم، شعر

ز رفتن تو من از عمر بے نصیب شدم
سفر تو کردی و من در وطن غریب شدم"

آغا خاں صاحب کو کون غریب کہے گا، لیکن ان کی مد غریب الوطنی" اب ایک ضرب المثل ہے۔ نہ معلوم اس شعر میں کس وطن کی غربت کی طرف اشارہ ہے۔
ان بڑی بڑی پختہ قبروں کے علاوہ کتنی ہی کچی قبریں بھی ہیں اور چند پر بظاہر حکومت کی طرف سے دوران جنگ میں لوح مزار بھی لگا دی ہیں۔ چنانچہ حسب ذیل فوجی یہاں دفن ہیں . . . .
. . . . میں ان سب کے لیے فاتحہ پڑھ کر آیا ہوں
اور ان کے نام اس لیے لکھ لایا ہوں کہ اگر "ہمدرد" کے ذریعہ سے ان کے دور اُفتادہ پسماندوں کو جن میں سے شاید ہی کوئی ادھر آنکلے اطلاع مل جائے کہ ایک مسلمان ان کی قبروں پر فاتحہ پڑھ آیا ہے، تو غالباً انھیں خوشی ہوگی۔
ان مسلمانوں کی قبروں میں ایک عجیب قبر بھی نظر پڑی۔ وہ ایک ہندو سپاہی کی تھی جس پر انا للہ وانا الیہ راجعون کی جگہ . . . . کھدا ہوا تھا۔ نہ معلوم یہ "ادم بھگوتی" نام تو نہیں اور ادم کی جگہ غلطی سے فقط . . . . . . کھد گیا۔ مجھے اس وقت اس کی اطلاع نہ تھی کہ یہاں ہنود کا بھی کوئی قبرستان ہے اور قیاس بھی اس کے خلاف تھا، اس لیے کہ ہنود کے مردے تو جلا دئے

جاتے ہیں۔ اس لئے صرف اس ایک ہندو کی قبر کو دیکھ کر تعجب ہوا۔ اس کا نام،
موتی رام نمبر ۱۱۲ الفنسٹری .... کھدا ہوا تھا۔ جب ہم وہاں سے چل دیے
تو معلوم ہوا کہ ایک حصہ ہنود کی قبروں کے لئے بھی ہے اور وہاں ہنود کی قبریں
بھی موجود ہیں۔

مسلمانوں سے کچھ ہی فاصلے پر پارسیوں کی متعدد قبریں ہیں اور یہ حصہ
بہت زیادہ شاندار ہے۔ سب سے زیادہ عظیم الشان قبر تو واڈیا صاحب کی
ہے جس کے متعلق میں ابھی عرض کروں گا۔ اس کے علاوہ ایک مسقف حجرہ کے اندر
سر رتن ٹاٹا کی قبر ہے اور دوسرے میں ان کے والد ماجد جمشید جی نوشیروان جی ٹاٹا
کی قبر ہے۔ اس کے سامنے جمشید جی کی ہمشیرہ مسز داراب جی سکلاتوالا کی قبر ہے جس پر
اُن کا مجسمہ (صرف سر اور گردن وغیرہ) پتھر کا کھدا ہوا لٹا دیا گیا ہے۔ درابجی
صاحب کی بھی قبر وہیں ہے۔ غالباً یہ شاپور جی کے والد ماجد اور والدہ ماجدہ کی
قبریں ہیں۔ مسز درراب جی کے چہرہ پر، اور بالخصوص آنکھ کے پاس کسی پرند کی بیٹ
پڑی ہوئی تھی، جسے میں نے وہاں سے علٰحدہ کر کے صاف کر دیا اور شاپورجی کے
لیے دعا مانگی کہ یہ بہادر، اور سچا ہمدرد نوع انسان اور محب وطن انسانوں اور
ہندوستانیوں کی کامیابی کے ساتھ خدمت کرتا رہے۔

مگر دیکھنے کے قابل واڈیا صاحب کی عالیشان قبر ہے۔ اس شہر خموشاں
میں آنسو گرانا تعجب کی بات نہیں، مگر ہنسی آنا ضرور تعجب انگیز ہے۔ لیکن ہم میں
سے ایک بھی اپنی ہنسی کو ضبط نہ کر سکا جب کہ ہم نے ایک جانب اس کتبہ کو پڑھا۔

I am Nowrosji Nashirwanji wadia of the ancient Aryan race of Persia A citizen of the loyal town of Bombay who

lie here peacefully under the far off sky
of wide famed Britain.

(اس کا ترجمہ آپ ہی فرمادیں!) نہ معلوم وہ بمبئی جس میں نریمان اور بھروچہ جیسے
پارسی آج بھی ہیں جس میں دادابھائی نوروجی اور فیروزشاہ مہتا اور جمشید جی نوشیروان
جی ٹاٹا اور رتن ٹاٹا جیسے پارسی گزر چکے ہیں وہ واڈیا صاحب کے اظہارِ وفاداری
اور اس پر اس قدر اصرار کے متعلق کیا کہے گا۔ کیا بمبئی میں صرف جنسِ وفاداری
ہی ملتی ہے، حق پرستی، حبِ وطن، اور حریت کی جنسوں کا وہاں کال ہے؟ برطانیہ
کی شہرت یقیناً دور دور تک پھیلی ہوئی ہے، خواہ وہ کیسی ہی کیوں نہ ہو۔ لیکن
یہ سمجھ میں نہیں آیا کہ اس کے آسمان کو کیوں "دور" کہا گیا۔ ہر جگہ کا آسمان وہاں
کی زمین سے یکساں فاصلے پر ہوگا، یہ برطانیہ کا آسمان اس قدر دور کیوں ظاہر
کیا گیا؟ اس کتبہ کو جس نے پڑھا، وہ بے اختیار ہنس پڑا۔ مگر آنجہانی واڈیا صاحب
کا اس میں قصور نہیں ہے "مردہ بدست زندہ"۔ بظاہر ان کے کسی "وفادار"
پسماندہ نے اُن توقعات کی بنا پر جو انھیں "دور دور مشہور برطانیہ" سے ہیں برطانیہ
کے آسمان اور "وفادار" بمبئی کی زمین کی اس طرح مٹی پلید کی ہوگی لیکن یہ عبارت
بظاہر کسی پارسی کی بھی تصنیف کردہ نہیں ہے اس لیے کہ باقی تین جانب جو کتبے ہیں
ان کی عبارتوں سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ لکھنے والے کو ژنداوستا سے کہیں زیادہ
بائبل پر عبور ہے "اہورمزد" کا نام تو صرف ایک جگہ آیا ہے لیکن Saviour
Father of his children اور Redeemer کے القاب کی تکرار کی
گئی ہے اور اسی طرح Lord God کی اور ذیل کی عبارت کو پڑھئے تو صاف
معلوم ہو جائے گا کہ کسی عیسائی کی تصنیف کردہ ہے:۔

Thou who openest the gate of the morning

to ascending son. O. thou sun of Righteousness arise with healing in thy wings and lift up the light of thy countenance on us that in thy light we may see the light of life ever lasting

ہم یہاں سے چلے تو لڑکوں کو بھوک لگی تھی۔ اس لیے وولکنگ میں داخل
ہوتے ہی کاٹیرج ہوٹل ملا۔ وہاں موٹر روکی اور ہوٹل میں داخل ہو کر خانساماں
یا "خانم ساماں" کی تلاش کی۔ ایک میم صاحبہ جو غالباً مالکہ تھیں نکل آئیں اور پہلے
تو چائے دینے کا وعدہ فرمایا لیکن جب میں آگے بڑھا اور میں نے پوچھا کہ شاید
کچھ اور بھی ہمت ہوگی

یہ لڑکے بھوکے ہیں، لنچ اب تک نہیں کھایا ہے تو انھوں نے گھبرا کر چائے دینے
سے بھی انکار فرما دیا۔ ہم سب کا قیاس ہے کہ انھیں "شیخ" سے خوف آیا اور
ان کو اندیشہ ہوا کہ کہیں "شیخ" اپنی عبا میں ہوٹل کے چھری کانٹے اور پیچے دبا کر
نہ لے جائے یا انھیں مالکہ ہی کا مالک نہ بن بیٹھے۔ میں نے دو تین ہی دن ہوئے
اپنے مکان سے قریب ہی سینما میں وہ فلم دیکھا جس کا The Sheikb's
Son عنوان ہے اور جس میں رڈولف ویلنٹینو .... آنجہانی
مراقش کے ایک نوجوان "شیخ زادہ" کا پارٹ ٭ کرتا تھا۔ ان فلموں کو دیکھ کر
کچھ تعجب نہیں اگر ان ممالک والے اس اندیشہ سے متردد ہوں کہ اگر "شیخ زادوں"
کی دراز دستیاں یہ ہیں تو نہ معلوم خود "شیوخ" کی دراز دستیاں کیسی
ہوں گی۔ جی میں تو آیا کہ ہوٹل کی مالکہ صاحبہ کو مجبور کیا جائے کہ قانون کی رو سے
وہ ہمارا مطالبہ مسترد نہ فرمائیں لیکن ان کی سراسیمگی پر رحم آیا اور قصبے میں آگے

جاکر ایک رسٹوران میں چائے پی گئی، سلاد کھایا گیا، اور انڈوں کے آملیٹ (جسے خانساماں "مالیٹ" کہتے ہیں) لڑکوں کو کھلائے گئے (جکم میں نے بھی لیا)۔

اب ذرا "سردار" اقبال علی شاہ صاحب کا حال سنئیے۔ آپ سے زیادہ کون جانتا ہے کہ ان "خورد دار" نے علی برادران کے خلاف کیا کیا زہر اگلا ہے۔ یہ افغانوں کے اُس مشہور خاندان کے ایک سپوت ہیں جو غالباً حکومت افغانستان کے خلاف کچھ کارروائی کرکے ہندوستان کو بھاگ آیا تھا۔ اور یہاں سردھنہ ضلع میرٹھ میں آکر پناہ گزیں ہوا تھا۔ اس خاندان کے بہت سے افراد سے مجھے نیاز حاصل ہے، اور بعض تو علیگڈھ میں ہمارے ساتھ پڑھے بھی ہیں۔ "سردار" اقبال علی شاہ صاحب بھی علیگڈھ کے پرانے طالب علم ہیں، اور جب میں ۱۹۱۳ء میں سید وزیر حسن صاحب کے ساتھ یہاں آیا تھا، اُس وقت آپ اڈنبرا میں تعلیم پاتے تھے۔ امتحان تو یہاں شاید ایک بھی پاس نہیں کیا مگر ایک میم صاحبہ سے شادی ضرور کرلی۔ سنا ہے کہ ایک عرصے تک تو ان کے والد نے جو تحصیلدار تھے کچھ روپیہ بھیجا۔ لیکن اس کے بعد یہ سلسلہ منقطع ہوگیا۔ ان کے علیگڈھ کے ایک رفیق کے پاس ان کا ایک طول طویل خط ہے جس میں انھوں نے اپنی اقتصادی مشکلات" کی داستان کو دُہرایا ہے اور پھر بتایا ہے کہ کس طرح غازی امان اللہ خاں کے اعلان جنگ کے بعد ان مشکلات کا حل اس طرح نکل آیا کہ انھوں نے یہاں کے اخبارات کو برطانیہ کی تائید میں مضامین بھیجے جو پہلے تو مسترد ہوتے رہے، لیکن بعد کو انڈیا آفس کے ایما سے (اور مجھے یقین ہے کہ "اصلاح" کے بعد) شایع ہونے لگے جب میں ۱۹۲۰ء میں پھر یہاں آیا تو یہ بھی مجھ سے ملنے آئے، مگر میں نے التفات نہیں کیا، البتہ حیات صاحب کی مروت نے انھیں مجبور کیا کہ ملاقات سے انکار نہ کردیں، اس لئے دو ایک

بار آپ ہمارے مکان پر تشریف لائے۔ ۱۹۲۵ء میں آپ مجھ سے دہلی میں ملے اور کامریڈ کے اسٹاف میں نوکری کی خواہش کی اور نمونۃً ایک مضمون بھی لکھ کر دیا۔ میں اگر ان پر اعتماد کر بھی سکتا تب بھی اس مضمون نے ان کی قابلیت کی اس طرح قلعی کھول دی کہ ان کو نوکری دینا میرے لیے ناممکن ہو گیا اور زیادہ سے زیادہ یہ کر سکا کہ ان کے سخت اصرار پر ان کے مضمون کی عبارت کو بار بار اصلاح دے کر اسے ہمدرد میں چھاپ دیا گیا۔ اس کے بعد انھوں نے The New Spectator نام کا ایک ہفتہ وار پرچہ خود نکالنا شروع کیا جس کو یہ میرے نام بھی بھیجتے رہتے پہلا پرچہ بھیجتے وقت جو خط میرے نام آپ نے ارسال فرمایا تھا اس میں میرے ساتھ اپنی عقیدت مندی کا بہت کچھ اظہار فرمایا گیا تھا۔ لیکن اس پرچے کے پہلے ہی صفحے پر آپ کا ایک ہی نوٹ شوکت صاحب کی مذمت میں تھا۔ جلد ہی معلوم ہو گیا کہ اس پرچے کی اشاعت کی غرض کیا تھی۔ نواب صاحب بھوپال کے خلاف یہ پرچہ نکالا جاتا تھا اور ان کے بھتیجے کو ریاست کا حق دار بتایا جاتا تھا۔ چند روز بعد آپ نے مجھ سے درخواست کی کہ آپ کا یہ پرچہ میں اپنے پریس میں شائع کیا کروں جس سے میں نے فوراً ہی انکار کر دیا۔ اس کے بعد پرچہ شائع ہونا بند ہو گیا۔ اگر کسی شخص کو یہ حسن ظن ہو کہ جو مضامین آپ کے نام نامی سے یہاں کے اخبارات اور رسالوں میں شائع ہوتے رہتے ہیں وہ آپ ہی کے لکھے ہوئے ہوتے ہیں تو وہ ذرا "کامریڈ" اور "ہمدرد" کے The New Spectator کی فائلیں نکال کر اپنی ضعیف الاعتقادی کی اصلاح کر سکتا ہے۔ خیالات پریشان اور بے عبارت بے ربط اور ناقص، یہ آپ کی حقیقی قابلیت کے ثبوت میں موجود ہیں۔ اگر اس کے بعد بھی کسی کو مزید ثبوت درکار ہو تو وہ مئی یا جون [illegible] کی کی فائل اٹھا کر دیکھے جس میں ایک پرچہ میں پڑھنے والے کو پہلے ہی صفحے پر ایک

ایڈیٹوریل نوٹ ملے گا جس میں میرے ایک خط کا جو میں نے یہاں سے شوکت صاحب کے نام لکھا تھا مذاق اڑایا گیا ہے۔ اسی وجہ سے وہ پرچہ میری نظر سے گزرا تھا لیکن اس نوٹ کے بعد ایک اور نوٹ بھی ہے جس میں "سردار" اقبال علی شاہ وسط ایشیا کے Expert (ماہر) کے ایک مضمون کے متعلق جو یہاں ایک مصور پرچہ میں مع چند تصاویر کے شائع ہو چکا تھا، درج ہے کہ اس میں جو تصویر دی گئی ہے وہ یقیناً "سردار" صاحب نے اپنے سفر کے ایام میں ہرگز نہیں کھینچی تھی۔ نہ اس مقام کی تصویر ہے جس کا سردار صاحب نے ذکر فرمایا ہے، بلکہ اس سے بہت دور ایک اور مقام کی تصویر ہے، اور ایک انگریز فوجی افسر کی کھینچی ہوئی ہے جو اس کی ایک تصنیف کردہ کتاب میں شائع ہو چکی ہے، اور اس کے فلاں صفحہ پر موجود ہے اور ہمارے وسط ایشیا کے محقق ایک سارق سے زیادہ حیثیت نہیں رکھتے۔ آپ کے اخبار کے بند ہونے کے بعد آپ کی میم صاحبہ ہندوستان سے ولایت کو چل دیں اور اس "جنوری" کے "دسمبر" کی طرح ؎

سالہا سال ہوئے میں ترے پیچھے پھرتے
جنوری تو ہے تو اے ماہ دسمبر میں ہوں

آپ نے تعاقب کرنے کی ٹھانی۔ سنا گیا ہے کہ والد ماجد سے روپیہ کا پھر مطالبہ کیا گیا اور جب ان غریب نے کہا کہ میرے پاس روپیہ کہاں، تو ان کو دھمکی دی گئی کہ اگر روپیہ نہیں دیا گیا تو ایک دیوانی کے مقدمے میں فریق ثانی کی طرف سے ان کے خلاف گواہی دے دی جائے گی۔ اس پر ان کے دوستوں نے کہا کہ بھائی کہیں سے قرض دام لے کر دے دو، ورنہ مقدمہ بگڑ جائے گا، چنانچہ کچھ روپیہ اس طرح ملا۔ اس کے بعد بمبئی تشریف لائے تو حبیب الرحمٰن خاں صاحب (نواب صدر یار جنگ بہادر) جو یقیناً ان کے والد ماجد کو ان کی علی گڑھ کی تحصیل داری کے زمانہ سے

جانتے تھے عازم حج نظر آئے۔ پھر کیا تھا؟ آپ نے فرمایا کہ حضرت عجیب بات ہے
میں بھی احرام سفر باندھ کر آیا ہوں۔ مگر جدہ کا ٹکٹ نہیں ملتا۔ انھوں نے فرمایا
کہ بھائی ایک ٹکٹ تو میرے پاس ہے۔ چنانچہ اس ٹکٹ کو لے کر آپ نے مکہ معظمہ
کا قصد فرمایا۔ اور انھیں کے طفیلیوں میں آپ جلالۃ الملک عبدالعزیز آل سعود
ملک الحجاز والنجد وملحقاتہا کے "مہمان" بنے۔ اور اُن سے مکہ معظمہ میں ملاقات کی
اور ایک دن، جو غالبًا پہلا ہی دن تھا، اُن کے ہمرکاب آپ موتمر عالم اسلامی میں
بطور وزیر کے شریک ہوئے۔ یہ باتیں میں نے مکہ معظمہ ہی میں سنی تھیں، مگر چونکہ
میں نے خود تحقیقات نہیں کی ہے، اس لیے نہیں کہہ سکتا کہ کہاں تک صحیح ہیں۔
مکہ معظمہ پہنچ کر آپ ہم سے بھی ملنے آئے وہاں پہلے ہی سے متعدد "جاسوس" "دور دور
مشہور برطانیہ" موجود تھے آپ کو دیکھتے ہی ہم سب بول اٹھے کہ آ با آپ بھی تشریف
لے آئے، آپ ہی کی کسر تھی ہم سے کم مکہ معظمہ میں تو نہ "انگریزی ٹوپی" برسر تھے اور
نہ لباس انگریزی در برتھا، البا ٹوپی تو ترکی تھی اور ریشم کا لانیا کوٹ تھا اور ٹانگوں پر
شروال۔ لیکن اس بدبخت کی کم نصیبی کو کیا کہا جائے کا جو اس طرح مفت سفر کرکے
بھی حج سے دو دن پہلے جدہ کو چل دئے اور وہاں سے عازم یورپ
ہو جائے۔

جو "ناظر" میں آپ کے مضامین ماجد میاں نے مجھے ارسال فرمائے تھے
ان میں ایک مضمون میں ایک عبارت ہے جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ موتمر عالم اسلامی
کے جلسے اس ترکی قلعے میں منعقد ہوئے تھے جو پہاڑ پر واقع ہے، حالانکہ
سارے جلسے جیاد کے میدان والی کلنڈ یا ترکی فوجی بارک میں ہوئے تھے جو
اس پہاڑ اور قلعے کے نیچے واقع ہے اس عبارت سے صاف ثابت ہوتا ہے
کہ مضمون کا لکھنے والا کوئی ایسا شخص ہے جس نے اس قلعے کی تصویر ہی دیکھی

ہے اور غلطی سے ترکی کنٹلہ کو ترکی قلعہ سمجھ گیا ہے، اور خود مؤتمر میں ہرگز موجود نہ تھا حالانکہ "سردار" صاحب یقیناً ایک دن ضرور وزیٹر کی حیثیت سے شریک ہوئے تھے یعنی نام تو آپ کا تھا، مگر کام کسی انگریز کا تھا، آپ کا کام صرف اس قدر تھا کہ شوکت علی محمد علی کے خلاف چند جھوٹی باتیں دل سے گھڑ کر دشمنان اسلام اور دشمنانِ ہندوستان کے ہاتھ آپ نے فروخت فرما دی تھیں۔ اس مؤتمر کے بعد آپ کے نام سے نہ شائع کردئے گئے ہوں گے تو بیس پچیس مضامین شائع کر دئے گئے ہوں گے اور اس کے بعد آپ کا ایک لکچر ساؤتھ فیلڈ کی اس قادیانی مسجد میں زیر صدارت سر مائیکل اوڈوائر سابق لفٹنٹ گورنر پنجاب دلوایا گیا جس کے افتتاح کا وعدہ کر کے شہزادہ فیصل ابن عبدالعزیز آل سعود نے بالآخر انکار کر دیا تھا، اور جس کے لئے قادیان سے میرے پاس ایک تار آیا تھا کہ میں سلطان ابن سعود کو پھر آمادہ کروں کہ اپنے صاحبزادہ کو اس مسجد کے افتتاح کی اجازت دے دیں۔ مضامین اور لکچر دونوں علی برادران کی مذمت سے بھرے ہوئے تھے۔ لیکن میری حیرت کی انتہا نہ رہی جب مجھے اس مکان کی مالکہ صاحبہ نے سب سے اوپر کی منزل سے سب سے نیچے کی منزل میں یہ کہلوا کر طلب فرمایا کہ ایک صاحب آپ سے ٹیلیفون پر بات کرنا چاہتے ہیں اور ان صاحب نے فرمایا کہ میرا نام اقبال علی شاہ ہے۔ ٹیلیفون پر جو مکالمہ ہوا اب آگے سنئے:۔

"سردار" اقبال علی شاہ۔ مولانا السلام علیکم۔ معاف فرمائے گا۔ میں نے آپ کو تکلیف دی۔

محمد علی:۔ وعلیکم السلام۔

س۔ا۔ع۔ش۔ مجھے اس کا علم نہ تھا کہ آپ کو اوپر سے نیچے آنا پڑے گا۔ میں سمجھتا تھا کہ ٹیلیفون آپ ہی کے کمرے میں ہے۔

م ۔ ع ۔ ارشاد فرمائیے ۔

س ۔ ا ۔ ع ۔ ش ۔ فرمائیے آپ کا مزاج تو اچھا ہے

م ۔ ع ۔ جی نہیں ۔

س ۔ ا ۔ ع ۔ ش ۔ امید ہے کہ آپ نے میرا قصور معاف فرما دیا ہوگا۔

م ۔ ع ۔ جی نہیں ۔

س ۔ ا ۔ ع ۔ ش ۔ آپ کا قلب تو نہایت وسیع ہے۔

م ۔ ع ۔ مگر میرا دماغ بالکل تنگ نہیں ہے ۔

س ۔ ا ۔ ع ۔ ش ۔ کیا میں آپ کی خدمت میں حاضر ہو سکتا ہوں۔

م ۔ ع ۔ جی نہیں ۔

س ۔ ا ۔ ع ۔ ش ۔ میں تو پہلے ہی عرض کر چکا ہوں کہ امید ہے کہ آپ نے میرا قصور معاف کر دیا ہوگا ۔

م ۔ ع ۔ اور میں بھی پہلے ہی عرض کر چکا ہوں کہ جی نہیں۔

اس کے بعد میں نے ان ذات شریف کو ان کے تمام مضامین یاد دلائے اور ان کا لکچر یاد دلایا اور کہا کہ میں تنگ دل نہیں ہوں۔ لیکن اس قدر ضعیف دل بھی نہیں ہوں کہ ایسے باجیوں سے دھوکا کھاؤں۔ مجھے تعجب ہے کہ جامعہ کے ایسے گرگوں کو جو اس کی طرف سے ایسے گندے کام اور جاسوسی کرتے پھرتے ہیں۔ کیسے اتنی ہمت ہوئی کہ مجھ سے ٹیلیفون پر گفتگو کریں اور مجھ سے ملاقات کرنا چاہیں۔ میں نے کہا کہ اب اس سلسلہ کو ختم ہونا چاہئے۔ اور میں نے ٹیلیفون کو فوراً منقطع کر دیا۔

اب اس خط کو بھی اسی خاتمہ بالخیر پر ختم کرنا چاہتا ہوں ورنہ بے چاری بیگم صاحبہ کے نام دو سطریں نہ لکھ سکوں گا جبار راجہ پنیا ذکا لکھو اور زینتی دے

کی میرے ساتھ گستاخی اور اس کا ثمرہ اور اس ثمرے کا جو ثمرہ بنگالی طالب علم کو اور
مجھے چکھنا پڑا وہ داستان اس ہفتے بھی ملتوی رہی۔ انشاء اللہ کل پرسوں اُسے
لکھ رکھوں گا تاکہ اگلے ہفتے ضرور ضرور آپ تک جا سکے۔

"ہمدرد" کی اشاعت کے متعلق کوئی صاحب کچھ نہیں تحریر فرماتے۔
پرچہ ماشاء اللہ خوب مل رہا ہے، خرچ ظفر الملک صاحب کی ہمت سے
گھٹ گیا ہے اور اس پر بھی دس صفحے نکل رہے ہیں اور بارہ کا ارادہ ہے۔
خدا اجر خیر عطا فرمائے۔ مگر یہ تو بتائیے کہ قدردانی میں کس قدر اضافہ ہوا۔ اب
آپ صاحبوں اور "ہمدرد" اور اسلام اور ہندوستان کے لیے دعا پر اس
عریضے کو ختم کرتا ہوں۔

آپ کا بھائی
محمد علی

گزشتہ جمعرات کو (یعنی ۲ر اگست کو) میں دارالعوام گیا تھا۔ جمعہ کو دارالعوام
کا آخری اجلاس تھا، اور سکلات والا کے پیہم اعتراضوں اور سوالوں پر لیبر پارٹی
نے محض نام کے واسطے بجٹ کے سلسلہ میں ہندوستان کا مسئلہ بھی چھیڑا۔ صرف
دو گھنٹے ایک شب کو ہندوستان کے ۳۲ کروڑ انسانوں کے لیے بھی وقف کیے
گئے، مگر وہ بھی آخری اجلاس میں، اور کنسرویٹو فرقہ والوں نے عمداً کنیڈا کو
انگریزی مزدور بھیجنے کے سلسلے میں فضول تقریریں کرکے، اور وزیر محکمہ کے جواب
کے بعد بھی تقریر کے سلسلہ کو جاری رکھ کر، اور خلاف انتظام طے شدہ بیان
کے سابق سپاہیوں کی سول سروس میں نوکری کے مسئلہ کو بھی اٹھا کر اتنی دیر
لگا دی کہ ہندوستان کا ذکر خیر بجائے ۹ بجے شب کے ساڑھے دس بجے
شروع ہوا اور ¾ ۱۲ پر ختم ہو گیا۔ رات کے بارہ بجے تک کی کارروائی اخبار

ڈیلی ٹیلیگراف کی فائل کے ساتھ بھیج دی ہے اور باقی کارروائی یوسف حسین خاں (برادر ذاکر صاحب جو آج کل میرے ہمراہ اسی مکان میں مقیم ہیں) خرید کر کے غالباً آج ہی آپ کو روانہ کر دیں گے۔ سکلات والے کی تقریر بے مثل تھی اور ارل ونٹرٹن نے اسی میں مصلحت سمجھی کہ اس کا مطلق جواب نہ دیں۔ کل مباحثہ کا حال انشاء اللہ اگلے ہفتے ارسال کروں گا۔

محمد علی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

۱۲ر جون ۱۹۶۹ء — ۲۵۔ راج پور روڈ۔ دہلی

پیارے ماجد میاں ۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

زہے سعادتِ آں بندہ کہ کرد نزول
گہے بہ بیتِ خدا و گہے بہ بیتِ رسول

الحمدللہ کہ آپ بھی اس سعادت کو حاصل فرما کر اعزا واحباب میں شامل ہوگئے کاش میں بھی آپ کے ساتھ گیا ہوتا ۔ مگر دیکھیے اب یہ سعادت کب نصیب ہوتی ہے سنہ ۱۳۴۲ھ سے اس وقت تک ہزاروں لاکھوں گناہوں کا بوجھ اور اپنے سر لے چکا ہوں ، اور اب تو بے حد شقی القلب ہوگیا ہوں ۔ کاش پھر میدان عرفات میں سہ پہر کو بیٹھ کر دل کو بخشش کی امیدوں سے پھر بھرتا ، اور کاش پھر دیارِ حبیب پہنچ کر مولد سے مدفن مبارک کی طرف روانہ ہوتا ۔ اور روضۂ پاک پر ندامت کے آنسو گراتا اور پھر گھنٹوں وہاں بیٹھ کر آپ کی مدینۂ منورہ کی ساری زندگی کا تصور کرتا اور قلب مضطر کو مسرور کرتا ، اور بعض وقت باوجود اس ادب کے جس نے مزار مبارک کے پردے کو بھی اپنے گندے ہاتھ نہ لگانے دئے پھر ایک بار عرض کرتا کہ ؎

رکھے گا آج بھی دیدار سے محروم ہمیں — تھی جو اک حسرت پابوس بدستور ہے آج
رقص بسمل کی ذرا دیر اجازت دیجے — حسن مسئول نہیں عشق بھی مجبور ہے آج
عشق خود بدعت و سرایہ صد بدعت ہے — رحم کر رحم کہ عاشق ترا معذور ہے آج

اپنے والدین، بھائیوں اور بہن اور آمنہ (مولانا کی محبوب لڑکی جس کا ۱۹۲۲ء میں انتقال ہو چکا ہے) کے لیے اور دوسرے اعزا و احباب نیز اپنے پیر و مرشد کے لیے دعائے مغفرت کرتا۔ حمیدہ کی صحت کا سوال کرتا (مولانا کی دوسری جوان شادی شدہ لڑکی جو سخت علیل ہو کر صاحب فراش ہے) نیز اپنی صحت کے لیے بھی عرض کرتا اور ان سب سے پہلے اور سب کے بعد بھی مسلمانان عام اور بالخصوص مسلمانان ہندوستان کے اس مہلک انتشار اور ان کی اس بے فکری کو دور کرنے کے لیے گڑگڑاتا۔ مگر یہ نصیب کہاں۔ نہ معلوم اب کب جانا ہوتا ہے۔ شریف حسین ہی کے قبضہ کو میں قبضہ دشمن سمجھتا تھا اور جب جب سمجھ آتا تھا یہ کہہ دل کو سنبھالا کرتا تھا۔ کہ ؎

کیا جائے کوئے یار میں یوں اذن غیر
ہے انتظار دیکھیے کب تک بلائے دوست

دیار حبیب کے متعلق ہزاروں سوال کرتا ہیں، مگر اس کے لیے تجربہ بے فائدہ ہے جب وعدہ تشریف لائیے اور سب کچھ سنائیے۔ افسوس کہ نہ آپ کے جاتے وقت بمبئی پہنچ سکا نہ آپ کی واپسی پر آپ کا خیر مقدم کر سکا۔ جو حالات یہاں ان کو بالتفصیل شوکت صاحب کو لکھ چکا ہوں اس لئے کہ بظاہر وہ اب تک ان سے بے خبر تھے۔ دو دن صرف کر کے ۱۴ صفحے کا خط لکھا نہ معلوم وہ آپ کو دکھایا گیا یا نہیں یا عرفان صاحب سے آپ کو یہاں کے حالات کا پتہ چلا، میں تو سمجھتا ہوں کہ وہ ۱۴ صفحے کا خط بھی بے کار گیا اس لئے کہ شفیع داؤدی صاحب کا عجیب و غریب

خط آیا ہے کہ آپ کی پریشانی سے سخت تشویش ہے کوئی تدبیر سوچنا چاہیئے، یہاں آیئے تو سوچیں، وہاں گرمی بھی سخت ہے، یہاں بارش ہوگئی ہے۔ اگر حمیدہ اور بیگم صاحبہ نہ آسکیں تو آپ ہی چلے آیئے۔ شوکت صاحب سخت پریشان ہیں میں نے انھیں کہتے سنا ہے کہ I am collapsing now جو اس سے پہلے کبھی ان کی زبان سے کسی نے نہیں سنا تھا۔ وہ کہتے ہیں کہ فسادات بمبئی کی کمیٹی شہادتیں لے رہی ہے، میں سب سے کہتا تھا کہ ایک محمد علی ان سب کے لیے کافی ہے دغیرہ وغیرہ" جس کے معنی یہی ہیں کہ بمبئی آکر فسادات بمبئی کی کمیٹی کے سامنے شہادت دو۔ اور شہادتیں دلواؤ۔ لیکن کوئی یہ نہیں سمجھتا کہ میں بھی کبھی معذور ہو سکتا ہوں اور آج اپنی علالت نہ سہی، حمیدہ کی علالت کے باعث معذور ہوں۔ آمنہ مرحومہ کی علالت کی تشخیص ہو چکی تھی، علاج تجویز ہو چکا تھا، تیمارداری کے لئے اپنی بیوی کو چھوڑ کر کہاں نہیں گیا؟ جب تک اُس کی آخری گھڑیاں گنی جارہی تھیں، اس وقت بھی مصطفےٰ کمال کو بھیجنے کے لئے ایک طول طویل تار کا مسودہ کر رہا تھا اور الغائے خلافت کو لڑکی کی موت سے نہیں زیادہ اہم شے سمجھتا تھا، مگر یہاں تو حالت یہ ہے کہ اب تک مرض ہی کی تشخیص نہ کر سکا تھا۔ اس لیے کوئی علاج مفید ثابت نہیں ہو رہا تھا، اب بخار روز ۱۰۲ - ۱۰۳ - ۱۰۴ - ۱۰۵ اور اس سے بھی زیادہ ہوتا ہے۔ ہر وقت متلی ہوتی ہے۔ نہ غذا اٹکتی ہے نہ دوا۔ نقاہت کا یہ حال ہے کہ دوا پینے کے لئے اٹھنا بھی محال ہے۔ آج اس ڈاکٹر سے رجوع کرتا ہوں، کل دوسرے سے۔ پرسوں تیسرے سے۔ ڈاکٹر، لیڈی ڈاکٹر، حکیم، وید، کوئی نہیں چھوٹا۔ ملیریا، دق۔

Bacillus Coli نسوانی امراض ہر ایک کے متعلق

امتحان ہوچکا اور ایک چیز ثابت نہ ہوئی۔ ڈاکٹر انصاری اور مولوی عبدالقادر قصوری (کارفرما پنجابی ٹولی و سرگروہ وہابیان) کے بھتیجے ڈاکٹر محمد جنید قریشی نے سب ٹیسٹ کر دیکھے اور مجبور ہوکر کہا کہ اب سول سرجن سے آنتوں کا امتحان کرایئے مل کر۔ چنانچہ ان کو دکھایا گیا اور صرف یہ چیز باقی رہ گئی تھی سو انھوں نے احتیاطاً اس کی بھی فرمائش کی یعنی Xray سے آنتوں کا امتحان لیڈی ہارڈنگ زنانہ ہسپتال میں بھی اس کا سامان موجود تھا، مگر سنا گیا کہ وہ لیڈی ڈاکٹر جو تصاویر لیتی ہیں گرمیوں میں رخصت پر چلی گئی ہیں۔ اس لیے مجبوراً سول ہسپتال میں حمیدہ کو لے جا کر تصاویر کھنچوائیں۔ یہ ہسپتال نہایت ہی گندہ اور تکلیف دہ مقام ہے۔ کوئی کمرہ Xray کے کمرے کے پاس ایسا نہ تھا جہاں مریضہ بارہ تیرہ گھنٹے رکھی جاسکے۔ خوشامد اور کسی قدر سختی، دونوں کے استعمال سے ایک کمرہ Nurse's Quarters میں سول سرجن سے کہہ کر لیا، اور ۸ بجے صبح کرایہ کی ایمبولنس کار Ambelance Car میں ڈال کر حمیدہ کو سول ہسپتال لے گیا۔ خود نماز فجر کے بعد سے ہی گیا ہوا تھا۔ تب جا کر اس کمرے کو صاف کرایا، چھلوایا، خس کی ٹٹی وغیرہ کا انتظام کرایا (پہلے Lumbar Room کا کام دیتا تھا)، پنکھا لگوایا۔ دودھ ڈبل روٹی میں Bismuth ملا کر ہزار دقتوں سے حمیدہ کو کھلوایا گیا۔ اور ہر وقت متلی کا خوف تھا۔ ایک معجزہ معلوم ہوتا تھا کہ اسی وقت سب کچھ نہ ڈال دیا گیا۔ اس لیے کہ جو غذا مرغوب ترین ہوتی تھی وہ تک اسی طرح ڈال دی جاتی تھی۔ مگر خدا کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ اسی دن اسی وقت نہ ڈالا۔ ایک تصویر اسی وقت لی گئی۔ دوسری ایک بجے دوپہر کو، تیسری پانچ بجے اور چوتھی رات کے آٹھ بجے۔ اس کے بعد حمیدہ کو لے کر ہم لوگ اس کوٹھی پر، جو ماجد (ماجد علی رامپوری، حمیدہ بیگم کے شوہر) نے ۱ مئی سے ڈاکٹر شرف کے ولایت جانے پر ان سے پانچ ماہ کے لیے کرایہ پر لی ہے، چلے آئے۔ دوسرے

دن صبح کو آٹھ بجے پھر اسپتال گئے اور پانچویں تصویر کھنچوائی۔ ان تصاویر سے پتہ چلتا
ہے کہ غذا کتنی دیر میں آنتوں میں گھومتی ہے۔ پانچ بجے کے بعد دودھ کی برف دی
گئی تھی، وہ آدھ گھنٹے بعد ڈال دی گئی۔ اور متلی پھر ہر روز کی طرح ہوتی رہی۔ ڈاکٹر
نعیم انصاری نے جو ابھی دہرہ دون میں Xray کا کام سیکھ رہے تھے
کہا کہ یہ تصاویر اچھی نہیں بنیں، اور تقریباً سو روپیہ بے کار ضائع ہوا۔ سول سرجن
ان کو نقص تو نہیں بتاتے مگر ان سے کسی نتیجے پر نہیں پہنچے، البتہ گمان کرتے تھے
کہ آنتوں میں دق ہے۔ نعیم انصاری کی صلاح تھی کہ دہرہ دون میں پھر تصاویر لی جائیں
مگر جس دن یہ تصاویر لی گئیں اسی دن سول سرجن نے احتیاطاً Bacillus
CoLi کے امتحان کے لیے پھر قارورہ بھجوایا تھا اور گورنمنٹ کے
Analyst کی رائے ہے کہ Bacillus CoLi کی
Cultural Growth ہوئی، حالانکہ اواخر مارچ میں ڈاکٹر سین
نے قارورہ کا امتحان کیا تھا تو باوجود ڈاکٹر انصاری کے گمان کے رپورٹ کی تھی
کہ Cultural Growth نہیں ہوئی اور یہ بیسی لس موجود نہیں
ہے۔ اس رپورٹ کے بعد علاج میں بالکل کایا پلٹ ہو گئی ہے اور اب پھر
Bacillus CoLi کا علاج جاری کیا گیا ہے، حالانکہ ڈاکٹر انصاری
اور قریشی اسی علاج کو کر کے چھوڑ چکے تھے۔ اب اسی قارورہ سے Vaccine
تیار ہو رہا ہے اور چار پانچ روز کے بعد مل جائے گا تو ٹیکے لگوانے شروع
کیے جائیں گے۔ ڈاکٹر انصاری نے پہلے پہاڑ جانے سے روک دیا تھا ورنہ
اپریل ہی میں منصوری بھیج دیا جاتا۔ مگر اب تاکید ہے اور سول سرجن روز زور
دے رہا ہے۔ ماجد بے چارہ صفدر علی صاحب قدوائی کے . . . کے باعث
سخت پریشان ہے۔ حکم کے سامنے مقدمہ ہو رہا ہے، اور کوئی امید تصفیہ

کی نہیں اور انھوں نے سب ریاستوں کو لکھ کر بلوں کی ادائگی رکوا دی ہے خود تو وقتاً فوقتاً اپنے لئے، اپنے بیوی بچوں کے لئے۔ اور نیز اپنی ایک . . . . . تک کے لئے رقمیں لیتے رہے، مگر اب Materials Suppliers کی Bills ماجد کی Firm کے نام آرہی ہیں، اور چار پانچ روز سے سخت تقاضے ہو رہے ہیں، اور روپیہ ہر جگہ بند پڑا ہے۔ وہ مارا مارا پھر تا ہے، اور میں بھی کوچہ چیلان میں اپنا بندھا بندھایا سامان چھوڑے ہوئے یہاں تیمارداری کرتا ہوں اور رات کو پہرہ دیتا ہوں۔ اب پہاڑ بھی مجھی کو جانا پڑے گا۔ یہاں میں مکان تبدیل کرنا چاہتا تھا، مگر پریس کو اکھڑوانا ناممکن ہے۔ اس کی فروخت کی اجازت Debenture holders سے لینا ہے، اور پھر فروخت کرانا ہے۔ مگر مالک مکان صرف پریس کا حصہ کرایہ پر پہلے کی طرح نہیں دیتے اور و ہابیت میں مست مجھے گھر سے نکال رہے ہیں مگر میرا نکلنا آسان نہیں۔ پریس کو کہاں لے جاؤں؟ کل وکیل کی معرفت اُن کا نوٹس آیا ہے کہ ۲۴ گھنٹے میں خالی کر دو۔ یہ تو تھا ہی، اب منصوری میں مکان کی تلاش ہے اور اگر وہاں گیا تو پریس کو فروخت کون کرے گا؟ ان تمام حالات کو پیش نظر رکھیے اور شفیع داؤدی صاحب کے اس تدبر کو سوچیے کہ اس لڑکی کو یوں ہی چھوڑ کر بمبئی چلے آؤ اور شادات ممبئی کی شہادتیں دلواؤ!

میری صحت اب ایسی ہے کہ مجھ کو بھی اب زندوں میں نہ سمجھیے۔ اس پر بھی آریہ سماج راجپال کے قتل کے بدلے میں مجھے قتل کرنا چاہتے ہیں، اور ابھی لاہور سے اس Red Letter کے لونڈھار نے ایک Carbon Paper Copy ارسال فرمائی ہے کہ چونکہ تم نے علم دین کی مدد کی ہے اس لئے ہم تمہیں قتل کر ڈالیں گے!!! دونوں بانوں سے بیکار ہیں، اور روز حالت بد سے

بدتر ہو رہی ہے۔ بائیں آنکھ پر پانی آرہا ہے اور Cataract بن رہا ہے
ہاتھوں میں لکھتے وقت اور یوں بھی احساس کی کمی ذرا ذرا سی معلوم ہوتی ہے۔
سب سے آخر میں رزق کا سوال ہے۔ نہیں جانتا کہ جو روپیہ آج ہے اس
کے ختم ہونے پر کہاں سے آئے گا۔ چاہتا تھا کہ ایک سال کے لئے قوت لایموت
کا سامان ہو جائے تو ایک کتاب انگریزی میں اور ایک اردو میں اسلام پر لکھوں
پچھلے سفر کے حالات اس سے پہلے لکھ ڈالوں اور کچھ روپیہ سال بھر کے لئے کما لوں
مگر . . . .

برما سے واپسی پر مولانا . . . . صاحب ایک . . . . پر . لٹو
ہو گئے۔ رنگون ہی میں جھیل کے کنارے بیٹھ کر حسن پرستی، اور غزل گوئی کیا کرتے
تھے۔ اب تو جہاز پر بھی تغزل کا زور شور تھا۔ انھیں کی طرح میں دو شعر زبردستی
نکل آئے۔ میں تو سوائے جیل خانے کے کہیں اور شعر نہیں کہا کرتا، مگر واپسی
میں ریل میں یہ دو شعر نکلے انھیں سے میری حالت کا اندازہ کر لیجئے۔ وہ یہ ہیں۔

ہوا محسوس جب سے، ہے خوشی تیری خوشی اپنی
نہ اپنی موت، موت اپنی، نہ اپنی زندگی اپنی
کبھی چھوڑا نہ دامن کو ترے، پھر تو ہی بتلا دے
اسے بے چارگی تیری کہوں یا بے کسی اپنی؟

آپ کا تار آتے ہی گمان ہوا کہ آپ اسی دن یا دوسرے تیسرے دن
بچیوں کو لینے حیدر آباد جا رہے ہوں گے۔ اس لیے تار کا جواب نہ دیا۔ اب
بیمہ کے ساتھ . . . اور خط ملا۔ حیران ہوں کہ رسید کہاں بھیجوں اور اس
عطیہ کی شکایت اور پھر شکریہ کس پتہ پر ارسال کروں۔ جب ہمدرد کے آخری
پرچہ کی طلبی کا کارڈ لکھنؤ سے آیا اور معلوم ہوا کہ آپ درآباد جا رہے ہیں

آج . . . . وقت نکال کر بڑی مشکل سے یہ خط لکھا ہے اور دریا باد بھیج رہا ہوں۔ کارڈ جعفری کو بھجوا دیا اور تاکید کردی کہ اس کی تعمیل کردو۔ مگر نہیں کہہ سکتا کہ کیا ہوگا دفتر کا سارا سامان پریس کے حصہ میں بند پڑا ہے۔ کل نماز جمعہ کے لئے شہر جاؤں گا تو کوشش کرکے اپنے فائل میں دیکھوں گا کہ شاید اسی میں اور یہ وہ پرچہ مل جائے مگر سہ

جلا ہے جسم جہاں، دل بھی جل گیا ہوگا
کریدتے ہو جو اب راکھ جستجو کیا ہے؟

آپ نے روپیہ کیوں بھیجا؟ خدا گواہ ہے کہ صرف اس خیال سے کہ آپ برا مانیں گے سے واپس نہیں کیا۔ حمیدہ بی کو اسی وقت دے دیا۔ مگر وہ اور ان کے شوہر بھی واپس کر رہے تھے۔ بڑی مشکل سے روکا ہے۔ اگر آپ مجھ سے دوستی قائم رکھنا چاہتے ہیں تو خدارا یہ ہرگز نہ کیجئے۔ ہاں جب ضرورت ہوگی اور میرے مصارف آپ سے کم ہوں گے تو ضرور منگوا لیا کروں گا۔ شکایت کے بعد شکریہ بھی قبول ہو۔ محترمہ بیگم صاحبہ کی خدمت میں آداب۔ بچیوں کو پیار۔ خدارا جلد آؤ۔ اگر منصوری گیا تو وہاں بلاؤں گا جس میں اور زحمت ہوگی۔ اگر یہیں آجاؤ تو کیا اچھا ہو۔ دیکھنے کو آنکھیں ترس رہی ہیں اور سننے کو کان۔

لیجئے ابھی خط ختم کیا تو صفحات بے ترتیب ہوگئے اور بادقت گھنٹہ میں ترتیب دے سکا۔ اور ابھی اطلاع ملی کہ حمیدہ کا بخار بہت ہی بڑھ گیا اور جاڑا آگیا۔ دعا کیجئے کہ خدا رحم کرے۔

آپ کا دلدادہ
محمد علی

(۱۹)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

۱۵ر جولائی ۲۹ء ‎ ‎ ‎ ‎ البرٹ لاج منصوری

برادر محترم مکرم حاجی الحرمین الشریفین ۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

آپ کے بھیجے پیہم آرہے ہیں، کارڈ آرہے ہیں اور یہاں سے ایک حرف بھی جواب میں نہیں جاتا۔ پہلے آخری بات سنئے پھر ابتدائی مراحل طے کروں گا۔ ڈاکٹر انصاری و سول سرجن اور ڈاکٹر بجرا اور ایک لیڈی ڈاکٹر مسز ڈالٹن نے خوب دیکھ لیا اور آخری جواب دے دیا۔ صرف مجیب الدعوات کے جواب کا انتظار ہے۔ اس لئے نہ بمبئی جاسکا نہ اس وقت تک دہلی جاسکوں گا جب تک مجھے اپنے "حکیم" سے جواب نہ مل جائے۔ دن اور رات ہم لوگوں کو مریضہ کی چارپائی کے پاس ہی گزر رہے ہیں جس کو جس وقت کچھ سونے کو مل جاتا ہے سو لیتا ہے ایک انگریزی نرس دن بھر رہتی ہے، مگر "با اثر" نہیں، مجھی کو اصرار کر کے دوا (حقیقتاً دوا نہیں، بلکہ غذا، اس لئے کہ اب یہی دوا رہ گئی ہے) پلانا پڑتی ہے۔ ایسی حالت میں نہیں کہہ سکتا کہ مجھے کس قدر تکلیف ہوتی ہے کہ ایک طرف سے شوکت صاحب بمبئی کسی ملکی یا ملی کام کے لئے بلاتے ہیں، دوسری طرف شفیع داؤدی صاحب سے تقاضا کرایا جاتا ہے تیسری طرف سیٹھ سلیمان مٹھا اسی پر اصرار کرتے ہیں اور مجھے میرے اسلامی فرائض یاد دلاتے

جاتے ہیں۔ اس وقت بظاہر میرا اسلامی فرض یہی ہے کہ مریضہ کی پٹی کے پاس ٹہلوں
برادرم کیا کہوں، بعض وقت نماز تک قضا ہو جاتی ہے۔ اس لئے براہ کرم آپ منصوری
ہی تشریف لے آئیے۔ میرے دہلی جانے کا کچھ بھی ٹھیک نہیں ہے۔ میں سہارنپور کو
لکھنے ہی والا تھا، کہ کارڈ ملا کہ دریابادی کو خط لکھو۔ چنانچہ دریاباد کو لکھ رہا ہوں۔

اب ابتدائی مراحل سنیے۔ ڈاکٹر انصاری اور قریشی کے علاج سے فائدہ
نہ ہوا، پہلے Bacillus coli کا، پھر آنتوں کی دق کا علاج کیا تھا، تو
انھیں نے کہا کہ اب سول سرجن سے رجوع کرو، اور اس کو آزادانہ رائے قائم
کرنے دو۔ اس نے بھی کوئی رائے قائم نہ کی بلکہ کہا کہ ہر چیز کا تو تم امتحان کرا چکے
ہو، آنتوں کی تصویریں بھی لے لو۔ اس لئے بڑی سخت محنت اور گفت و شنید، بلکہ تہدید
کے بعد نیم انگریز نرسوں کے کمروں میں ایک کمرہ گودام کے طور پر استعمال ہو رہا تھا
وہ ملا کر مریضہ کو سول ہسپتال میں لے جا کر وہاں Xray کے کمرے کے
پاس رکھا جائے ورنہ دھوپ اور لو میں پچاس گز اسٹریچر پر ایک نہایت ہی
تنگ و مردوں سے گھرے ہوئے Private Room سے اس
Xray کے کمرے میں لانا پڑتا۔ سخت محنت کے بعد اس کو صاف کرایا،
اس میں پنکھے اور خس کی ٹٹی کا انتظام کرایا گیا۔ سب سے زیادہ مشکل مریضہ کو دہ
دودھ، ڈبل روٹی کھلانا تھی جس میں Bismuth بہت سا ملایا گیا
تھا تاکہ تصاویر میں دیکھا جا سکے کہ چار چار گھنٹے بعد کھانا کس کس جگہ نظر آتا ہے
رو رو کر مریضہ نے کھانا کھایا، اور خدا کا بڑا شکر تھا کہ کھاتے ہی ڈال نہ دیا۔
اس لئے کہ روز یہی ہو رہا تھا۔ بہر حال تصاویر اس دن صبح کو آٹھ بجے سے رات
کے آٹھ بجے تک لی گئیں، پھر دوسرے دن صبح کو آٹھ بجے لی گئیں اور ان تمام
پریشانیوں اور دقتوں کے بعد نیم انصاری نے ان کو دیکھ کر کہا کہ بے کار رہیں سول

سرجن نے تو کوئی خرابی ان میں نہ بتائی مگر مرض کے متعلق مذبذب تھے B. Cobi
کے لئے قارورہ کا امتحان اواخر مارچ میں ہوچکا تھا، مگر کچھ نہ نکلا تھا۔ احتیاطاً سول
سرجن نے سرکاری Laboratory میں امتحان کرایا۔ اور میجر تلسی رام
صاحب آئی۔ ایم۔ ایس نے فرمایا کہ ہے اور اسی بنا پر Auto Vaccine
تیار رہوا۔ اور ٹیکے لگوانا شروع کیے۔ اور یہی تشخیص قرار پائی کہ B. Col i
ہے۔ جو پہلے انصاری صاحب کا بھی قیاس تھا جس کی بنا پر انھوں نے
Stock Vaccine سے ٹیکے لگوائے تھے اور بے نتیجہ دیکھ کر قیاس کیا
تھا کہ آنتوں کی دق ہوگی۔ سول سرجن کا اصرار تھا کہ دہلی کی لو سخت مضر ہے پہاڑ
جاؤ۔ پہاڑ جاؤ۔ ماجد (یعنی مولانا کے دی داماد ماجد علی خاں جن کی بیوی بعمر
مرگ پر ہے) کا روپیہ الور میں پھنسا ہوا تھا اور صفدر علی صاحب کی عنایت سے
اُن کا روانہ نکلا جا رہا تھا۔ وہ الور گئے تھے۔ بڑی مشکل سے دو ہزار روپیہ (جا لیس
پچاس ہزار میں سے) ملے تو منصوری میں مکان کے لئے انتظام کیا جانے لگا۔
میں پہلے ہی سے نصف مصارف ادا کرنا طے کرچکا تھا۔ سول سرجن نے اس قدر
اصرار کیا کہ دہرہ دون تو فوراً سے جاؤ، وہاں جاکر مکان ملنے کا انتظار کرنا۔
چنانچہ یکایک ۱۵ رجون کو فیصلہ ہوا کہ ۲۰ رکی شب کو چل دیں گے۔ میں نے ۱۹ رہی
کو کہ عشرۂ محرم تھا، قرول باغ میں مکان تلاش کرکے مغرب کے وقت مالک سے
کرایہ وغیرہ طے کیا۔ اور ۲۰ رکی صبح کو خود ہی جاکر دو موٹر لاریوں اور ۲ ٹھیلوں
میں سب سامان دہلی سے قرول باغ کو ڈھلوایا۔ اسی دن رخت سفر باندھا۔ اسی
دن اور گزشتہ شب میں Thiough Carr aiage میں ایک درجہ
Reserve کرایا (جو ہو نہیں سکتا تھا اس لئے کہ گاڑی دہلی سے نہیں لگتی بلکہ
جھانسی سے لگتی ہے) اور اسی شب کو مریضہ، ماجد کے بچوں، اور اپنے اہل و

عیال کو لے کر دہلی سے روانہ ہو گیا۔ پانچ وقت دہرہ دون پڑا رہنا پڑا، اور سخت تکلیف رہی، اس لئے کہ گرمی تھی، اور اس مکان میں پنکھے نہ تھے، مریضہ کے سر پر رکھنے کے لئے برف مشکل سے ملتا تھا۔ ماجد کو معمولی کرایہ کا مکان نہ مل سکا مگر ایک پیش کرایہ مکان والی کو کرایہ دار نہ مل سکا تھا، اس لئے اس کی دو منزلہ کوٹھی جو ڈیڑھ دو ہزار کو جاتی تھی، سات سو میں مل گئی۔ مگر ہمارے لئے تو یہ بھی بار دل تھے۔ ۲۶ کو مریضہ کو لے کر میں یہاں آیا۔ سول سرجن کا علاج شروع ہوا، کم جولائی کو ڈاکٹر انصاری بے چارے گوکرن ناتھ مسرا کو دیکھنے یہاں آئے تھے۔ چونکہ اصلاح مرض مطلق نہ ہوئی تھی، اس لئے سول سرجن نے انھیں بھی دکھایا اور دونوں کی رائے ہوئی کہ B Coli نہیں ہے، اور غالباً آنتوں کی دق ہے۔ اب اس کا علاج پھر شروع ہوا، اور جب افاقہ نہ ہوا تو لیڈی ڈاکٹر کو بھی دکھایا گیا اور اب قطعی رائے ہوئی کہ آنتوں کی دق ہے، اور ڈاکٹروں کے تیور بدلے، اور امید کم نظر آنے لگی جب اس کے بعد بھی حالت خراب ہی ہوتی گئی تو سول سرجن سے گھبرا کر ڈاکٹر بجر سے بھی مشورہ لیا گیا۔ گزشتہ جمعہ کو یعنی پرسوں انھوں نے کہا کہ کوئی امید نہیں ہے، ایک ہی موقع اصلاح کا ہے، وہ یہ کہ ہم پیٹ پھاڑ کر دیکھیں کہ کیا چیز ہے جو حائل ہو گئی ہے اور کھانے کو آنتوں میں نہیں جانے دیتی، ہر چیز جو کھائی جاتی ہے ڈال دی جاتی ہے، مگر مریضہ میں اتنی جان اب باقی نہیں ہے کہ یقیناً اس کی تحمل ہو سکے، غالباً صدمہ سے جانبر نہ ہو سکے گی۔ اس وقت شوکت صاحب کو تار دیا کہ ڈاکٹروں نے فیصلہ کیا ہے کہ امید باقی نہیں ہے، ہماری امید خدا پر ہے۔ ہفتہ کو حالت کسی قدر اچھی رہی، اور مریضہ نے اتوار کو ہوا خوری کے لئے علی الصباح ڈانڈی اور رکشا میں جانے کے لئے اصرار کیا اور کپڑے بدلے کہ دفعتاً Hysteria کا سخت دورہ پڑا، اور حالت اتنی خراب رہی کہ رات

ہم لوگوں نے آنکھوں میں کاٹی عجیب بات یہ ہے کہ کل ہی ماجد کی پہلی اہلیہ مرحومہ کی برسی تھی، اور مجھے یہ خوف دامن گیر ہوا کہ کہیں اُسی طرح نہ ہو کہ میرے خسر عظمت علی خاں صاحب نے اُسی شب میں انتقال کیا جس کی مغرب کے وقت میرے والد مرحوم کی برسی کی فاتحہ ہو رہی تھی۔

حکیم محمد احمد صاحب کو دہلی سے بُلایا ہے۔ کل نہیں تو پرسوں غالباً آئیں دیکھیئے اُس وقت تک کیا ہوتا ہے۔

آپ آنے میں تکلف نہ کریں، آپ گھر والے ہیں، مہمان نہیں ہیں، پوری ایک منزل مکان کی خالی ہے، اور آپ تسکین و تسلی دے سکیں گے۔

میں آپ سے ناراض ہوں کہ باوجود میرے لکھنے کے آپ نے ۔۔۔ کا بیمہ اپنی خوش دامن صاحبہ کے نام سے بھجوا دیا۔ آدھ گھنٹہ کھوئے بغیر سوچتا رہا کہ واپس کردوں یا نہیں۔ وہ آپ کی امانت رکھی ہوئی ہے۔

مختصراً سب کا سب کو سلام و دعا و پیار۔

آپ کا پریشان حال مگر صابر و شاکر بھائی

محمد علی

(۲۰)

تار

۲۰ جولائی ۱۲ بج کر ۲۰ منٹ — منصوری

حکیم محمد احمد خاں کو دہلی سے دوبارہ بلوایا۔ نسوانی شکایات تشخیص کیں۔ علاج قابلہ کے ذریعے سے بتایا۔ بچ جانے کی امید تو دلا رہے ہیں۔ لیکن حالت ہے بدستور نازک۔

محمد علی

(۲۱)

چند روز بعد مرحومہ، اپنے عاشق زار باپ کو لوٹتا تڑپتا چھوڑ کر چل بسیں،
مولانا دہلی گئے۔ کوچۂ چیلان کا نشیمن ویران ہوچکا تھا۔ اخبارات بند ہوچکے
تھے اور سن سے کہیں زیادہ بوڑھے، غمگین و غمزدہ، محمد علی، حمیدہ مرحومہ
کے شوہر ماجد علی خاں کی کوٹھی میں شہر سے باہر مقیم تھے۔ جنوبی افریقہ کے
غیور مسلمان عرصے سے دونوں بھائیوں کو مدعو کر رہے تھے۔ ادھر مولانا
کے احباب کو بھی مناسب معلوم ہوا کہ غم غلط کرنے کو مولانا کچھ روز کے
لئے باہر چلے جائیں۔ ۲۱ر اگست ۲۹ء کو حسب ذیل تار دہلی سے موصول ہوا۔

تار

۲۱ر اگست۔ ۸ بج کر ۲ منٹ دہلی

کیا یہ کسی طرح ممکن نہیں کہ جنوبی افریقہ کی روانگی سے پہلے ملاقات ہو سکے؟
روانگی ۲۴ر کو ہے۔

محمد علی

۲۸ر اکتوبر ۲۹ء

گلی قاسم جان دہلی

جناب مکرم - السلام علیکم

دہلی میں علماء و زعماء کی موجودگی سے فائدہ اٹھا کر ۲۷ر اکتوبر ۲۹ء کو ایک مجلس مشاورہ منعقد کی گئی اور یہ طے کیا گیا کہ وائسرائے ہند کی خدمت میں ایک وفد لے جانے کے لئے ایک کمیٹی بنائی جائے جو وائسرائے اور اُن کی حکومت کا طرزِ عمل مسلمانوں کے اس عام جوش و خروش کے متعلق معلوم کرے جو مسلمانوں میں شاردا ایکٹ کے نفاذ سے اپنے تئیں مستثنیٰ کرانے . . . . اور شریعت اسلامیہ کو مداخلت سے محفوظ رکھنے کے باب میں پھیلا ہوا ہے۔ اور یہ کمیٹی اُن مسلمانوں کی ایک کانفرنس منعقد کرے جو اس مقصد سے اتفاق رکھتے ہوں۔ چنانچہ ابتدائی کام کرنے کے لئے ایک کمیٹی بنا دی گئی۔

جناب والا بھی اس کمیٹی کے رکن منتخب ہوئے ہیں۔ امید ہے کہ جناب جائنٹ سکریٹری کے پتہ پر اپنی منظوری سے اطلاع بخشیں گے۔ بذریعہ تار جواب مرحمت فرمائیے

(مولانا) محمد علی صدر - قرولباغ دہلی

(۲۳)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

۱۱ اپریل ۱۹۳۰ء   دار الخلافت ۔ لولین ۔ نزد بائیکلا برج ۔
مزگاؤں ، بمبئی

برادرم ۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ'

آپ کے تین کارڈ اور آج ہی جب کہ آپ کو عریضہ لکھنے والا تھا، ایک لفافہ یہ سب مجھے موصول ہوئے ۔ چوں کہ لکھنے پڑھنے کی اجازت نہیں ہے، اس لئے ارادہ کیا تھا کہ جب گلنار کی شادی کی تاریخ مقرر ہو جائے گی تو آپ کو بلالوں گا اور بلا لکھے پڑھے گفتگو میں سب کچھ کہہ دیا جائے گا ، مگر گلنار کی شادی کی تاریخ شعیب کے اور ہم سب کے رفیق شفیق عبدالرحمٰن صدیقی (پاسندھی) کی ولایت سے آمد پر موقوف ہے اور متعدد تاروں کے تبادلے کے بعد وہ یورپ سے ۷ اپریل کو توچل پڑے ۔ مگر زیارت روضۂ پاک اور حج بیت اللہ کے بعد ہندوستان پہنچیں گے ، اور ہم سب اسی امید پر جی رہے ہیں کہ وہ ذوالحجہ ہی کی کسی تاریخ کو دہلی پہنچ جائیں گے کیوں کہ محرم میں شادی نہ ہو سکے گی اور صفر میں حمیدہ مرحومہ کا انتقال ہوا تھا ، وہ زمانہ بھی نا موزوں ہوگا ۔ یوں تو کون عبدالرحمٰن کے حج سے خوش نہ ہوگا بالخصوص جب کہ ان کی صحت بالکل غارت ہو گئی ہے'

اور وہ متعدد امراض میں گرفتار ہو گئے ہیں اور سخت تکالیف اور درد میں مبتلا ہیں۔ لیکن ہم سب چاہتے ہیں کہ گلنار کی شادی جلد سے جلد ہو جائے اور صرف عبدالرحمن ہی کی وجہ سے دیر لگ رہی ہے، ورنہ مارچ ہی میں عقد کر دینے کا خیال تھا۔ خط اب تک نہ لکھنے کی وجہ جواب میں نے بیان کر دی، مگر اب خط لکھ رہا ہوں تو باوجود آنکھوں کی بصارت اس درجہ تک کھو بیٹھنے کے جی نہیں مانتا کہ مفصل خط نہ لکھوں اور سب باتوں کا جواب نہ دوں اور کچھ شکایت بھی نہ کروں جو ایام سرما میں دل کو جلا رہی ہے۔

پہلے اسراف کے متعلق سن لیجئے (مولانا کو کسی قسم کا الزام دینا ہرگز ہرگز کبھی بھی کا مقصد نہ تھا۔ وہ اس کی جرات کر سکتا تھا، مولانا کی عالی ہمتی اور اولوالعزمی کو دیکھ کر محض مخلصانہ نیازمندی کی بنا پر چند کلمات ادب کے ساتھ عرض کر دیے گئے تھے، یہ سب اس کا جواب ہے) اب میرے پاس ہے ہی کیا جو گلنار کی شادی پر اسراف کروں گا۔ برادرم ..... میں نے پہلے بھی ان رسوم میں اسراف سے کام نہیں لیا تھا۔ زہرہ اور آمنہ مرحومہ کی۔ نہ ان دو بچیوں کی کبھی کوئی رسم ادا کی جو میں اسراف کا الزام مجھ پر لگ سکتا۔ چونکہ نہ عقیقہ میں نہ بسم اللہ میں نہ شرح میں نہ منگنی میں کوئی رسم ادا کی تھی اور درحقیقت اس زمانے کا اکثر حصہ قید و بند میں گزرا تھا۔ رسم ادا بھی کس طرح کرتا۔ صرف نکاحوں کے موقعوں پر میری اہلیہ نے کچھ خوشی منائی۔ وہ بھی نہ اس طرح کہ ناچ و رنگ ہوا ہو یا شب گشت ہوئی ہو، یا کسی اور طرح پر برات نکلی ہو جیسے جہیز دونوں بچیاں پیدا ہوئی تھیں، ان کی ماں عورتوں کے طریق پر ان کے لئے کچھ نہ کچھ میری نہایت ہی محدود تنخواہ میں سے بنالی یا خرید لی ہی کی تھی، اور وہ بھی زیور نہ تھا بلکہ معمولی روزمرہ کے استعمال کے کپڑے اور برتن بھانڈے۔ جب میں اکتوبر سنہ ۲۰ء میں یورپ سے واپس آیا تو ایک لڑکی ۱۰ کی

تھی دوسری، اسے کچھ ہی کم ہوگی میں تو ایک ہی نکاح کرنا چاہتا تھا اور اُس کا بھی اس وقت نہیں لیکن میری بیوی نے سب انتظام میرے ولایت سے آنے سے قبل ہی کر لیا تھا۔ اور انھوں نے کہا کہ تمھارے قید و بند کا اب زمانہ پھر آگیا میں تنہا دو جوان لڑکیوں کی دیکھ بھال کی ذمہ داری اپنے سر لینا نہیں چاہتی۔ دو مسلمان نوجوانوں کو اس ذمہ داری میں شریک کرتی ہوں، آمنہ کی عمر ابھی اٹھارہ کی نہیں ہے جس سے قبل تمھارا ارادہ کسی لڑکی کے نکاح کا نہ تھا۔ لیکن اس کو ہسٹریا کا مرض ہوگیا ہے، اور حکیم اجمل خاں صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی رائے ہے کہ نکاح کرنا ہی بہترین علاج ہے۔ دوسرے اتنا روپیہ کس کے پاس ہے کہ ہر سال ایک نکاح کیا جائے میں ان دلائل سے قائل ہوگیا اور نکاحوں کی اجازت دی مگر مجھ کو جامعہ ملیہ کے آغاز کے باعث ایک منٹ کی فرصت نہ تھی اس لئے نکاح سے دو تین روز بیشتر یہاں داخل آکر مراد آباد میں معظم صاحب اور عبدالسلام اور مسعود کے مکانوں میں بیٹھ رہا۔ سوائے مولانا عبدالباری رحمۃ اللہ علیہ کے کسی کو بھی مدعو نہ کیا، انصاری وغیرہ دہلی سے بلادعوت کے آگئے اور کچھ دے ہی گئے۔ مہمانوں کو معمولی کھانا کھلایا گیا۔ صرف رامپور سے برات آنے پر وہی رسم کا پلاؤ زردہ، قلیہ و قورمہ کھلا دیا گیا جو بظاہر نکاح کے کھانے کے لیے اسی طرح ضروری ہے جس طرح عیدالفطر کے لئے سویاں اور شب برات کے لئے حلوے۔ میں نے اس شادی میں کوئی حصہ بجز شرکت کے لے نہیں لیا۔ اس لیے مجھے حق ہی نہ تھا کہ بیگم صاحبہ سے جن کے حسنِ انتظام کے ہم سب قائل ہیں، کچھ کہتا۔ یہ تھی میرے گھر کی پہلی رسم۔ آمنہ مرحومہ اور والدہ ماجدہ مرحومہ کی موتیں دوسری اور تیسری رسم تھیں، اور کوئی نہیں کہہ سکتا کہ میں نے اسراف سے اکرام لیا درحقیقت کوئی رسم ادا نہیں کی گئی اور جو کچھ کیا بھی گئی تو خیرات نقد کی گئی اور جمعیۃ خلافت وغیرہ کی نذر کردی گئی، یا محلہ کی مسجد میں برقی روشنی کا انتظام

کر دیا گیا جو الحمدللہ اس وقت تک جاری ہے ۔ آمنہ کا سارا زیور خلافت کو دے دیا گیا ، یہی بڑی خیرات تھی جو تھی رسم حمیدہ مرحومہ کی شادی کی تھی جو بڑی دو بہنوں کی تقریباً آٹھ برس بعد ہوئی ۔ اس کے لئے بھی باوجود ہماری قید و بند کے میری بیوی نے کچھ نہ کچھ کر ہی لیا تھا ، مگر وہ انہیں کافی معلوم نہ ہوا ، اور نہ معلوم مرحومہ کو اپنی آنے والی موت کا پہلے ہی سے کچھ اندیشہ تھا یا کیا (اور ہو بھی تو کیا عجب ہے کہ تین سال سے حرارت اور درد گردہ میں مبتلا تھی ، اور ۱۹۲۷ء میں تو اسے دوبارہ پہاڑ پر لے جانا پڑا تھا ، اور وہاں بھی بخار آ گیا تھا ، اور حکیم صاحب رحمۃ اللہ علیہ اور انصاری دونوں کا اصرار تھا کہ شادی کے بعد ہی نسوانی علاج ہو سکے گا ۔ کیونکہ اس نے گھر میں آئی ہوئی لیڈی ڈاکٹر کو فیس دے کر امتحان اور معائنہ کے بغیر رخصت کر دیا تھا) خود مرحومہ نے کسی نہ کسی طریقہ پر اپنی ماں پر ظاہر کر دیا تھا کہ وہ دھوم دھام چاہتی ہے ۔ میرے پاس کچھ نہ تھا ، ایک صاحب نے دسمبر میں تین سو روپے دئے تھے ، مدراس کانگریس میں اسی کی عمدہ کھدر خرید لی تھی اور ایک دوست کی دوکان سے چینی کے برتن اور گلاس وغیرہ قرض لے لئے تھے اور بس ۔ مگر اس کی ماں نے اپنے بھائی معظم کو لکھا کہ اپنے باپ کے ترکہ میں سے ۲۲ برس میں انھوں نے ایک بار کوئی دو ہزار روپیہ آمنہ مرحومہ کے مکان کے لئے زمین خریدنے کے لئے تھے (جواب تک یوں ہی پڑی ہے) اور ایک بار ۱۹۲۸ء میں اپنے اور میرے حج کے لئے دو ہزار لئے تھے ۔ اب انھوں نے تین ہزار معظم کو لکھ کر منگوائے اور ساری خرید و فروخت خود کی ۔ اس بار چونکہ ماجد (ماجد علی خاں) ، جن کے ساتھ یہ شادی ہوئی تھی ، مالی مشکلات میں گھرے ہوئے تھے ، اس لئے رامپور سے بھی سب عزیزوں کو نہ بلایا گیا ۔ معظم کی بیوی اور میری بہن اور شوکت صاحب کی بچیاں ہی شریک ہوئیں ، باہر سے بھی کسی کو مدعو نہیں کیا گیا ۔ البتہ ایک شب کو دہلی سے کوئی سو پچاس احباب کو کھانے پر

مدعو کرلیا گیا۔ یہی اسراف ہوا تھا۔ یا مرحومہ کے لئے کچھ کپڑا لیا گیا تھا۔ پہلے اسراف کا کفارہ یہ کیا گیا کہ جامعہ ملیہ کو پانسو، جمعیتہ خلافت اور جمعیتہ العلما، وغیرہ کو چند سو نقد دیدئے گئے۔ دوسرے اسراف کا کفارہ یہ کیا جارہا ہے کہ مرحومہ کے کپڑے اور برتن بھانڈے غریب لڑکیوں کو اُن کے عقد نکاح کے موقعوں پر دئے جارہے ہیں۔ اللہ اللہ خیر صلا۔ گلنار کی شادی کی مجھے سب سے زیادہ خوشی ہے، کہ شعیب جیسے صالح مسلمان کے ساتھ، خاندان کی رسم کو توڑ کر رشتہ جوڑا جا رہا ہے اور خدا اس کی عمر دراز کرے، توکل تو خدا ہی پر ہے، لیکن اب اپنی صحت کا خیال کرکے کسی قدر مطمئن ہوں، کہ اُس رزاق حقیقی نے جو مسبب الاسباب ہے میری بیوی اور بچیوں کے لئے ایک یار و مددگار بھی پیدا کردیا۔ مگر اب خوشیاں منانے کی ہمت ہی نہیں۔ دو جوان لڑکیوں کے نکاحوں کے اتنے جلد بعد اُن کا انتقال ہو گیا، کہ شادی و خانہ آبادی کے نام سے ڈر لگتا ہے۔ میں نے جو کچھ اسراف کیا ہے وہ والدۂ مرحومہ اور آمنہ مرحومہ کی قبروں کے بنوانے میں کیا ہے۔ کوئی قبہ نہیں بنوایا، سینے پر سوائے خاک اور گھاس کے کچھ نہیں، مگر ایک جگہ سنگ سبز کا کریم سا بنوادیا ہے اور ایک جگہ سپید سنگ مرمر کا اور لوح مزار کو خود Design کیا ہے۔ آمنہ کی قبر پر "پیام مجلس اور دعائے اسیری" کا ایک شعر کندہ کرا دیا ہے[۵]

تیری صحت ہمیں مطلوب تھی، لیکن اس کو
نہیں منظور، تو پھر ہم کو بھی منظور نہیں

حمیدہ کی قبر بھی سپید سنگ مرمر کی اسی طرح تیار کرائی جارہی ہے اور اُس پر اسی زمانے کے کہے ہوئے یہ دو شعر انشاء اللہ کندہ ہوں گے ؎

ہوا محسوس جب سے یہ خوشی تیری خوشی اپنی ۔۔۔ نہ اپنی موت موت اپنی نہ اپنی زندگی اپنی
کبھی چھوڑا نہ دامن کو ترے پھر تو ہی بتلادے ۔۔۔ اسے بیچارگی تیری کہوں یا بے کسی اپنی

صبر کے سوا اب بھی چارہ نہیں، مگر اب یارائے ضبط کم ہے تو کیا کروں ؎
تو ناگفتہ دانی بگفتن چہ سود

نکاح پڑھانے کا مسئلہ میرے اختیار کا نہیں ہے (مکتوب الیہ نے لکھا تھا، کہ نکاح حضرت مولانا حسین احمد صاحب سے پڑھوایا جائے۔ تو بہت ہی مناسب ہے۔ آگے اس کا جواب ہے) شعیب کی جو مرضی ہوگی کیا جائے گا، گو میرا جی تو یہی چاہتا ہے کہ میرے صاحب السجن اور آپ کے پیر و مرشد ہی نکاح پڑھائیں، بہر حال انشاء اللہ مولانا کفایت اللہ صاحب صدر جمعیۃ علمائے ہند نکاح نہ پڑھائیں گے۔

محمد علی

ساردا بل اسمبلی میں منظور ہو رہا تھا جس سے ایک خاص عمر کے قبل لڑکیوں اور لڑکوں کی شادی جرم قرار پا رہی تھی۔ مکتوب الیہ نے لکھا تھا کہ اتنے زبردست فتنہ کا مقابلہ آپ ہی کی قیادت میں کیا جا سکتا ہے، آگے اس کا جواب ہے اور اس کے ضمن میں جمعیۃ العلماء سے اختلاف کا ذکر بھی کافی تفصیل سے آجاتا ہے بعض محترم کارکنان جمعیۃ کا تذکرہ جس لب و لہجہ میں ہے۔ عام حالات میں اس کی اشاعت مناسب نہ تھی۔ لیکن ان معرکۃ الآرا جلسوں سے متعلق کم از کم ایک بیان خود مولانا کا لکھا ہوا پبلک کے سامنے آجانا ضروری تھا۔ لہجہ کی تلخی اور خشونت ایسے موقع پر نظر انداز کر دینے کے قابل ہے۔ (مولانا عبدالماجد صاحب)

بھائی! تم اگر نہ بھی لکھتے تب بھی میں شریعت حقہ کے احترام کو قائم رکھنے کی خاطر ان مفسدوں کا مقابلہ ضرور کرتا، جو اسمبلی میں جا کر اپنے تئیں مصلحین کہتے ہیں انھیں پر سورۂ بقرہ کی وہ آیات صادق ہیں کہ واذ قیل لہم لا تفسدوا فی الارض.... فما ربحت تجارتہم وما کانوا مہتدین۔ میں نے پربھنی (علاقہ نظام) ہی میں ایک لمبا چوڑا برقی پیام تیار کرنا شروع کر دیا تھا۔ مگر ٹائپسٹ نہ ملنے سے، اور خود علیل ہونے کے باعث اسے ٹائپ کر کے بھجوا نے نہ پایا تھا کہ اندوریں معلوم ہوا کہ کونسل آف اسٹیٹ نے بھی شاردا بل کو پاس کر دیا۔ تب تو خود ہی بیٹھ کر ٹائپ رائٹر پر وائسرائے کو ایک طول طویل اور سخت خط لکھا، مگر وہ بدبخت منظوری دے ہی چکا تھا۔ اور عازم یورپ ہو گیا۔ میں بھوپال میں تھا کہ دہلی کے جلسے کی اطلاع ملی اور میرے پاس جمیل میاں کا تار آیا کہ داعیوں میں مفتی صاحب کا، ان کا اور میرا نام ہوگا، اجازت درکار ہے، ہفتہ کو تار ملا ارجنٹ تار کے دام کہاں سے لاتا، ارادہ کیا کہ پیر کو معمولی تار دے دوں گا۔ مگر بھول گیا

حالانکہ اس دن کا خط بھی پیر تک پہنچ جاتا۔ بعد کو بمبئی سے گھومتا گھامتا احمد سعید کا خط آیا، کہ آپ کا پتہ معلوم نہ تھا اس لیے خلافت کی معرفت لکھا جا رہا ہے۔

بہر حال میں جواب دینا بھول گیا۔ مگر جلسے کی شرکت کے لئے دو دن پہلے ہی دہلی پہنچا۔ احمد سعید تعین عمر کی کمیٹی کے سامنے تائید کر چکنے کے بعد خود ہی اپنی جگہ داغستی بن بیٹھے تھے، میں آتے ہی دو باران کے اور مفتی صاحب کے گھر گیا اور ایک بار دفتر جمعیت، مگر نہ ملے۔ دوسرے دن جمعیۃ کا جلسہ تھا جس میں سیاست دکھلی، بہت کچھ تھی، مگر مذہب کا قطعی فقدان تھا۔ شام کو دوسرے جلسے کے متعلق جمیل میاں کے ہاں مشورہ تھا، مگر مفتی صاحب اور احمد سعید دیر میں آئے اور لوگ مشورہ کرتے رہے اور سب کی رائے یہ تھی کہ میں اس جلسے کا صدر بنوں۔ وائسرائے کو ایک وفد کے ذریعے سے الٹیمیٹم دیا جائے مسلمان اس ایکٹ سے مستثنیٰ نہ کیے جائیں تو کانپور میں کانفرنس منعقد کی جائے اور تعالوا الی کلمۃ سواء بیننا و بینکم پر عمل کر کے ہر کلمہ گو کو جو اس مداخلت فی الدین سے بیزار ہو دعوت دی جائے اور اس مصیبت پر خدا کا شکر ادا کر کے انتشار وافتراق کو دور کیا جائے۔ اس لیے باوجود میرے صدر جمعیۃ خلافت ہونے کے میں نے صرف خلافت کمیٹی کا جلسہ طلب نہ کیا کیونکہ "معتدلین" نہ آتے، نہ شیعہ اور نہ قادیانی شریک ہوتے، اتنے میں مفتی صاحب اور احمد سعید آ گئے جلسے صدارت کے متعلق پوچھا گیا کہ آپ کے نزدیک کس کا صدر ہونا مناسب ہوگا۔ مفتی صاحب کا جواب بے حد Significant ہے، خود ہی کا میں میں بھی شامل ہیں اور خود ہی فرماتے ہیں کہ "میں اس وقت تک اس کے متعلق بالکل خالی الذہن" ہوں۔ مگر احمد سعید نے اس خلائے محض کے پر ہونے کا بھی ثبوت دے دیا اور کہا کہ "مگر یہ جلسہ تو جمعیۃ العلماء کا بلایا ہوا ہے،

اسی کا مستقل اور دوامی صدر اس کا بھی صدر ہوگا۔" تب جاکر چند دہلی والوں نے جو اس وقت موجود تھے کہا کہ جلسہ تو اہل دہلی کا طلب کردہ ہے۔ جمیل میاں بھی داعی ہیں، اہل دہلی نے مہمانوں کے لئے خود ہی چندہ کیا ہے، آپ کو اس لئے دے دیا ہے کہ جمعیۃ علماء کی کمیٹی منتظمہ کا بھی جلسہ ہونے والا تھا، اپنے مہمانوں کے ساتھ ساتھ ہمارے مہمانوں کا بھی انتظام کر دیجئے گا۔ بالآخر دعوت نامے منگا کر دیکھے گئے تو صاف درج تھا کہ یہ جلسہ جمعیۃ کے جلسے سے بالکل الگ تھا، یہ دعوت نامہ خود مفتی صاحب کا تحریر کردہ تھا۔ مگر احمد سعید صاحب کا تحریر کردہ دعوت نامہ جو جمعیت والوں کو بھیجا گیا تھا اس میں اسے جمعیت ہی کا جلسہ بتایا گیا تھا۔ اس تفاوُت بتاین کا اقبال انھوں نے بھی کیا۔ بہرحال میرا نام صدارت کے لئے پیش کیا گیا اور بلا عذر تسلیم کیا گیا، گو چہروں سے معلوم ہوتا تھا کہ یہ دونوں علمائے کرام اسے کرہاً قبول کر رہے ہیں۔ آپ کو نہ معلوم وہ گندہ قصہ یاد ہے یا نہیں کہ ایک ہیجڑا بنیئے کی دوکان پر سے اس کی غیر حاضری میں چنے ٹونگ رہا تھا۔ وہ پیشاب کرنے گیا تھا، پیٹھ پھیر کر دیکھا تو یہ نظارہ نظر آیا۔ نہیں کہہ سکتا تھا کہ یہ مرد ہے یا عورت، گھبرا کر چیخ اٹھا کہ سارے چنے ٹونگ گیا، سارے چنے ٹونگ گیا۔ . . . . مفتی صاحب نہ پورے دیندار نکلے نہ پورے دنیا دار۔ جب ان سے کہا گیا کہ آپ محمد علی کا نام صدارت کے لئے بہ حیثیت داعی جلسہ پیش فرمائیں اور جمیل میاں بہ حیثیت داعی دوم اس کی تائید کر دیں گے تو فرمایا کہ جمیل میاں پیش فرمائیں، میں تائید کر دوں گا باوجود سب کے اصرار کے انھوں نے تحریک کرنے سے انکار کیا، مگر تائید کرنے کا اقرار کیا۔ نواب اسمٰعیل خاں نے اس حیرت انگیز انکار و اقرار پر ایک سیدھا سوال کیا کہ آخر اس کی وجہ کیا ہے، تو کچھ نہ فرما سکے۔ جواب دیا تو یہ کہ تحریک پر اصرار کیوں ہے۔ اس کا جواب دیا گیا کہ جو سلوک مولانا محمد علی کے ساتھ جمعیۃ العلماء کے جلسے

میں حبیب الرحمن لدھیانوی نے کیا، اور باوجود اُن کے رکن جمعیت اور اس کی
انتظامیہ اور عاملہ دونوں مجالس کے رکن ہونے کے اپنی تقریر میں کہا کہ میں محمد علی
کو تو جمعیت کا رکن ہی نہیں تسلیم کرتا، اور جس طرح مسلم لیگ کے جلسے میں جو گزشتہ
اواخر مارچ میں ہوا اُنھوں نے لیمیز اللہ الخبیث من الطیب کی آیۂ کریمہ پڑھ کر
نہرو رپورٹ کے مخالفین کو "خبیث" کا لقب عطا فرمایا تھا اور نہروانیوں کو
"طیب" کا، اور جس طرح مقدم الذکر جماعت کے چلے جانے کے بعد ڈاکٹر محمد عالم کو
صدر تجویز کر کے بلا رائے لئے ہوئے کرسی صدارت پر بٹھا دیا تھا، اور اسی طرح ایک
تجویز نہرو رپورٹ کے متعلق پاس کر لی تھی، اس سے خطرہ ہے کہ جلسے کے لئے لوگوں
کے آتے ہی حبیب الرحمن لدھیانوی اور ان کے بھائی نعیم خود آپ کا نام صدارت
کے لئے پیش کر دیں گے، اس لئے ضرورت ہے کہ آپ خود ہی بہ حیثیت داعی جلسہ
محمد علی کا نام پیش فرمائیں تاکہ وہ بے لطفی پیدا نہ ہو جو مراد آباد میں جمعیۃ العلماء
کی صدارت کے لئے ان کا نام پیش کئے جانے کے باعث کانپور کے سالانہ جلسہ
جمعیۃ العلماء کی مجلس استقبالیہ کو آج تک نصیب ہو رہی ہے ۔ ۔ ۔ ۔ اس
کے بعد انھیں کی طرف سے یہ مسئلہ پیش ہوا کہ صدر کا انتخاب تو حاضرین جلسہ کے
ہاتھ میں ہے، تو اُن سے عرض کیا گیا کہ یہ کلیہ نہیں ہے، خود جمعیۃ کے سالانہ
جلسے کے لئے خلافت کانفرنس، کانگریس، مسلم لیگ وغیرہ کے لئے پہلے ہی سے
انتخاب کر لیا جاتا ہے تاکہ اس قسم کی ناگوار حالت نہ پیدا ہو جو کانگریس کو سورت
میں ۱۹۰۷ء میں پیش آئی تھی۔ دہلی میں جو آل انڈیا مسلم کانفرنس آپ نے منعقد
کرائی تھی اُس کے لئے آغا خاں کا انتخاب ان کے ولایت سے چلنے سے بھی پیشتر
کر کے ان کو مدعو کیا گیا تھا۔ آپ لوگ بہ حیثیت داعیان کے انتخاب کر لیجئے" اور
اسی حیثیت سے جلسہ کا آغاز بھی صحیح فرما کر محمد علی سے صدارت کرا لیجئے۔ معاملہ

صرف فتوے دینے کا نہیں ہے، فتوے تو جمعیۃ العلماء دے ہی چکی ہے اب مسلمانوں کو
اس قانون سے مستثنیٰ کرانے کی تدابیر پر غور کرنے اور ہر عقیدے اور ہر سیاسی روش
کے مسلمان کو متحد کر کے شریعت کے احترام کرانے کا ہے۔ اس پر مفتی صاحب نے
کہا کہ اچھا ہم تینوں داعی اس کا فیصلہ کر لیں گے کہ محمد علی کا نام میں پیش کروں یا جمیل میاں
پیش کریں اور میں تائید کروں۔ چونکہ ہم نے اعلان کر دیا تھا کہ میں اسی شب کو مسجد جامع
میں فلسطین، افغانستان، سارداایکٹ وغیرہ کے متعلق بالتفصیل تقریریں کرنا شروع
کروں گا اور دو تین روز تک اس سلسلہ کو جاری رکھوں گا تاکہ ایک عرصے سے میری
دہلی کی غیر حاضری کے باعث اظہار خیالات کا جو موقعہ نہیں مل سکا ہے وہ مل جائے
اور یہاں خلاف توقع صرف صدارت ہی کے مسئلہ پر دیر تک بحث چھڑ جانے کے باعث
ہمیں مولانا نثار احمد وغیرہ کو مسجد جامع کا جلسہ شروع کر دینے کے لئے بھیجنا پڑا۔ اس
لئے اب ہم لوگ اٹھ کر مسجد جامع کو چلے گئے جہاں دہلی کے مسلم رضاکاروں کی ایک
جمعیت نے تین راتوں کے لئے جلسوں کا پوسٹر وغیرہ کے ذریعے سے اعلان اور
روشنی وغیرہ کا انتظام کر دیا تھا اور مفتی صاحب وغیرہ کو جمیل میاں کے پاس چھوڑ گئے
وہاں پہنچے تو دیکھا کہ مولانا عبدالعلیم صدیقی ناخواندہ مہمان کی حیثیت سے بیچ میں
کود پڑے تھے اور جمعیۃ العلماء اور مفتی کفایت اللہ صاحب کی فضیلت میں گھنٹہ ڈیڑھ
گھنٹے سے وعظ دے رہے تھے اور مولانا نثار احمد صاحب کو لب کشائی کا بھی
موقعہ نہ دیا تھا۔ دوسرے دن بجائے مفتی صاحب کے جلسے کا بہ حیثیت داعی
کے آغاز کرنے کے احمد سعید نے آغاز کر دیا اور یعقوب کی اور مولانا عبدالعلیم
کی تقریریں ہونے لگیں جس کے باعث یوں ہی فضا مکدر ہو گئی۔ اب حبیب الرحمٰن
لدھیانوی نے مفتی صاحب کا نام پیش کر دیا نعیم نے بھی اسی طرح کی تقریر کی (میں
اب نہیں کہہ سکتا کہ کس کس نے تقریر کی، مگر جہاں تک ایک مریض کا حافظہ کام دے

رہا ہے لکھ رہا ہوں) بالآخر خواجہ غلام السبطین نے جو انتظامات جلسہ اور دعوت نامہ کے اجرا میں احمد سعید کے ساتھ شریک مقرر کئے گئے تھے رات کا فیصلہ مفتی صاحب کو یاد دلایا اور مفتی صاحب نے مبہم طریقہ پر اس کی ایک حد تک تصدیق کی مگر یہ کہا کہ یہ ہم طے کر چکے ہیں کہ بہ حیثیت داعی ہم خود ہی صدر کو منتخب کریں گے۔ کہا تو یہ کہ مجھے اس وقت تک فرصت نہیں ملی کہ جمیل میاں سے طے کرتا کہ وہ محمد علی کا نام پیش کریں اور میں تائید کروں، یا میں خود تحریک کردوں اور وہ تائید کریں۔ اب بحث اور بھی چھڑ گئی اور گرمانی در ہا ہوں کی تائید ایک تیکھے دہائی مولانا ابراہیم سیالکوٹی نے اس طرح فرمائی کہ خود مجھ سے اپیل کیا کہ میں اپنا نام واپس لے لوں۔ میں نے مجبور ہو کر ایک تقریر کی اور اس کے آخر میں یہ کہہ کر اپنا نام واپس لے لیا کہ مجھ پر اس اپیل کے خلوص کا تو مطلق اثر نہیں ہوا، مگر جو حالات پیش آئے ہیں اس کے بعد اس جلسے کی صدارت کرنا میں اپنی توہین سمجھوں گا۔

(۲۵)

(ج)

برادرم - جو ذہنیت ان دینداروں کی اور جو . . . ان کے لفظ لفظ سے ظاہر ہو رہی تھی ، اسے اس طرح ایک ایسے معاملے میں بھی دیکھ کر جس میں ہمیں اپنی شریعت کی حرمت برقرار رکھنے کے لئے غیروں کو بھی حاملین شریعت کی افکار اور اُن کے اعمال سے متاثر کرنا تھا ، اور ہر عقیدے اور طبقے کے مسلمانوں کے اس امر میں اتحاد و اتفاق کو عالم آشکار کرنا تھا ، میرا دل رو رہا تھا . میں نے جمعیۃ العلماء کی صدارت کا کبھی بھی خیال نہ کیا تھا ، مگر جب مجھے معلوم ہوا کہ ایک خاص جماعت کو اس پر اصرار ہے اور بلا مجھ سے استمزاج کئے ہوئے انھوں نے چند ماہ پیشتر ہی میرا نام مجلس استقبالیہ کی طرف سے بھجوا دیا تھا ، اور اس کے بعد سے علمائے کرام میں عجیب عجیب ریشہ دوانیاں ہو رہی ہیں ، تو میں نے کانپور سے خط آنے پر اور مجلس استقبالیہ کے اصرار پر صرف اس کا وعدہ کیا تھا کہ خود انکار نہ کروں گا اور نہ خود کوئی کوشش کروں گا ، اگر منتخب ہو گیا تو مسلمانوں کی مذہبی اصلاح اور جمعیۃ کی از سر نو ترتیب کے متعلق جو عرصہ دراز سے میرے خیالات ہیں اُنھیں بہ صد عجز و ادب جمعیت

کے سامنے پیش کر دوں گا۔ مگر جو کارروائی کہ مراد آباد میں ہوئی اور اس سے پیشتر جو مضامین اور خطوط الجمعیۃ میں شفیع داؤدی اور شوکت صاحب کے خلاف صوبۂ بمبئی کی جمعیۃ العلماء کے جلسہ کی صدارت کے بارے میں بہ طور پیش بندی کے شائع کیے گئے، اور جس طرح کانپور والوں کے ساتھ صریح اور مسلسل بے ایمانی کی گئی اور اب جس طرح بالحصول رائے مولانا مفتی کفایت اللہ صاحب خود کھسک کر مسندِ صدارت پر جلوہ افروز ہوگئے، اس کے بعد میرے لئے ناممکن ہو گیا کہ ان حضرات سے کوئی توقع اصلاح کی رکھوں جب جلسہ شروع ہو گیا تو میرے پاس متعدد درخواستیں آئیں کہ جلسہ سے ہم سب اُٹھ کر چل دیں۔ مگر میں نے انکار کیا اور سب کو روکا تاکہ حکومت کو اور ہنود کو اس نفاق و شقاق کا نظارہ نہ دکھایا جائے۔ سب بیٹھے رہے، البتہ یہ فیصلہ کر لیا گیا کہ شام کے جلسے میں نہ آئیں گے۔ ہم نے کوئی احتجاج نہ کیا، اور جو بیان ان تمام واقعات کے متعلق تیار کیا گیا اس کے حرف حرف کو صحیح اور درست کرنے کے بعد بھی خود میں نے اس کی اشاعت کو روک دیا۔ جن لوگوں نے جمعیۃ العلماء سے استعفے دیے اُن کے استعفوں کو بھی اس وقت نہ بھجوانے دیا۔ ہماری جماعت نے وائسرائے کے پاس جو وفد بھیجنے کا فیصلہ کیا تھا اُس میں بھی علاوہ مولانا حسین احمد صاحب اور دیوبند کے اکابر کے خود مفتی صاحب کو بھی شامل کیا۔ میں شام کے جلسے میں یوں بھی نہ آسکتا تھا، کیوں کہ علیل ہو گیا تھا۔ مفتی صاحب ان تمام بے ہودگیوں کے بعد اشک شوئی کے لئے میری عیادت کے نام سے تشریف لائے، اور میں نے انھیں ناشتہ کرایا اور وفد میں جانے کے لئے نواب اسمٰعیل خاں نے اُن سے کہا اور اُنھوں نے اقرار کیا۔ مگر دوسرے دن یہ لکھ کر علیحدہ ہو گئے کہ شام کو میری جماعت "جمعیت" نہیں، اس لئے کہ اس نے اس کے خلاف کوئی قرارداد نہیں کی) نے کہا کہ تم نہ جانا۔ تاہم میں

نے ان سے احکام شریعت در بارۂ نکاح حاصل کئے، اور گو مولانا حسین احمد صاحب اور مولانا عنایت اللہ صاحب کے بیانات نے جو بے حد مفصل اور مرتب تھے مجھے اس سے مستغنی کر دیا تھا، تاہم میں نے بار بار مفتی صاحب سے ان کے بیان کا تقاضا کیا اور ان سے باوجود اپنی علالت کے ملنے گیا۔ مولانا حسین احمد صاحب شاہجہاں پور جا رہے تھے، اور وہاں کئی روز وعظوں میں مصروف تھے، تاہم میرے اصرار پر تشریف لائے اور اسٹیشن سے سیدھے گورنمنٹ ہاؤس چلے گئے مولانا حبیب الرحمٰن صاحب مرحوم نے آنے کا وعدہ فرمایا تھا، مگر مرض الموت نے نہ آنے دیا تو طبیب کو اپنی جگہ بھجوایا۔ لیکن مفتی صاحب اور ان کے حواریوں کا رویہ دیکھئے کہ مولانا عبدالحلیم صدیقی نے ایک تقریر فرمائی جس میں ارشاد فرمایا کہ خدا را ہمیں گورنمنٹ کے آستانہ پر سر جھکانے کے لئے نہ لے جایئے، ہم پر رحم کیجئے (حالانکہ احمد سعید Age of Consent Committee کے سامنے غلط سلط شہادت دینے کے لئے بلا تامل چلے گئے تھے) بہار کے سجاد نے ہم پر وائسرائے کی دست بوسی کی تہمت لگائی اور احمد سعید نے بھی الجمعیۃ میں دروغ بافیوں کا عرصہ تک سلسلہ جاری رکھا (جو حقیقۃً آج تک جاری ہے) آپ کو معلوم ہے کہ مسلمان ہم دونوں بھائیوں کو بے کار سمجھ کر سارا کام ہمیں پر چھوڑ دیا کرتے ہیں۔ مگر یہ سن کر آپ کو بھی حیرت ہوگی کہ مفتی کفایت اللہ صاحب کو اسی جاہل مطلق نے جا کر سوتے سے جگایا تھا اور ہمدرد میں میرا ہی مضمون اواخر مارچ ۱۹۲۸ء میں اس بل کے خلاف شائع ہوا تھا اور اسی کو لے کر میں صدر جمعیۃ العلما کی خدمت میں خود حاضر ہوا تھا، اور اس پر بھی ان کی غفلت کا وہ عالم رہا کہ نہرو رپورٹ کے معاملے میں تو یہ اس کی تائید میں درپردہ کوششیں کر رہے ہیں مگر شریعت کی حرمت برقرار رکھنے کے لئے انھوں نے سارڈا بل کے منظور

ہو جانے تک اس قدر کم کام کیا کہ نہیں کرنے کے برابر ہے۔ بہرحال اب باوجود نقاہت اور اعصاب کی اس حالت کے اور بخار جاڑے کے دو تین دن میں میں نے Age of Consent کمیٹی کی رپورٹ پڑھی اور ۲۵ ٹائپ کے صفحات کا تحریری بیان تیار کیا۔ اور ساری رات اور سارے دن خود ہی جاگ کر اور آرام لئے بلکہ کھانا کھائے بغیر اسے ٹائپ کر کے ایک دن پہلے وائسرائے کے سکرٹری کو دے آیا مسلمانوں کی قوم میں ایک ٹائپسٹ بھی نہ ملا کہ اس کام کو کرتا۔ تین بجے شام کے یہ بیان وائسرائے کو ملا۔ بے چارے کو گھنٹہ بھر بھی اس کے دیکھنے کو نہ ملا ہوگا۔ دوسرے دن گیارہ بجے وفد پہنچا۔ جو جواب دیا اس کا جواب ہمارے تحریری بیان میں پہلے سے موجود تھا۔ جب اس نے کہا کہ آپ کے بیان پر میں اس وقت تک صرف ایک سرسری نظر ڈال چکا ہوں تو میں نے اس اقبال سے فائدہ اٹھایا اور کہا کہ آج ہم آپ سے جواب لینا نہیں چاہتے۔ جب آپ اسے دوبارہ اچھی طرح پڑھ لیں گے تو آخری جواب اس وقت لیں گے۔ چنانچہ ۱۵ نومبر کو باوجودیکہ وہ اسی دن دکن کے دورہ پر جا رہا تھا، ڈیڑھ گھنٹہ اس سے مفصل اور صاف صاف گفتگو رہی، اور وہ قائل ہو گیا کہ ہم اپنے عقائد اسلامی پر قائم رہتے ہوئے اس قانون کو قبول نہیں کر سکتے، گو ہنود کے باعث اپنی مجبوری کا بھی اظہار کیا۔ (اس کو رازہی میں رکھئے) دوسرے ہی دن نواب صاحب بھوپال سے ملا اور کہا کہ اگر محمد علی نے Test Case اس بنا پر جیت لیا کہ میں نے جس بل کے پیش ہونے سے پیشتر اس کے پیش ہونے کی اجازت دی تھی (جس کے بغیر کسی کے مذہب یا مذہبی رسوم و رواج کے متعلق کوئی مسودہ پیش ہی نہیں ہو سکتا) وہ صرف ہنود کے لئے تھی، تو میرے ہاتھ مضبوط ہو جائیں گے اور مسلمانوں پر اس کا نفاذ کسی دوسرے بل کے ذریعے سے نہیں ہونے دوں گا۔ میں وائسرائے سے ملنے سے پیشتر مفتی

صاحب اور احمد سعید کے سامنے مسجد جامع میں مسلمانوں کو جتا گیا تھا کہ کیا کہنے جا رہا ہوں اور واپس آکر مسجد جامع میں نماز مغرب سے قبل جو گفتگو ہوئی تھی سب دوہرا دی اور دونوں کو گھر سے بلوا کر اُنھیں کے سامنے سب کچھ کہا۔ تاہم اُن کی حرکات ملاحظہ ہوں کہ ایک مجلس ناموس تحفظ شریعت بناتے ہیں جس میں نہرو دانی جماعت کے حبیب الرحمٰن لدھیانوی، نعیم اور ظفر علی خاں تک ہیں، لیکن میرا نام تک نہیں۔ ان کی بے سود تجاویز کی میں نے مخالفت نہیں کی، گو اسے بے سود اور غیر موثر سمجھا، تاہم مجھے بدنام کیا گیا پھر جب اس سے بھی کام نہ نکلا تو جلوس نکالا۔ مجھ سے آکر ملے اور امداد چاہی تو میں نے اس جلسہ میں بھی ان کی صدارت میں تحریک پیش کی، گو انھوں نے میری رائے پر عمل نہ کیا اور جلوس کو چیف کمشنر اور ڈپٹی کمشنر کی کچہری تک نہ لے گئے۔ اس کے بعد ان حضرات کے پاس کچھ نہ تھا۔ میرے گھر آتے میں نہ تھا۔ دوسرے دن میں اسمٰعیل خاں اور شفیع کو لے کر ان کے گھر گیا تو اُنھوں نے کہا کہ اب سمجھ میں نہیں آتا کہ کیا کریں؟ تب میں نے وہی تدبیر بتائی جو میں اندر رہی کے قیام میں طے کر چکا تھا کہ اس قانون کی خلاف ورزی کی جائے، مگر اس طریقے پر نہیں جس سے شریعت بدنام ہو، یعنی محض خلاف ورزی کی خاطر بلا ضرورت گڈے گڑیا کا بیاہ کرنا، بلکہ جس لڑکے کو جس کی عمر ۱۹ یا ۲۰ سال کی ہو" تو نان" کے باعث نکاح کی ضرورت ہو اور وہ اس حالت میں فرض یا کم سے کم واجب ہی ہوتا ہو، ایک ۱۵ یا ۱۶ برس کی تندرست اور بالغہ لڑکی سے اس کا نکاح کرا دینا، یا نابالغہ کا نکاح اُس کے ولی کے حکم سے کرانا جب کہ اسے اپنی عمر یا سفر کے باعث اندیشہ ہو کہ اگر وہ مر گیا تو لڑکی یا اُس کا مال و متاع خراب لوگوں کے ہاتھ میں پڑ جائے گا اور اس لئے وہ اس کے خسر وغیرہ کے سپرد کرنا چاہتا ہے۔ یا ایسی حالت میں جب کہ لڑکی کی ماں زندہ نہیں ہے یا بڑی بہن کی شادی ہونے کے بعد وہ رخصت کر دی جائیگی

اور اس کی تربیت کے لئے سُاس کے سوا کوئی عورت میسر نہیں ہے، یا ولی اس قدر غریب ہے کہ بچی کی پرورش نہیں کر سکتا، اور سسر کے حوالے کرنے کے سوا چارہ نہیں۔ صرف انھیں حالتوں میں نکاح پڑھوا کر اور رخصت کرا کے سارد ا ایکٹ کی خلاف ورزی کی جائے۔

(یہاں تک مولانا کے ہاتھ کا لکھا ہوا ہے۔ اس کے آگے خود لکھنا ممکن نہ ہوا، آگے کسی اور سے لکھوایا ہوا ہے۔)

یہاں تک ۱۱ اپریل کو لکھا جا چکا تھا، اگر اتنا لکھنے کے بعد اس قدر تھک گیا کہ دوسرے دن کے لئے مجبوراً ملتوی کرنا پڑا۔ لیکن دوسرے دن آنکھوں کے Specialist کے پاس گیا اور اس نے بہت محنت کے ساتھ آنکھوں کا معائنہ کرنے کے بعد کہا کہ بائیں آنکھ تو بالکل جا ہی چکی ہے اس سے بالکل مایوس ہو جانا چاہئے لیکن سیدھی آنکھ کی حالت بھی نہایت خطرناک ہے۔ معلوم ہوتا ہے آپ نے حال ہی میں نگاہ پر زیادہ زور ڈالا ہے یا جوش کی حالت میں کسی سے باتیں کی ہیں اس لئے کہ خون کی ایک دو پھٹکیں تازہ نظر آ رہی ہیں غالباً یہ اسی عریضے کے متعلق ڈاکٹر کا خیال تھا یا ایک اور خط کے متعلق جس کی نقل آپ کو بھیج رہا ہوں جو میں نے سیرد کو خود ہی بیٹھ کر مسلسل چھ گھنٹے میں ٹائپ کیا تھا۔ بہرحال ڈاکٹر کا بیان ہے کہ آنکھ کی Blood Vessel دیواریں پھٹنے کے بعد اب اتنی کمزور ہو گئی ہیں کہ اب ہر وقت دوبارہ پھٹنے کا اندیشہ ہے اس وقت تک خدا کا بڑا فضل ہوا ہے کہ گو ہر طرف خون کی چند پھٹکیں موجود ہیں جو بصارت کو دھندلا کر رہی ہیں مگر بیچ کے دائرے میں جسے Macula کہتے ہیں ایک پھٹک بھی موجود نہیں ہے اور جو کچھ ہے وہ اسی آنکھ کی بصارت ہے اگر آپ نے لکھنے پڑھنے کا کام جاری رکھا یا تقریر کی تو نہیں کہہ سکتا کہ چند سکنڈوں

یا چند منٹوں میں یا چند گھنٹوں میں آپ بالکل اندھے ہو جائیں۔ آپ کی آنکھ کے لئے کوئی
دوا نہیں ہے جو مفید ثابت ہو سوائے اصل مرض کے علاج کے جو ذیابیطس ہے
اور سال دو سال کے مسلسل آرام کے ہیں تو کہوں گا کہ آپ نوکر کو بھی کمرے میں سے نہ
پکارا کریں بلکہ اسے کمرے ہی میں بیٹھے رہنے دیں تاکہ اشارے سے بلا سکیں۔
اس لئے کہ اس کو پکار کر بلانے سے بھی آنکھ کے کسی نہ کسی Blood Vessels
کے پھٹنے کا اندیشہ ہے اگر Hemorrhage ہو گیا اور خون کی پھٹک آنکھ کے
سامنے آگئی تو آپ بالکل اندھے ہو جائیں گے۔ کامل ایک گھنٹے کے امتحان کے بعد
ہندوستان کے سب سے بڑے Eye Specialist کی یہ رائے ہے مجبور
ہو کر سب کام چھوڑنا پڑا ہے مگر ڈاکٹر نے جو مزید شرط لگائی ہے کہ تفکرات کو دور
رکھو اس کا کیا انتظام کر سکتا ہوں۔ بالخصوص اس زمانے میں جب کہ بظاہر ہندوستان
اور بالخصوص مسلمانان ہندوستان کی قسمت کا فیصلہ ہونے والا ہے، وہ مسلمان جو
ہماری قید و بند سے بھی متاثر ہو کر ہماری منت و سماجت پر ہم سے متفق نہیں
ہوتے تھے اور انگریزوں کی غلامی ترک کرکے ہندوؤں سے مصالحت کی طرف مائل
نہیں ہوتے تھے ان میں سے بعض باوجود ہماری آج کل کی منت و سماجت کے
ہندوؤں کی غلامی کی طرف جھپٹے چلے جا رہے ہیں اور صرف اس لئے کہ وہ آج
ہندوؤں کے پروپیگنڈا سے مرعوب ہیں اور سوچ رہے ہیں کہ اگر ہندو اس جنگ
میں جیت گئے تو ہمارا کیا حشر ہوگا۔ اور ان شیاگربی سورماؤں کو اپنی حفاظت
کا سوائے اس کے کوئی طریقہ نظر نہیں آتا کہ علی برادران پر حملہ کریں ان بزد آزماؤں
کو اس کا بھی خیال نہیں کہ وہ ایک مریض پر بھی جو ان کا جواب نہیں دے سکتا متواتر
حملے کر رہے ہیں اور اس کے خلاف گندے سے گندہ اور جھوٹے سے جھوٹا پروپیگنڈا
کر رہے ہیں۔ اور لطف تو یہ ہے کہ حاملین شریعت حقہ یعنی علمائے کرام ان بزد آزماؤں

کے قائد اور رہنما ہیں اور "الجمعیۃ" کے کالم اس کے لئے وقف ہو گئے۔ اب ان جملہ ہائے معترضہ کو میں یہیں ختم کرتا ہوں اور اپنے عریضے کا سلسلہ دوبارہ شروع کرتا ہوں میری بتائی ہوئی تدبیر پر خوب جرح و قدح کی گئی اور جو تدبیریں اور بتائی جا رہی تھیں یعنی شراب کی دوکانوں پر Picketing وغیرہ اس پر بھی غور کیا گیا اور آخر کو یہی طے پایا کہ دہلی میں ہم سب مل کر متفقہ طور پر متذکرہ بالا قسم کا ایک نکاح پڑھوا کر شاردا ایکٹ کی خلاف ورزی کریں اور جب ہم پر مقدمہ چلایا جائے تو عذر پیش کریں۔ اس قانون کا نفاذ مسلمانوں کے خلاف نہیں کیا جا سکتا۔ اس لئے یہ ہماری شریعت کے خلاف ہے اور ایسے قانون کو مجالس مقننہ میں پیش کرنے سے پہلے گورنر جنرل سے

(مکتوب اسی مقام پر 'ناتمام' اچانک ختم ہو گیا ہے۔ اس کے آگے کے فقرے پھر مولانا کے ہاتھ ہیں۔)

برادرم۔ ایک اپاہج بھائی سے جس قدر لکھا یا لکھوایا جا سکا، کیا گیا۔ مگر اتنے دن کے انتظار کے بعد مجبور ہو کر اس عریضے کو اسی طرح ناتمام بھیج رہا ہوں میری آخری تحریر ہے۔ آخری تحریر بی اماں کے مولد امروہے میں ۳، ۴، ۵، کو کروں گا۔ براہِ کرم وہاں تشریف لے آئیے۔ کانپور آنے کا وعدہ فرمانے کے باوجود انتظار ہی دکھایا۔ اگر میں واقعی اب بھی اس قابل ہوں کہ آپ جیسا مسلمان مجھ سے مل سکے تو ضرور آئیے۔

آپ کا اپاہج بھائی
محمد علی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

۲۳ مئی ۱۹۳۰ء　　　　اقبال منزل۔ قرول باغ۔ دہلی

برادرم ماجد میاں صاحب۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

ایک نہایت ہی طویل مگر اپنی بینائی کے باعث ناتمام عریضہ مدت ہوئی ارسال کر چکا ہوں مگر اب تک رسید نہیں ملی کانپور[1] آنے کا وعدہ کرکے نہ آئے۔ حالانکہ اس وعدے میں بھی مجھ سے علیحدگی کا اعلان[2] تھا۔ اب امروہے[3] بلایا تب بھی نہ آئے۔ سنا ہے بہن[4] کی طبیعت نادرست ہے۔ اگر یہ ہے تو دست بہ دعا ہوں گو ع

کیا کہوں میری دعا بھی تو نہیں ہو مقبول

ورنہ خود حالت اس قدر خراب کیوں ہوتی۔ گلنار[5] کا نکاح چھ بجے شام کو تاریخ ۲۹ ذی الحجہ ۲۹ مئی قرار پایا ہے۔ معہ بہن اور بچوں کے تشریف لائیے۔ آپ کا سخت انتظار ہے۔ علیا حضرت بیگم صاحبہ بھوپال کا انتقال ہوگیا۔ عالی حضرت نواب صاحب رام پور سخت علیل ہیں۔ مگر اپنی مجبوریوں کے باعث معذور ہوں۔ یہ سنت مارچ سے ٹلتے ٹلتے آخر مئی تک آ پہنچی ہے۔ تشریف آوری کے وقت سے مطلع فرمائیے۔

ہمدرد کے نام چیک آنا تھا جو بند ہوگیا۔ تعجب ہے کہ چیک میرے نام جاری نہ ہوا۔

آپ کا بھائی

محمد علی

---

[1] جدید جمعیۃ علما کے افتتاحی جلسے میں

[2] مکتوب الیہ نے صرف اس قدر لکھا تھا کہ کانپور آنے کو حاضر ہوں۔ مگر محض آپ کی ذات سے نیازمند ہونے کی حیثیت سے، قومی خدمت سے معافی چاہتا ہوں۔

[3] امروہے میں بھی جدید جمعیۃ العلما کا اجلاس تھا۔

[4] مکتوب الیہ کی بیوی　　[5] مولانا کی سب سے چھوٹی صاحبزادی۔

(۴۷)

۳۰ر جولائی ۱۹۳۰ء — ڈونارڈ لاج، کارٹ روڈ شملہ

برادرم محترم، السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

ہو چکیں غالب بلائیں سب تمام
ایک مرگِ ناگہانی اور ہے

میرے امراض کی فہرست یوں بھی طویل ہو چکی تھی۔ صرف مرگِ ناگہانی کا انتظار اور تھا۔ اب قلب پر بھی سیاح کا بار بار حملہ ہو رہا ہے اس نے مرگِ ناگہانی کا بھی انتظام کر دیا[۱]۔ ارادہ تو کر چکا تھا کہ گلنار کے عقدِ نکاح کے بعد ہی یہاں آجاؤں گا مگر ایک دہلی کی نالش نے ۱۵ دن تک روکے رکھا۔ ۱۵ر کو چل کر ۱۶ر اپریل کو یہاں پہنچا۔ راستے میں درد اٹھا۔ دوسرے دن یہاں بھی شب کو وہی حالت رہی۔ تیسرے دن صبح کو بھی وہی حالت تھی۔ ڈاکٹر کو بلایا۔ اب طبیعت کسی قدر ٹھہری ہے۔ میں اب ظفر الملک صاحب کے مضامین اور عطاء اللہ کی تقاریر اور کفایت اللہ صاحب و احمد سعید صاحب کی سازشوں کے جواب دینے کے قابل کہاں جو جلسوں میں شریک ہوں۔ ڈیڑھ ماہ آرام اور کچھ کام کی غرض سے یہاں آیا ہوں۔ آسکیے تو یہاں آئیے تاکہ دل کھول کر باتیں ہوں۔

آپ کا عقیدت مند بھائی

محمد علی

---

۱ عین اسی زمانے میں بعض شریف مسلمان تخلص اخباروں میں اس منتظرِ موت، ضعیف و ناتوان کی علالت پر بھی مضحکہ ہو رہا تھا۔

(۲۸)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

۲۰ ستمبر ۱۹۳۰ء[1]

گیسٹ ہاؤس۔ بھوپال

برادرم محترم۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ،

آپ کا محبت نامہ ۲ اگست مجھے کوئی ۱۰ اگست تک غالباً مل گیا تھا۔ لیکن چونکہ محض عیادت نامہ نہ تھا، بلکہ سیاست نامہ[2] بھی تھا، اس لیے جواب کی ہمت اس وقت نہ کر سکا اور ڈاکٹر عبدالرحمٰن کے حکم سے اس موقع تک انتظار کیا جبکہ خود گھنٹہ آدھ گھنٹہ بیٹھ کر خط لکھنے کے قابل ہو جانے کی امید تھی۔ جوں ہی حالت اس قابل ہوئی سیدھی آنکھ نے بھی تقریباً جواب دے دیا اور جس بیمار کو نہ نواب صاحب رامپور اور شوکت صاحب کی طلبی پر رام پور جانے سے ڈاکٹر صاحب نے روک دیا تھا، اور نواب صاحب بھوپال نے معذرت کا تار بھیج کر اس کی وجہ بیان کر دی تھی، اس کو دوسرے ہی دن بمبئی بھاگنا پڑا کہ ڈاکٹر حشم کو پھر

---

[1] یہ پورا مکتوب، مولانا کے ہاتھ کا نہیں، کسی سے لکھوایا ہوا ہے۔ صرف آخر میں دستخط مولانا کے قلم کے ہیں اور افسوس کہ یہی مکتوب مولانا کا آخری مکتوب، مکتوب الیہ کے نام ہے۔

[2] یہ وہ زمانہ ہے جب مولانا شدت سے علیل ہیں اور ساتھ ہی خود اسلامی پریس میں ہر طرح کے مطاعن اور اتہامات کے ہدف۔

آنکھ دکھائے، اور بالکل اندھا بننے سے بچ سکے۔ اسی دن سے آج تک آنکھ اس قابل نہیں ہے کہ کچھ بھی لکھ پڑھ سکوں، دوسروں کا محتاج۔

آپ نے میری صحت کے متعلق ۲ اگست کو لکھا تھا کہ "میری دعاؤں سے خدا خدا کرکے آپ کے افاقہ کی خبر سنائی دی" یقیناً میری بیماری میں افاقہ ہوا تھا، مگر نہ اس قدر کہ جتنا عام طور پر سمجھ لیا گیا۔ اور حقیقتہً زیادہ تر زائد حصہ خود شملے کی بلندی سے نزول تھا۔ سولن پہنچتے ہی جب کہ ہوا اس قدر رقیق نہ رہی، اس سے زائد افاقہ ہو گیا، اور پہلی بار اتنی بھوک لگی کہ میں نے دوسروں کو چائے پیتے دیکھ کر خود بھی ایک پیالی چائے مانگی۔ باقی افاقہ پلنگ پر پڑے رہنے سے ہوا شاید کسی قدر دواؤں سے بھی ہوا ہوگا۔ رہا دعاؤں کا معاملہ، میں کب آپ کی دعا کی تاثیر کا قائل نہ تھا، البتہ اگر اب بھی صاحب فراش ہوں، تو ممکن ہے کہ ... [1] تو نہیں، مگر شاید ... [2] کی مقدس ہستیوں کی آپ کی دعاؤں میں شرکت کا اثر ہو۔

اگر آپ کو افاقے کے متعلق غلط فہمی نہ ہوئی ہوتی، تو آپ ہرگز مجھ سے نہ پوچھتے، کہ میں ۱۵ اگست کو لکھنؤ آ رہا ہوں یا نہیں[3]۔ "شدر حال" اب تو میرے مذہب میں گول میز کانفرنس ہی کی شرکت کے لئے جائز رہ گیا ہے، جس کے متعلق ابھی عرض کر دوں گا۔ میں آج ہی معہ اپنی اہلیہ کے دہلی جانا چاہتا تھا تاکہ رخت سفر باندھ سکوں لیکن گزشتہ دو ہفتوں میں خون کا دباؤ کسی قدر بڑھا رہا، اور ضیق النفس بھی کسی قدر رہا۔ اس کے باعث ڈاکٹر عبدالرحمن صاحب نے پھر حکم امتناعی جاری کر دیا اور اب صرف میری اہلیہ دو ایک دن میں چلی جائیں گی۔ ارادہ

---

[1] ایک مقام کا نام [2] ایک اور مقام کا نام
[3] غالباً مرکزی خلافت کمیٹی کا جلسہ تھا۔

تھا کہ رام پور جاتے وقت آپ کو تار دے کر کم از کم وہیں بلا لوں، اور نہ معلوم واپسی ہو[51] یا نہ ہو، چلتے وقت آپ سے مل لوں لیکن آپ سے اتنا قرب بھی اسی طرح ممکن ہو سکتا ہے کہ آپ بھوپال تشریف لائیں اور خلافت کمیٹی کے جلسے میں جو ۲، اور ۳، اکتوبر کو ہونے والا ہے بمبئی جا کر شریک ہوں۔ میں انشاء اللہ ۲۹ ر۔ ۳۰ تک بمبئی چلا جاؤں گا۔ بشرطیکہ گول میز کانفرنس کے التوا کا حکم نہ آیا براہِ کرم ضرور آ کر مل لیجئے، گو اب میں بزدل اور غدار ہوں اور آپ کے [52] . کی طرح ایسا ہند پرست نہیں رہا جیسا کہ وہ دو تین سال پہلے مجھ کو کہتے تھے تاہم چونکہ آپ کو نہ صرف [53] . سے بلکہ . [54] . سے بھی عقیدت ہے۔ اس لئے بزدلوں اور غداروں سے ملنا بھی آپ کے مذہب میں ناجائز نہ ہوگا . . . . پانیر[55] میں جو مضمون نکلا تھا وہ خود لغو تھا، اور اس کا لکھنے والا بھی لغو۔ یہ ایک متعصب ہندو کا لکھا ہوا ہے جو ان بزرگوں کی طرح سے خوب جانتا ہے کہ جینا اور سر محمد شفیع بھی خریدے جا سکتے ہیں، مگر محمد علی انمول ہے۔

آپ جس طرح مذہب کے بارے میں اب تک صراطِ مستقیم پر نہ پڑ سکے اور آپ کی زندگی میں اس کے پہلے حصے کی فلسفیت کے خلاف ابھی تک ردِ عمل جاری ہے اور آپ سائنس کو حرام سمجھتے ہیں[56]۔ اسی طرح آپ اب تک سیاست میں

---

[51] اپنی موت کے قرب کا احساس۔

[52] ایک مشہور بزرگ قوم کا نام۔

[53] ایک مقام کا نام۔

[54] ایک اور مقام کا نام

[55] ۱۰ر جولائی کے پانیر میں مولانا پر ایک مفصل مضمون کسی کا نکلا تھا جس میں مولانا کو بہترین مگر ناکام ترین لیڈر دکھایا گیا تھا، مکتوب الیہ نے اپنے خط میں اس مضمون کی فی الجملہ داد دی تھی۔

[56] یہ صرف مولانا کا خیال تھا واقعہ یہ نہیں۔

بھی صراطِ مستقیم پر نہ پڑ سکے۔ تہذیبِ مغربی کی بے ہودگیوں اور مغربی استعمار کے خلاف ابھی ردِ عمل جاری ہے اور وہ ہنود کی تنگ دلی اور تعصب کو ایک بڑی حد تک آپ کی آنکھوں سے چھپائے ہوئے ہے۔ یہی وجہ ہے کہ آپ نہ پانیر کے مضمون نگار کی خبیثلنت[1] کو پہچان سکے اور نہ ستیہ گرہیوں کی روزانہ دروغ بافی کو۔

میرے اسمبلی کے انتخاب کے متعلق آپ نے جو کچھ تحریر فرمایا ہے[2] اس سے مجھے اندیشہ ہوا کہ آپ نہ صرف زمیندار وغیرہ پر اعتراض کر رہے ہیں، بلکہ مجھ سے بھی استفسار کر رہے ہیں کہ کیا واقعی تم اسمبلی میں شریک ہوگے۔ حقیقۃً میرے قلب کی حالت نہ اُس وقت ایسی تھی کہ میں سکون کے ساتھ ان چیزوں کے متعلق لکھ سکتا نہ اب پوری طرح اس قابل ہوا ہوں کہ سکون کے ساتھ ان کے متعلق کچھ لکھوا سکوں۔ آپ کو شاید یہ سن کر حیرت اور افسوس دونوں ہوں، کہ میں نے اپنے دو دوستوں کو اس کی اجازت رہن ہسپتال ہی میں دے دی تھی، جہاں کہ بسترِ مرض ذرا سی دیر میں بسترِ مرگ ہو سکتا تھا، کہ اگر وہ چاہیں، تو مجھے اسمبلی کا ممبر منتخب کر سکتے ہیں۔ واقعہ یہ تھا کہ میں اب اس رائے پر پہنچا تھا، کہ اگر نیا دستورِ اساسی ایسا بن گیا کہ اس میں اسمبلی کو حقیقی آزادی مل گئی تو میں بھی اس میں شریک ہو جاؤں گا، گو اس وقت تک میں مولانا . . . صاحب کی طرح شرکت جائز نہیں سمجھتا۔ ایک زمانے میں مولانا حسین احمد صاحب میرے ہم خیال تھے اور جمعیۃ العلماء کی مجلس انتظامیہ میں میرے ہی کہنے سے جیل سے چھوٹتے ہی انھوں نے ایک تحریک سوراجیوں کے نقطۂ نظر کے

---

[1] یہ لفظ مکتوب الیہ نے رکھ دیا ہے۔ مولانا کا لفظ اس سے زیادہ کریہہ تھا۔

[2] لیڈر، ٹریبیون، وغیرہ ہندوؤں کے انگریزی اور اردو کے روزناموں کے حوالے سے بعض اسلامی روزناموں نے بھی یہ خبر پھیلانی شروع کر دی تھی کہ مولانا اسمبلی کی ممبری کے امیدوار ہیں، اور اس کے بعد صدارت کے۔

خلاف پیش کرنا چاہی تھی جس سے کفایت اللہ نے (آپ [1]. اور [2]. کی دروغ بافیوں پر تو معترض ہیں . . . کفایت اللہ صاحب اور الجمعیۃ کی افترا پردازیوں کے متعلق نہ آپ نے کبھی کچھ لکھا اور نہ مولانا حسین احمد صاحب نے) ٹال دینا چاہا تھا۔ دو سال بعد . . . صاحب[3] اور ان کے . . . احمد سعید نے مولانا حسین احمد ہی سے ایک رزولیوشن تیار کرا کے جمعیۃ العلما کے جلسۂ انتظامیہ میں پاس کرا ہی کے چھوڑا جس میں سر کے گرد ہاتھ گھما کر ناک پکڑی گئی تھی، اور اسمبلی اور کونسلوں میں شرکت کے جواز کا فتوے دار الافتراء سے شائع کیا گیا تھا، خیر یہ پرانی بحث ہے۔ میں مسلمان ممبران اسمبلی کی بے اصولیوں اور نفس پروریوں سے اتنا تنگ آگیا تھا، کہ نواب اسمٰعیل خاں اور شفیع داؤدی صاحب کے اصرار سے اور جمعیۃ اور خلافت والوں کے کہنے سے میں نے اسے قبول کر لیا تھا کہ اگر دستور اساسی کی بنیاد حقیقی آزادی قرار پائی تو میں شریک ہو کر ان کے دوش بدوش تحفظ اسلامی اور اتحاد ملل ہند کے لئے جدوجہد کروں گا۔ میں خود وائسرائے کو رائے دے چکا تھا کہ انتخاب گول میز کانفرنس کے بعد کیا جائے لیکن شملے میں جب کہ میری حالت بہت خراب تھی، مجھے اطلاع ملی کہ انتخاب ابھی ہوگا۔ اس پر میں نے فیصلہ کیا کہ اگر میرے دوست ضرورت سمجھیں تو میرا انتخاب کرا دیں۔ لیکن چونکہ پہلا اجلاس گول میز کانفرنس کے بعد ہوگا، میری شرکت اس پر منحصر ہوگی کہ دستور اساسی آزادی پر مبنی ہو۔ یہ تھی کل حقیقت لیکن آپ کے ستیہ گرہیوں نے اس پر اسپیکری وغیرہ کا قصر تیار کر دیا۔

---

[1] و [2] دو روز ناموں کے نام ہیں۔

[3] مفتی صاحب کا ذکر ہے

چوں ندیدند حقیقت رہ افسانہ زدند

بلکہ واقعہ تو یہ ہے کہ حقیقت کو دیکھتے ہوئے بھی یہ مفتری افترپردازی سے باز نہیں آتے، اور افسانہ گوئی کے بغیر رہ نہیں سکتے۔

انقلاب میں جو مکتوب شائع ہوا تھا، وہ میری درخواست کے ایک ماہ سے زائد کے بعد شائع ہوا۔ میں تو ہمدرد کو بند کرکے مہر سکوت اپنے ہونٹوں پر لگا چکا تھا، لیکن اس ملت مرحومہ کی مردم شناسی کو کیا کہا جائے، الجمعیۃ اور زمیندار وغیرہ کی افترا پردازیوں کے بعد مجبور ہو کر یہ خط سالک صاحب کو لکھنا پڑا اور ان سے درخواست کی گئی کہ وہ اس میں فراہم کردہ مواد کو اپنے دو ایک مضمون میں شائع کردیں، جو انھوں نے نہیں کیا۔

اب شرکت (گول میز) کانفرنس کے متعلق کچھ مواد[1] آپ کو بھیج رہا ہوں کہ آپ اسے اپنے کسی مضمون میں شائع کرادیں۔ میں نہیں چاہتا کہ میرا اصلی خط داشرا کے نام کا شائع کیا جائے، تاآنکہ اشد ضرورت نہ ہو، مگر اس کا سارا مواد آپ حرف حرف شائع کرسکتے ہیں اور یہ بھی لکھ سکتے ہیں کہ ان خیالات کا اظہار میں نے اُن حلقوں میں کردیا ہے، جہاں سے دعوت آئی تھی۔

پاؤں میں پہلے سی حس نہ تھا، اب حالت کچھ بدتر ہی ہے اور سردی میں ہر وقت گنگرین اور پاؤں کی قطع و برید اور اسی طرح موت کا اندیشہ رہے گا جس سے ڈاکٹر انصاری کے مرحوم و مغفور منجھلے بھائی صاحب کو دوچار ہونا پڑا۔

اب تک صاحب فراش ہوں۔ کانفرنس کے روزانہ اجلاس میں نہ صرف ہندوؤں اور انگریزوں بلکہ سب سے زیادہ خود مسلمان بھائیوں سے ایک ایک

---

[1] مکتوب الیہ نے لکھا تھا کہ لوگ طرح طرح کے اتہامات لگا رہے ہیں آپ خود خاموش رہنا چاہتے ہیں تو مضائقہ نہیں لیکن اپنے متعلق صحیح معلومات بلینا اس نیاز مند کے پاس کبھی کبھی بھیجا بار

ہندوؤں اور انگریزوں بلکہ سب سے زیادہ خود مسلمان بھائیوں سے ایک ایک نقطہ پر جنگ کرنی پڑے گی۔ ان تین محاذوں پر جنگ کرنے میں ہر وقت دل کی حرکت یکایک بند ہو جانے کا اندیشہ ہے سب سے زاید یہ کہ اب لکھ پڑھ نہیں سکتا۔ کامل نابینائی کا ماہر علاج چشم نے پورا الیقین دلا دیا ہے، کہ اگر میں سب کام چھوڑ کر نیپال جیسے ملک کو نہ چلا جاؤں، جہاں دنیا کی کوئی خبر نہ ملے لیکن اس پر بھی میں سمجھتا ہوں کہ میرا مذہبی فرض ہے کہ اس کانفرنس میں شریک ہوں اور وہاں سلطان جابر اور رعایا جابر دونوں کے سامنے کلمۂ حق کہہ کر سب سے افضل جہاد کروں[ل] تا آنکہ اس کام میں مر جاؤں۔ اس لئے قرض دام کر کے، بھیک مانگ کر، اور جس طرح بھی ہو سکے گا تین چار ہزار روپیہ فراہم کر کے اپنی اہلیہ کو بھی ساتھ لے چلوں گا۔ اس لئے کہ وہ زندگی کی ساری منازل و مراحل میں میری رفیق سفر رہی، جب منزل مقصود کے لئے احرام سفر باندھوں، تو چاہتا ہوں کہ وہ موجود ہو۔[ع] ورنہ لندن کا بدترین موسم ہے، اور ہر متمول انگریز اور میم انگلستان تک کو چھوڑ کر دوسرے ملکوں کو بھاگ جاتے ہیں۔ بہر حال وائسرائے کا دعوت نامہ اور میرا جواب ملفوف ہے۔ میرے خط بنام وائسرائے کو بہ طور خط کے نہ چھاپئے، اپنے مضمون میں آپ اس کے خیالات میرے ہی الفاظ میں شائع کر سکتے ہیں . . . . اس کے لئے بہتر اخبار ہو گا۔

جب آپ یہاں آئیں گے، تو آپ کو وہ خطوط دکھاؤں گا، جو مسلمانوں کی نمائندگی کے متعلق میں نے بستر پر سے بھی وائسرائے کو لکھے تھے۔ اب رخصت ہوتا ہوں۔ میری گستاخیوں کو معاف کیجئے اور میری کامیابی کے لئے

[ل] اشارہ ہے اُس حدیث نبوی کی طرف جس میں یہ ارشاد ہوا ہے کہ سب سے بڑا جہاد یہ ہے کہ سلطان جابر کے سامنے کلمۂ حق کہا جائے۔

[ع] اللہ اللہ یہ دردناک پیشین گوئی کیسی صحیح اتری۔

دعا کیجئے اور جلد آکر مجھ سے مل جائیے۔ میری اہلیہ کا بھی سلام قبول کیجئے اور اپنے گھر میں ہمارا اسلام شوق کہیے۔ اور بچیوں کو خوب پیار کیجئے۔

آپ کا گستاخ بھائی

محمد علی

اس کے بعد انیس صاحب کے ہاتھ کا لکھا ہوا کارڈ مورخہ ۳ اکتوبر بھوپال سے حسب ذیل ملا۔

یہ عریضہ حسب ارشاد جناب مولانا محمد علی صاحب قبلہ لکھ رہا ہوں صاحب موصوف یکم اکتوبر کا دن گزار کر شب کی گاڑی سے بمبئی روانہ ہوگئے۔ یہ فرمایا کہ جناب کو اور جناب قطب الدین عبدالولی صاحب کو اس امر کی اطلاع کردوں کہ ہر دو حضرات موصوف کے لئے دعا فرمائیں، اس لئے کہ مولانا ممدوح کی علالت کا سلسلہ روانگی کے وقت تک تھا گو کسی قدر سابقہ حالت سے مرض میں کمی تھی لیکن جدید شکایت ملیریا کی ہوگئی تھی جس سے ایک روز متلی کے باعث تکلیف رہی، مگر روانگی کے دن اس میں افاقہ ہوگیا تھا۔

(۱)

محفوظ علی صاحب بدایونی کے نام

۲۰ جنوری ۱۹۰۸ء

بروڈہ

برادرم

پانیر کا خط آیا ہے کہ نہیں معلوم آپ نے کتاب ریویو کے لئے کب بھیجی تھی۔ اس لئے میں نے لکھ دیا کہ خیراب پھر بھیجتا ہوں براہ کرم آج ہی ایک کاپی For Favour of Review لکھ کر پانیر کو بھجوا دو
امید ہے کہ تم ابھی زندہ ہو گے۔ میں کل صبح سدہ پور پہنچ جاؤں گا۔

محمدؐ

کیف کا مسدس ضرور لکھوا کر بھیج دو۔ بیوی گھڑی کا تقاضا کرتی ہیں گھڑی بغیر چین نہیں۔ گھڑی بغیر چین نہیں Chain کا لحاظ رہے

(۲)

۲۵ جنوری ۱۹۰۸ء

سدہ پور

برادرم

بڑا غضب ہوا جو سامان پکڑ ڈنڈا Catch Pole کے ہاں سے خریدا تھا وہ سدہ پور پہنچنے تک نہیں کھولا گیا۔ میں بڑودے ۲۲ تک رہا۔ ۲۳ کو سدہ پور پہنچا۔ اب جو سامان کھولتا ہوں تو ایک جوڑ چوڑی چادریں پلنگ کی ندارد۔ یہ میں نے اپنے واسطے لی تھیں اور ان کا بل علیحدہ معہ سر کے ۲ تکیوں، ۲ عدد غلافوں اور دو ٹرے Tray اور دو میز کی چادروں کے تیار ہوا تھا۔ میں نے آج پکڑ ڈنڈا کو لکھا ہے تم بھی اس سے مل لو اگر طبیعت درست ہو اور ایک جوڑ چادروں کا وصول کر لو کیونکہ اس کے آدمی نے غلطی سے Pack نہیں کیا، ایسا معلوم ہوتا ہے۔ میں بدھ کو صبح کو آؤں گا۔

محمد

(۳)

(بہ زمانہ ملازمت ریاست بڑودہ)

در ٹرین عازم بڑودہ

برادرم

اس وقت حیدرآباد سے آگے چل چکا ہوں، رات کے ساڑھے گیارہ بجے بڑوڈہ پہنچوں گا۔ اتوار اور پیر بڑودہ رہوں گا۔ منگل اور بدھ تمہارے نذر ہوں گے۔ مگر تم عبدالحق کو نہ جانے دینا اور خود زندہ رہنا۔ تم نے خوب خط لکھا ماشاء اللہ اللھم زد فزد۔

دلدادہ طالب دیدار

چھوٹا بھائی

محمد

(۴)

۲۲ر فروری ۱۹۰۹ء بڑودہ

برادرم

واہ اچھی خاموشی اختیار کی ہے۔ میں تو سمجھا تھا کہ چل دئیے سید واڑہ بدایوں کو۔ مگر ابھی فدا علی خاں کے نام خط آیا اس سے معلوم ہوا کہ آپ ہیں اور بمبئی کی گلیاں۔ سفید اور سبز اور سرخ گلیاں چھوڑ کر جانے کو جی نہیں چاہتا۔ میں سڑبوڑہ سے ۲۹ر جنوری کو چارج چھوڑ کر یہاں ۳۰ر کو آ گیا۔ ۴ر پھر بہانہ گیا مقدمے میں گواہی دینا تھی۔ ۱۰ر کو واپس آیا اس وقت یہیں ہوں اور فدا علی خاں کا دیوالہ نکال رہا ہوں۔ مکان شروع مارچ میں ملے گا۔ ہولی کی تعطیل ۵ر مارچ سے ہے ارادہ ہے کہ ۳ یا ۴ کو جا کر بیوی بچوں کو لے آؤں وہ بھی سدہ پور میں ہیں، میں ۲ ۵ر کو بڑودے میں ہی ہوں گا ضرور بالضرور آؤ۔ میل صبح کو پہنچتا ہے۔ اسٹیشن سے گاڑی یا ٹرام میں بیٹھ کر محمد واڑی کی طرف چلے آؤ فدا علی خاں کا مکان واڑہ یوں میں ہے تم سے ملنے کے لیے بے تاب ہوں۔ جلد آؤ اور حال سناؤ۔ میرے متعلق بہت کچھ ہوا مگر کوئی امر خلاف نہیں ہوا ہے۔ اطمینان ہے اور خدا پر بھروسہ۔ نقی کا روپیہ بھیج رہا ہوں ان کا ایک

خط نہایت بے جا تھا نہ میرے پاس آیا اس کا میں نے سوائے روپئے کے کوئی جواب دینا مناسب نہیں سمجھا ۔ انشاء اللہ آخر ماہ تک روپیہ پہنچ جائے گا۔

تمہارا مشتاق بھائی

محمد

(۵)

نوساری   ۱۴؍جنوری سنہ ۱۹۱۰ء

برادرم

تم سمجھتے ہوگے کہ ایک تار بھیج کر تمھارا بھائی تمھاری غم خواری کر چکا مگر یہ خیال اگر تم نے کیا ہے تو غلط ہے ہزار کوشش کی کہ تمھارا پتہ لگے مگر نہ لگا ورنہ ممکن تھا کہ اگست سے نومبر تک میں رام پور میں رہوں اور تم بدایوں میں اور ملنا نہ ہو سکے تمھارے پوسٹ کارڈ سے انکشاف حالات ہی نہیں بلکہ سینہ تنگ نائی بھی ہوئی۔ بیدل یہاں مجھ سے ملنے آیا تھا ہم دونوں مل کر تمھارے حال زار پر آنسو بہاتے رہے۔ مگر

عرفی اگر بہ گریہ میسر شدے وصال
صد سال می تواں بہ تمنا گریستن

خدا تم کو بھی صبر عطا کرے اس کے سوا کیا دعا کر سکتے ہیں تمھارے جانے کے بعد یہ ہوا کہ کونسل نے بالاتفاق رائے فیصلہ کیا کہ افیون کی کاشت کی کمی کے مسٹر محمد علی کسی طرح جوابدار نہیں ہیں۔ اس کے بعد میں نے اپنی ترقی کی درخواست دی۔ ٹالم ٹولا ہوتی رہی مگر اس عرصے میں مسٹر دت کا نزول ہوا اور دنگھتے کو ٹھیلتے کانپنا

ان کی رائے میری ترقی کے خلاف ہوئی اس لیے مجھے کوئی جواب نہ ملا۔ اس عرصے میں ٹائمز آف انڈیا میں چند مضامین میرے شائع ہوئے جن میں مسلمانوں کے حقوق کی بیردی کی گئی تھی اور مسٹر گوکھلے کی دوستی نما دشمنی کا پردہ فاش کیا گیا تھا۔ مسٹر ریٹ سخت ناراض ہوئے اور میرا جواب طلب کیا میں نے جواب اس قدر دندان شکن دیا کہ کچھ بن نہ پڑی۔ کونسل میں جواب پیش ہوا اور کچھ نتیجہ نہ نکلا سوائے اس کے کہ کام سرکلر شائع کیا جائے اور وہ بھی خفیہ کہ سرکاری عہدیداروں کو ایسے مضامین لکھنا مناسب نہیں ہے جن کی وجہ سے مختلف مذاہب اور اقوام میں مخالفت پیدا ہو چونکہ گورنمنٹ میں میرے لئے تحریک ہو رہی ہے میں رخصت لے کر رامپور گیا اور شملے ہوتا ہوا آگیا کرنل سر ڈنلپ سمتھ اور سر ہیرلڈ اسٹرٹ سخت کوشاں ہیں۔ اور ان شاء اللہ جلد نتیجہ نکل آئے گا۔ میرا تبادلہ محکمہ مال میں ہو گیا ہے مگر حکم ہوا کہ اگر تحصیلداری کا کام بھی نہ کیا ہو تو چھ مہینے کام کریں اور پھر اس ضلع میں نائب صوبہ کا چارج لیں۔ صرف دفع الوقتی کے لیے یہاں آگیا ہوں اور ایک مہینے سے کام کر رہا ہوں غالبا دو مہینے بعد نائب کا چارج مل جائے مگر خدا سے امید ہے کہ اس سے قبل ہی کچھ نتیجہ گورنمنٹ میں نکل آئے۔ سر ہیرلڈ اسٹورٹ کوشش کر رہے ہیں کہ سیکرٹریٹ میں کوئی عمدہ عہدہ دلا دیں خدا کرے جلد امید پوری ہو اگر چاہتا تو کچھ کام نہ کرتا مگر عادت کو کیا کروں نشست بیٹھا نہیں جاتا حرام کی روٹی کھانا منظور نہیں اور دوسرے یہ بھی خیال ہے کہ چلو ایک اور محکمہ کے کام سے واقفیت ہو جائے گی۔ کام کی وجہ سے سر چھوٹانے کی مہلت نہیں ہے۔ اس ریاست سے سخت بیزار رہا در اصل نوکری سے بیزار ہوں مگر۔

قیدِ حیات و بندِ غم اصل میں دونوں ایک ہیں
موت سے پہلے آدمی غم سے نجات پائے کیوں

برادرم تم لکھو کہ کیا حال ہے، کیا انتظام کر رہے ہو۔ والد ماجد کی طبیعت کیسی ہے۔ آئندہ کیا ارادہ ہے۔ میں ۲۰ کو یہاں سے چل کر عین عشرہ کے دن رام پور پہنچوں گا۔ بیوی اور بچے بھی وہیں ہیں اگر کلکتے سے جواب آیا کہ ابھی اور صبر کرو تو ان کو ہمراہ لے آؤں گا۔ مسلم لیگ کا سالانہ جلسہ ۲۷ سے ۳۱ جنوری تک دہلی میں ہو گا اس کے لئے جا رہا ہوں کیا اچھا ہو جو تم بھی خواہ رام پور آ کر خواہ دہلی میں مل جاؤ۔ بیدل ہمراہ رام پور اور دہلی جائے گا۔ تم سے ملنے کو بہت جی چاہتا ہے۔ ع

بیا بیا کہ مرا طاقت جدائی نیست

خوشا وقتے و خرم روزگارے   کہ یارے برخورد از وصل یارے

اس سال میں اولڈ بوائز کی طرف سے ٹرسٹی شپ کا امیدوار ہوں۔ امید ہے کہ تم خانگی رنج والم سے فارغ ہو کر اپنے دل کو ان قومی کاموں میں لگاؤ گے جو غم بھی غلط کریں گے اور قوم کے لیے مفید بھی ہوں گے۔ مارچ میں اولڈ بوائز ڈنر ہو گا اس کے لئے بھی آنا پڑے گا۔

تمہارا مشتاق، تمہارا چھوٹا بھائی

محمد

مکرر یہ کہ والدہ حج بیت اللہ کو گئی ہیں دو ماموں اور دو بھائی اور ایک چچا زاد بھائی اور بہنیں ہمراہ ہیں خدا انھیں بخیر واپس لائے۔ آنکھیں در حجاز کی طرف لگی ہیں۔

(۶)

۲۷؍اپریل ۱۹۱۰ء   نوساری

برادرم ۔ السلام علیکم

میں دورے سے واپس گھر گیا تو ایک بک پوسٹ پیکٹ پر اپنا پتہ اور نام اُسی خط میں نظر آیا جو کبھی روزانہ دیکھنے میں آتا تھا۔ اور اب جسے دیکھنے کے لئے برسوں سے آنکھیں ترس رہی تھیں۔ معلوم ہوا کہ تم زندہ ہو۔ خدا کا شکر کیا خوشی میں خوب ناچا اور کودا اور مُنّا کو اُس میں شریک کیا۔ مگر جس خط کی اُمید تھی وہ نہ ملا بارے خدا کا شکر ہے کہ کل شب کو دورے میں ایک خط ملا، جس کے لفافہ پر تو کسی بیگانہ کا خط تھا۔ مگر اندر چار لڑیوں کا موتیوں کا ہار یعنی چار صفحے پر وہی آشنا خط تھا۔ جس نے آنکھوں کو پھر مدت کے بعد روشنی بخشی۔ واقعی تم نے میری محبت پر بے حد ظلم کیا خصوصًا اس وجہ سے کہ میں اگست سے شروع نومبر تک رام پور رہا۔ اور تم سے دس بار مل سکتا تھا۔ مگر یہ معلوم ہوتا کہ تم بدایوں ہو۔ مگر تم نے اس سے بھی محروم رکھا۔ رہی دسمبر ۱۹۰۹ء کے پہلے عشرہ تک کی دل فریبی اور لطف اور اس کے بعد کی بدمزگی، بے لطفی، خشکی اور کوفت۔ تو برادرم کیا تمھارے عشق و محبت کے لطف میں تمھارا چھوٹا بھائی

شریک نہ ہوتا تھا اور اس لطف و دل فریبی کو دوگنا نہ کرتا تھا۔ اگر تم نے بدمزگی بے لطفی ضحتگی اور کوفت میں شریک کیا ہوتا تو کیا یہ شرکت ان سب کو آدھا نہ کر دیتی۔ دوستی کی ریاضی بھی عجیب ہے، خوشی کو دوگنا اور رنج کو آدھا کر دیتی ہے۔ شرکتِ غم میں غیرت صرف غیر کے ساتھ ہوتی ہے۔ انہوں سے یہ بیگانگی حیف صد حیف، اگر تم سے یہ کہوں کہ بھائی آنسو نہ بہاؤ۔ آہیں نہ کھینچو، تو اس کا یہی مطلب ہے کہ پانی سے امید کی جائے کہ بلندی پر چڑھے نشیب کی طرف عود نہ کرے یا آگ سے التجا ہو کہ جلنے والی چیزوں کو نہ جلائے۔ بھائی روؤ اور خوب روؤ آہیں کھینچو اور ضرور کھینچو۔ مگر ؎

عرفی اگر بہ گریہ میسر شدے وصال
صد سال می تواں بہ تمنا گریستن

تھمتے تھمتے یہ آنسو تھم جائیں گے، آہیں رک جائیں گی۔ جس سر میں آج کچھ خیال نہیں۔ سرخوش نہیں، سودا نہیں جس دل میں آج کوئی امنگ نہیں، خدا ان میں خیال و سودا، امید اور امنگ سب کچھ دے گا۔ جلد یا دیر میں سو اس کا صرف تم پر انحصار ہے، اگر سر میں سودا رکھو گے تو رہے گا، دل لگاؤ گے تو لگے گا۔ تم مرد ہو اور خدا کے فضل سے جوانی کی مدھیر بھاگ سے نکل گئے ہو۔ اور صرف پانچ بچے ہیں۔ میری ماں کا حال تم سے بدتر تھا، عورت ذات اور بیوہ۔ گھر کی بیٹھنے والی۔ اس پر آفت یہ کہ جوانی ۲۰ برس کی عمر اور چھ بچے اور سب سے چھوٹے کی یعنی میری عمر دو برس سے کم کی۔ نہ وہ غریب روئی نہ دھوئی۔ لوگ مردے کی تجہیز و تکفین میں لگے۔ وہ اپنے چھ بچوں کو لے کر علیحدہ بیٹھ گئی۔ لوگوں نے طعنے دئے۔ برا بھلا کہا۔ ہنسے اور پیشین گوئیاں کرنے لگے کہ یہ عورت اس گھر میں ایک سال بھی نہ رہے گی۔ اس نے کسی

کے کہنے سننے کی پرواہ نہ کی اور اپنے بچوں کو اپنا خاوند سمجھ کر ساری محبت و فریفتگی جو اس مرحوم کے حصہ میں آئی تھی، اُسے ان چھ پر تقسیم کیا۔ مگر لطف یہ کہ ہر ایک کے حصہ میں اتنا ہی آیا۔ جتنا اس ایک مرحوم کو ملا تھا۔ اس کا جو کچھ نتیجہ ہوا، وہ تم پر عیاں ہے۔ ہماری بہتری کے سامان ہی نہ ہوئے بلکہ خدا نے اُس کے بڑھاپے کو بھی جوانانِ حسین کی جوانی سے اچھا کر دیا۔ واللہ محفوظ بھائی! رمضان گزشتہ سے دل بیت اللہ کی طرف تھا اور نعوذ باللہ من ذالک نہ اس وجہ سے کہ خدا کا گھر ہے۔ بلکہ اس خیال سے کہ میری ماں وہاں خدا کی مہمان ہے۔ ۲ر اپریل سے بمبئی میں تھا۔ اس سے قبل ڈرا ہوا رام پور گیا تھا کہ کہیں وطن نہ پہنچ گئی ہوں۔ ۵ر اپریل کو جہاز آیا۔ کوئی عاشق اپنی معشوقہ سے ملنے کے لئے اتنا بے تاب نہ ہوا ہوگا، جس قدر میں اس ضعیفہ سے گلے لپٹنے کے لئے بے تاب تھا۔ بھائی، اب تمہاری ایک بیوی نہیں، بلکہ چھ بیویاں ہیں۔ اور لطف یہ کہ ایک نہ ایک ہمیشہ جوان رہے گی۔ ان سے غم غلط کرو۔ اُن کی دیکھ بھال کرو۔ اپنی بیوی کی شکل و صورت سیرت و شمائل ان ننھی جانوں میں پاؤ گے اور اُن کے خیال سے امید ہے کہ قوم کے بچوں کا خیال بھی دل میں جاگزیں ہوگا۔ علی گڑھ سخت آفت میں مبتلا ہے: در شاہی حکم کی پابندی ہوتی ہے۔ وقار الملک پر ضعف غالب ہے۔ عزیز مرزا بے دے کر علیگڑھ آئے تھے۔ مگر نواب صاحب نے یہ مناسب نہ سمجھا کہ جو اعزاز انھیں ملتا تھا اُس سے انھیں محروم رکھیں۔ اس لئے انھیں دیس نکالا ملا اور اب لکھنؤ میں مسلم لیگ کی سرداری کر سکتے ہیں۔ افسوس ہے کہ جس ایک شخص پر اس قدر بھروسہ تھا، وہ بھی اس چاٹ سے نہ بچ سکا۔ آفتاب کو عزیز مرزا کا آنا سخت شاق گزر رہا تھا اور جب یہ معلوم ہوا کہ مسلم لیگ لکھنؤ جائے گا، تو اس اعزازی بخیل کو اور بھی شاق گزرا۔ دہلی کی مسلم لیگ میں شریک ہونے کو آیا تو یہ طوفان کئے ہوئے

لیکن جب یہ سنا کہ عزیز مرزا سکرٹری ہو کر لکھنؤ جاتے ہیں تو فوراً خاموش ہو گیا۔ اگر مسلم لیگ ہاتھ سے نکل گیا تو گیا۔ کالج اور کانفرنس تو بدستور اس کے قبضۂ قدرت میں رہے ہیں نے عزیز مرزا کو علی گڑھ سے علیحدہ کرنے کے لئے سخت مخالفت کی۔ مگر یہ عزیز مرزا کو بُری معلوم ہونے لگی مجھے سخت خوف ہے کہ کہیں وہ ہمیشہ کے لئے تو مجھ سے ناراض نہیں ہو گئے۔

اب علیگڑھ ہے اور آفتاب اور اس نادر شاہی کی مخالفت کے لئے سر بکف فقط ایک تمہارا بھائی اور ذات الٰہی۔ ریفارم لیگ نے سوتوں کو ضرور جگایا ہے۔ مگر نہ ہر شخص میں خلوص ہے، نہ ہمت اور جوش اور عملی کام کرنے کا شوق شاذ ہے۔ اس لئے آفتاب اور نظام شمسی کے ماتحت سیاروں کی چالیں کارگر ہو جاتی ہیں۔ اس وقت تمہاری مدد کی سخت ضرورت ہے۔ اگر تم نے قلم اٹھایا اور چند اُردو اخباروں میں گمنام خطوط لکھے تو بے حد مفید ثابت ہوگا۔ اپنے گزشتہ سال کے مضامین کی نقلیں بھیجتا ہوں۔ ان سے میری اسکیم اصلاح کی تفصیل مل جائے گی۔ اس میدان میں قدم رکھو گے تو سر میں سودا دل میں جوش سب کچھ آجائے گا۔ قوم کے غم میں اپنا غم بھی غلط کرو گے اور قوم کی خدمت بھی عزیز مرزا نے جس قدر اُردو پر احسان کیا اور اس سے زیادہ تم پر احسان کیا کہ گھر سے نکال کر تمھیں باہر لائے اور ایک دلچسپ مشغلہ تمہارے سپرد کیا۔ اچھا سارا خط تمہارا میں نے پڑھا اور خوش ہوا، مگر بتاؤ وہ کون سا فقرہ تھا، جس نے وجد کی حالت مجھ پر طاری کر دی۔ سوچو، غور کرو۔ . . . .

اگر یاد نہ رہا ہو تو پڑھو "عجب نہیں کہ مئی کی ابتدائی تاریخوں میں تم مجھے نوساری میں دیکھو" ہائے اس فقرے نے وہ صحبتیں یاد دلا دیں، جنھوں نے اب عرصے سے بمبئی مجھ سے چھڑا دیا ہے۔ ارے کمبخت آ اور جلد آ۔ ع

بیا بیا کہ مرا طاقت جدائی نیست

خدایا وہ دن کب آئے گا، کہ ایک جوان بھائی کے موٹے موٹے چکنے چپڑے گنجے ہوئے گال ایک بوڑھے بھائی کی جھٹی داڑھی سے وابستہ ہوں گے؟

خوشا وقتے و خرم روزگارے
کہ یابے بر خورد از وصل یارے

ظالم بس اب ظلم نہ کر۔ ابھی کیوں نہیں آتا۔ آتش شوق شعلہ افگن ہے۔ آج سے ہر روز تیرا انتظار رہے گا۔ اگر ار مئی کو نہیں آیا تو ۲ر کو ضرور آجانا۔

اپریل سے بیزار، مئی کا منتظر
تیرا ہمدرد بھائی

(۷)

۲۹ر مئی سنہ ء

بڑودہ

تم سے ناراض ہی نہیں بلکہ سخت اور بہت سخت ناراض ہوں اس لیے نام تک لینا نہیں چاہتا۔ شاید ڈاکیہ کے خیال سے لفافے پر لکھ دوں گو وہاں بھی غالب مانع ہیں۔ ع

میرے لکھے سے غیر کو کیوں تیرا گھر ملے

جب سے بڑودہ سے گئے ہو ایک حرف تک نہیں لکھا اور اب تک زندہ ہو۔ شکایت صرف اسی کی ہے کہ اب تک زندہ بھی ہو میں جانتا ہوں کہ ٹانگیں توڑ کر بیٹھنا کسی جوان آدمی کو اچھا نہیں معلوم ہوتا۔ مگر تم والد کے اصرار سے نہ کہ اپنی خوشی سے اپاہج بنے ہو اور گھر پر کچھ کام کم ہے مگر تعجب یہ ہے کہ کالج پر اس قدر سخت مصیبت آئی ہوئی ہے اور تم علی گڑھ تک نہ گئے اور نہ اب تک اس قلم سے کام لیا ہے جس کا چلانا ازل سے تمہیں بہتر آتا ہے میں نے اس عرصے میں ٹائمز میں تین مضامین ہندو مسلمان پر لکھ ڈالے اور میرا خیال ہے کہ وہ میرے اچھے مضامین تھے۔ ایک مضمون علیگڑھ پر لکھا جس کا اڈیٹر نے بھی حوالہ دیا اور اُسی دن نوٹ لکھا جس میں تحریر کیا کہ ہماری رائے دینے کی ضرورت نہیں ہے ہمارے

کارسپاڈنٹ نے نہایت منصفانہ طور پر ہر معاملے پر بحث نہیں کی ہے، صرف قانون ٹرسٹیاں کی اصلاح پر لکھا ہے تم کس دن کام آؤ گے۔ اٹھو اور دو تین مضمون ہر اُردو اخبار میں لکھ ڈالو اور اس کی تائید کرو۔ روزانہ پیسہ اخبار اگر بدایوں میں نہ آتا ہو تو لکھو کہ جاری کرادوں مگر ذوالقرنین کے آفس میں ضرور مل جائے گا۔ انھیں بھی کہو کہ یہ بھی تائید کریں اور عبدالحق کو نکلواؤ میں تنہا کب تک لڑتا رہوں گا۔ کیا تم چاہتے ہو کہ ہتھیار ڈال دوں، میں واقعی تھک گیا ہوں اور ممکن ہے کہ اس سال کے بعد اس تمام جھگڑے کو خیرباد کہہ دوں مگر ؎

جانتا ہوں ثواب طاعت و زہد
پر طبیعت ادھر نہیں آتی

لمبے چوڑے خط اور متعدد مضامین کا منتظر رہوں گا

محمد

خوش خبری دینا بھول گیا کونسل نے فیصلہ کیا کہ افیون کی کاشت کم ہونے کا مجھ سے کچھ بھی تعلق نہیں۔ اس پر ڈانٹ یہی پڑی ہے۔

(۸)

۱۴ر مارچ سنہ ۱۲ء

کلکتہ

ارے بھائی، کچھ اپنی خبر تو سنا۔ ڈاکیہ اخبار چرالے اور تو مجھے گالیاں دے۔ خیر۔ مزا لینے والے مزا لے رہے ہیں۔ امیر احمد صاحب سے کہہ کر اردو کانفرنس کا تمام لٹریچر تو بھجوا دو۔ آزاد صاحب کا سلام مسنون۔

محمد

(۹)

۱۶؍ جون ۱۹۱۱ء کلکتہ

نہ خط کا جواب دیتے ہو، نہ کچھ مدد کرتے ہو آخر ہو کیا گیا۔

اُردو لکھنے پر آمادہ ہوں، مگر نہ تم نے نہ سکرٹری نے ایک پرچہ بھیجا جس قدر مصالحہ اور مواد موجود ہو فوراً بھیج دو، مگر جب تک بدایوں سے تیس خریدار نہ بھجوا دوگے کچھ نہ لکھوں گا۔

تم سے بے حد ناراض

محمد

(۱۰)

۱۹ر اگست سنہ ۲۱ء

برادرم تسلیم

اس صبح کو میں بدایوں تار دینے والا تھا کہ آپ کا گرامی نامہ یہ سند لیا کے کر آیا کہ آپ خیر سے اگست تک تو قطعی تشریف ہی نہیں لائیں گے اور اس کے بعد بھی مراجعت مشکوک ہے کیونکہ آپ کے نزدیک ضرورت آپ کی کلکتہ میں نہیں ہوگی بلکہ دلی میں ہوگی۔ بالعجب خیر قبل اس کے کہ میں جناب کو چھوٹی چھوٹی باتیں یاد دلاؤں اور کلکتے میں میں جناب کی موجودگی کی ضرورتیں تحریر کر دوں، مولانا عبدالحلیم شرر اور دیگر امیدواران عملہ ہمدرد کے متعلق چند کلمے لکھتا ہوں۔

بے شبہ میں ان کی انشا پردازی کی پوری وقعت و عقیدت دل میں رکھتا ہوں اور میری عین خوشی کا باعث ہوگا اگر مولوی عبدالحلیم شرر جیسے بلند پایہ نثار ہمارے ساتھ کام کرنے پر آمادہ ہو جائیں لیکن اس کے ساتھ ہی اس فرق کو جو ان میں اور عبدالحق صاحب یا کسی اور گریجویٹ میں ہے نظر انداز کرنا محال ہے۔ وہ انگریزی تراجم میں کسی قسم کی مدد نہیں دے سکیں گے۔ انگریزی جرائد کی آرا پر تنقید ہو یا تبصرہ نہ کر سکیں گے اور جب تک ایک مترجم الگ انھیں

نہ دیا جائے وہ نہایت ضروری مدعا جو انگریزی دانوں سے بر آنا حاصل نہ ہوگا۔ ایسی صورت میں میں نہیں سمجھتا کہ انھیں وہی تنخواہ کیسے دی جا سکتی ہے جو عبدالحق صاحب کے لئے تجویز کی گئی تھی؟

اور میری سمجھ میں نہیں آتا کہ عبدالحق صاحب نے یہ تنخواہ انھیں خود بخود کیسے لکھ دی؟ میں نے انھیں اول سے ۵۰ ماہ روپیہ دینے کا ارادہ کر رکھا تھا لیکن اس ارادے کو یا کسی اور تجویز کو اس وقت تک کبھی زبان پر نہیں لایا۔ بس اس قیاسی تنخواہ کے ذمہ دار صرف عبدالحق صاحب ہیں اور اب یہ آپ پر منحصر ہے کہ بہ حسن اسلوب جناب شرر صاحب کو اس ناگوار مغالطے سے آگاہ کر دیں اور میری مجبوریوں کے ذکر کے ساتھ میری طرف سے ۵۰ ماہ مشاہرہ کے لئے تجویز سنا دیں۔ میرے خیال میں شرر صاحب کی انگریزی نہ جاننے کی کمی سے کم سے کم پچاس روپیہ کے مترجم بغیر پوری نہ ہو سکے گی۔ اور پھر ہمارا اسٹاف مترجم اور سب اڈیٹروں کو ملا کے اس قدر ہو جائے گا کہ شاید عمدہ انگریزی روزانہ میں بھی اتنا نہیں ہوتا۔

قاضی تلمذ حسین سے میں بذاتہٖ واقف نہیں اور وہ نہ ایسے بہت مشہور آدمی ہیں کہ ہمدرد میں بلانے کا خاص اہتمام کیا جائے۔ مسٹر حسن کے متعلق جو کچھ بھی گفتگو ہوگی وہ خود آپ سے زبانی ہوگی۔

آپ کے مقدمے بازی اور عیال داری کی مشکلات، وقت پر کلکتہ نہ پہنچ سکنا اور پھر عذر گناہ کی طول طویل داستان پڑھ کر میں نے صرف یہ مختصر نتیجہ نکالا کہ باوجود سید ہونے کے آپ سخت ضدی ہیں اور ان جھگڑوں کو باغ فدک کی نزاع سے کم نہیں سمجھتے۔ ناممکن ہے کہ اتنی جلدی آپ میری مصروفیتوں کو بھول گئے ہوں کہ کس طرح دن رات سرگاڑی پاؤں پہیہ کر تا تھا

اور پھر بھی کام نہیں سمٹتا۔ اس پر ایک نئے اور روزانہ اخبار کا اجرا، ایک جدید مطبع کا اعلیٰ ترین پیمانے پر قیام، ایجنٹوں، اخبار فروشوں، مکاتبوں سے خط و کتابت کا وسیع اور پیچیدہ کام۔ کیا یہ سب کام ایک فرد واحد جس پر پہلے سے ذمہ داریوں کا بار عظیم ہے، انجام دے سکتا ہے؟ پھر آپ کا تجاہل عارفانہ کہ میری "ضرورت تو تمہیں دلی ہی میں ہوگی" سخت تکلیف دہ ہو یا نہ ہو سب پر طرہ یہ کہ ذیابیطس نے تج ڈالا اور ڈاکٹروں نے کام کرنے کو قطعی موت بتایا ہے۔

چشم مروت ہے تو بہ مجرد خط دیکھنے کے سیدھے کلکتہ چلے آیئے مقدمہ بازی کو بے تامل چولھے میں ڈالئے اور "بات" کی ایسی تیسی کیجئے۔ واللہ میں بخوشی آپ کو تمام ہرجہ اور مال و املاک کی قیمت نذر کر دوں گا۔ گو مجھے تسلیم ہے کہ صرف اس وجہ سے آپ ان محاربات خانگی میں سرگرم نہیں۔ کیا جناب ڈپٹی کمشنر کی اطمینان دہی پر بھی نہیں چاہتے کہ اس مکروہ مسرت سے محروم رہیں جو عدالت میں بآں تلہف و تعبر حاصل ہوتی ہے۔ اپنے صغیر سن بچے کو بے تامل اپنے ساتھ یہاں لے آیئے وہ وہاں سے تو یقیناً یہاں خوش رہے گا۔ رہے بڑے بچے سو وہ بحمد اللہ خود سیانے ہیں اور سمجھ دار اور.... دیکھ بھال سے مستغنی۔

مجتبیٰ صاحب آپ کی بجائے کام کر رہے ہیں مگر ایک تو زیادہ وزنی کام رہیں ان کے سپرد نہیں کر سکتا دوسرے وہ جو کچھ بھی کر رہے ہیں وہ موجودہ تنخواہ سے زیادہ ہی کام ہے۔ کاتب الحروف سید ہاشمی ایک ہفتے سے آپ کا سخت منتظر ہے اور چونکہ ہمدرد کے تقریباً تمام کاروبار کا انحصار آپ کی ذات پر ہے اس لیے اس کا وقت درحقیقت بے کار رہے اور رائگاں جا رہا ہے۔ تمام وہ خطوط رسل و رسائل آپ جو ہمدرد کے متعلق لکھتے لکھاتے ہیں آپ کی تحت میں ہونے کی وجہ سے جوں کے توں پڑے ہیں مگر افسوس ہے کہ آپ ابھی تک بات کی پچ پر

اڑے ہوئے ہیں

واں کرم کو عذر بارش ہے عناں گیر

اتنی فرصت بھی نہ ملی کہ اس خط کو پڑھ کر کلکتہ ہی میں دستخط کر دیتا۔ مجبور ہو کر ڈھاکے لے آیا اور آج دستخط کر رہا ہوں اگر مقدمے بازی نے حافظے کا خاتمہ نہ کر دیا ہو جس طرح کہ عقل پر پانی پھیر دیا ہے تو یاد کرو وہ وعدے وعید جس کی بنا پر تمہیں جانے کی اجازت ملی تھی اب وہ کون سی وجہ ہے جو اس وقت موجود نہ تھی۔ تم یا مقدمہ ہارتے یا جیت کر اجرائے ڈگری کراتے۔ اگر ہارتے تب تو عذر بھی ہو سکتا تھا کہ الہ آباد اور لندن تک اپیل جانا ہے۔ وہاں سے فارغ ہو کر تمہاری ہمدردی کروں گا۔ جیت جانے پر یہ حیلے حوالے۔ صرف ایک عذر ہے وہ یہ کہ چھوٹے بچے کی آنکھیں دکھتی ہیں اور چشم پر آب دیدۂ آشوب کا خیال ہے۔

محمد علی

۲۱ اگست
ڈھاکہ

(۱۱)

۲۵ر اگست ۱۹۱۲ء کلکتہ

بھائی جان

آپ کا عذر گناہ سے بدتر ہے۔ مقدمہ جیتنے کے بعد اجرائے ڈگری کی سیر دیکھنے میں یہ انہماک اور پھر ہمدردِ سے قلبی ہمدردی کا ادعار ؟ کس طرح کہوں کہ ہاں ہوگا۔ اپنے والد صاحب قبلہ کو یقیناً سمجھا سکتے ہیں کہ قبلہ جب میں نے پہلے ایک بات کا ارادہ کر لیا اور گویا قول ہار دیا تو اب اس کے بعد رکاوٹوں کا نئے سرے سے خیال کرنا محض موعود سے جھوٹا بننا ہے " اسی طرح بچے کا بھی آپ چاہتے تو سہل علاج یہاں لانے سے ہوجاتا، مگر اصلی بات یہ ہے کہ آپ کو مقدمے بازی سے خاص محبت ہوگئی ہے اور اس کو چھوڑنا پسند نہیں کرتے، ورنہ ہمدرد کی اہمیت کے سامنے انصاف کیجئے وہ ہیں ہی کیا؟ واللہ کہئے تو ان سب کی رقم جو کلہم اجمعین ایک ہزار روپیہ ہوتی ہے، نیاز مندگرہ سے ادا کردے اور آپ کو گھر بیٹھے جتا دے لیکن وہی بات ہے کہ اس میں آپ کو مقدمہ لڑانے کی خوشی حاصل نہ ہوسکے گی۔

شرر صاحب کے متعلق اپنے پچھلے خط میں لکھ چکا ہوں۔ محمد کاظم کا جو آپ

نے لکھا ہے غالبًا میں اُن کو جانتا ہوں بہر حال اپنے ساتھ لیتے آئیں۔ تنخواہ بالفعل میں زیادہ نہ دے سکوں گا لیکن ذہانت و فراست اپنی جگہ نکال لیتی ہے اور یقینًا ہمارا مستقبل نہایت امید افزا ہے۔

مشینیں دہلی روانہ ہوگئیں اور شروع ستمبر تک سب کی سب دلّی پہنچ جائیں گی۔ مگر مشکل یہ ہے کہ ہمدرد کے ابتدائی کام جنھیں پہلے سے سوچ رکھا ہے کسی طرح پورے ہوتے نظر نہیں آتے۔ کیونکہ میں ایک تو علیل، دوسرے اس قدر کم فرصت کہ تم بھی مجھے چھوڑ کر چل دئے اور اب آنے میں ہزار عذر کر رہے ہو۔

فاللہ ارحم عبادہ والیہ النہا فہا

زیادہ تفصیل کیوں پوچھتے ہو ایک تو تمھارا کام میں کروں اور پھر سب رام کہانی دُہراؤں۔

تمھیں یہ سن کر خوشی ہوگی کہ یک نہ شد دو شد۔ ذیابطیس پر مستزاد بخار اور اعضا شکنی۔ اس وقت پارہ ۱۰۳ پر ہے۔

(۱۴)

۲۰ مئی ۱۹۱۳ء

دہلی

بھائی محفوظ ۔ السلام علیکم

میں نے تمہارے خط کا جواب اس لئے نہیں دیا تھا کہ تم کو میں چند روز کے لئے دہلی بلانا چاہتا تھا مگر اس وقت ضرورت نہ تھی۔ تم نے مجھ سے وعدہ بھی کیا تھا، اب میں چاہتا ہوں کہ تم جس حال میں ہو چند روز کے لئے معہ اپنی ٹوٹی انگلی کے چلے آؤ۔ یہی وقت ہے۔

تمہارا
محمد علی

(۱۴)

۲۰؍ اگست سنہ ۴۲ء

کلکتہ

تو اور آرائش خم کاکل
میں اور اندیشہ ہائے دور دراز

برادر تغافل شعار - ۲۰؍ اگست کو تو خط لکھ رہے ہو مگر آنے جانے کا مطلق تذکرہ نہیں کرتے جس کے معنی یہ ہیں کہ چند روز پہلے جو وعدہ کیا تھا وہ بھی فراموش کاری کی نذر ہوا اور نئے سرے سے مجھے اپنی رام کہانی سنانے کی ضرورت ہوگی تم اپنی بات پوری کرکے رہے خطوط کے آتے جاتے ہی اگست آخر ہوا لیکن اب انصاف سے میری بے چینی اور گھبراہٹ کا اندازہ کرو۔ وقت کس قدر جلد جلد گزر جاتا ہے اور خریداروں ... سود کیسا وبال جان بن رہا ہے لیکن عملی کام ہمدرد کے متعلق کچھ بھی اس وقت تک نہ ہو سکا۔ اڈیٹر کی تلاش میں تا حال ناکامی رہی، احتشام الدین صاحب کی طرف سے الگ تشویش ہوگئی کہ دیکھئے وہ بھی آتے ہیں یا نہیں۔ پرنٹر صاحب کا کچھ پتہ نہیں کہ حیات بھی ہیں یا مرحوم ہوئے آپ ہیں سو آپ الگ ٹہلائے جاتے ہیں۔ ۶؍ اگست کو جانے والا اور ۳۰ اگست تک نہ لوٹے تو اس کو کیسے ایماندار کہوں۔ اب لے دے کے ہمدرد کا منتظم، اڈیٹر، مالک، نگراں، پرنٹر جو کچھ بھی سمجھو وہ یہ ناتواں۔ سو مجھے ذیابیطس سے بھی چھوٹ نہ تھی کہ ڈنگو سے دو در

آزمائی کرنی پڑی جس نے بالکل اس کھینچ لیا، سخت پریشان ہوں کہ کیا کروں؟

بوجھ وہ سر پہ دھرا ہے کہ اٹھائے نہ اٹھے
بات وہ آن بنی ہے کہ بنائے نہ بنے

اچھا تم نے جو مجھ کو خدا اور رسول کے واسطے دئے ہیں، میں نے مان لیا کہ تمہارا کہنا سچا اور مجبوری واقعی تھی لیکن اب میں انہیں واسطوں کو دہراتا ہوں کہ تم خدا کے لئے رسول کے لیے اب نہ رکو ورنہ یہ ہوگا۔

مند گئیں کھولتے ہی کھولتے آنکھیں ہے ہے
خوب وقت آئے تم اس عاشق بیمار کے پاس

اگر ستمبر کی ایک تاریخ بھی بدایوں کی نذر ہوئی تو بجائے ہمدرد نکالنے کے میرا جنازہ نکالنا۔

تم سے بیزار
محمدؐ

قاضی عبدالغفار صاحب کے نام

(۱)

برادرم ۔ السلام علیکم

خدا تمھیں تندرست رکھے اور خوش، اور اسی طرح صداقت اور صبر پر قایم ۔ اگست چند دن کے لئے ایک دورِ سنسری پُرلطف مگر وقت و مقابلہ طلب آگیا تھا ۔ اسی زمانے میں تم کو بھی شکایت کا موقعہ ملا تھا ۔ میں نے اس کے بعد ہی تم کو ایک مفصل و مشرح خط یہاں کے حالات کا لکھا تھا جس میں ان سنسر صاحب کے عہدِ نظامی کے حالات بھی شامل تھے ۔ مگر پھر اس خیال سے پھاڑ ڈالا کہ نئے سنسر صاحب کا طرزِ عمل بالکل مختلف تھا اور جب حالات ماضیہ بدل گئے تھے تو پھر ان کا تذکرہ بھی عبث تھا ۔ اس کے بعد تم کو خط لکھتا مگر بھائی مجھے شفاخانہ "امن کی مس فلارنس نائٹنگل" بننا پڑا ۔ بیگم صاحب پہلے علیل ہوئیں پھر گلنار کو انٹرک[1] ہوا ۔ پھر جب دن وہ اچھی ہوئی اسی دن بیگم صاحبہ علیل ہوئیں اور سخت تر۔ خدا خدا کر کے ان کو شفا ہوئی تو معظم کے ہمراہ ان کے دونوں بھائی آئے ہوئے تھے ۔ ان میں سے بے چارہ مسعود اپنے ساتھ انٹرک لایا ۔ اس عمر میں یہ مرض نہایت خطرناک

[1] میعادی بخار ۔

ہوتا ہے اور سوائے نرسنگ کے کچھ علاج ہی نہیں ۔ چنانچہ اب سارا تجربہ تیمارداری
کا کام میں لانا پڑا ۔ شوکت صاحب بھی حرارت لائے پیر میں پھڑیا نکلی ۔ جوش میں
آگئے ۔ ہم نے لاکھ کہا کہ ہمارا مرہم لگاؤ ۔ اچھے ہو جاؤ گے مگر نہ مانا جنگجو یانہ جذبات
ترادش کئے بغیر نہ رہے ۔ اسسٹنٹ سرجن سے چیرا لگوایا اس میں لیکن کچھ
مادہ فاسد داخل ہو گیا Erythema میں مبتلا ہو گئے ۔
آج مادہ ٹخنے کے پاس ہے تو کل ران پر اور پرسوں گھٹنے میں یا پنڈلی میں،
ڈاکٹر نے دس بارہ مسہل دئے تب جا کر بخار اور Erythema
سے نجات پائی ۔ مسعود بھی بفضلہ تعالیٰ اچھا ہو گیا ۔ مگر بے چارے عظم کی درگا
پوجا تباہ ہو گئی ۔ چنانچہ یہ کیا گیا ہے کہ میری بیوی بچے جو سال بھر سے یہاں پڑے
سڑ رہے تھے اور پے درپے علالتوں کے باعث تبدیل آب وہوا کے مستحق
تھے ، رام پور جانے والے تھے ، انھیں میں نے بانکی پور بھیج دیا ہے ۔ ۱۵ - ۱۲ اتک
انشاء اللہ وہاں رہ کر گھر چلے جائیں گے جب تک ہمدرد جاری تھا ایک ذریعہ
آمدنی موجود تھا ، سنسر صاحب کی عنایت نے اسے بھی بند کرا دیا ۔ پریس بھی بند
کر دیا گیا ۔ مکان کا کرایہ اب تک دینا پڑتا ہے اب صرف
Subsistence Allowance ہی ذریعۂ معاش رہ گیا ہے اس
لئے کہ جائداد موروثی کو تو مدتوں سے شوکت اور میں ہاتھ نہیں لگاتے تھے اور
اس کی آمدنی محض ان اعزا کے لئے چھوڑ دی تھی جن کی کوئی دوسری آمدنی نہ تھی
ہاں ہمدرد کامریڈ کی بدولت بیس ہزار کی جائداد پہلے رہن کر دی تھی ۔ اب نظربندی
کے زمانے میں شوکت نیکی ہی کے سود کی بدولت یہ ہو رہا ہے کہ ساٹھ ہزار
کی جائداد فروخت کر رہے ہیں تاکہ سب قرض ادا ہو جائے یہ جائداد جیسا کہ
تم جانتے ہو دادا صاحب مرحوم کو ملی تھی ۔ غدر میں گورنمنٹ کو صوبجات متحدہ

ہیں انھوں نے اس دوران کے آقائے نامدار نے بجا دیا تھا۔ شکر ہے کہ جو صلہ اس
وقت ملا تھا وہ آج پوتوں کی طرف سے اسی گورنمنٹ پر تصدق کیا جا رہا ہے۔
ہَل جزاء الاحسانِ اِلّا الاحسان، شرمندگیِ احسان دور ہو جائے گی۔ یہ بارِ سخت گراں
تھا جذا نے خوب سبک دوش کیا۔ گورنمنٹ کو اطلاع دے دی ہے کہ اب کوئی
ذریعۂ معاش نہیں ہے۔ الاؤنس جب صرف اپنے اخراجات کے لئے مقرر ہوئی
تھی ناکافی تھی۔ مگر خدا کا دیا بہت کچھ تھا اس لئے علاوہ اصول کی بحث کے
نظربندوں کو الاؤنس ملے یا نہ ملے کچھ نہ کہا گیا۔ سال بھر سے یہ اندھیر کہ بیوی بچوں
کے لیے بھی اسی میں سے نکالا جائے۔ تمہارا تو ذکر کیا ہے خود گورنمنٹ کے
عہدے دار اس کو بہ آسانی سمجھ سکتے ہیں کہ شوکت (جنھیں علاوہ رامپور کے گاؤں
کے ٹھیکہ کے جس میں سے چار سو ماہوار ملتا تھا گورنمنٹ خود چھ سو کے قریب ماہانہ
دیتی تھی) اور میرے لئے مع متعلقین کے یہ ڈھائی ڈھائی سو کہاں تک کافی
ہو سکتے ہیں۔ امید ہے کہ جس رازق نے رزق میں پہلے فراخی عنایت فرمائی
تھی وہی آج بھی عطا فرمائے گا اور الاؤنس میں اضافہ ہو جائے گا اور سفر
خرچ گورنمنٹ ادا کرے گی بغیر[1] Sëparation Allowance
کے سخت مشکل ہو گی، مگر ہم آخر پیدا ہی کس لئے کئے گئے ہیں جانتے ہیں کہ ہزاروں
لاکھوں بلکہ کروڑوں ہمارے بھائی ہیں جنھیں ہماری اسیری کی روزی اور رزق
قاروں کا خزانہ معلوم ہوتا ہے اگر وہ زندہ رہ سکتے ہیں اور خدا کا شکر بجا لاتے
ہیں، تو ہم یہ کیوں نہیں کر سکتے۔
جب سے یہ معلوم ہوا ہے کہ خود لارڈ چانسلر سابق قانون تحفظ ہند کو

---

[1] گھر بار سے علیحدگی کا الاؤنس۔

گورنمنٹ اور کونسل واضع آئین و قوانین کے اختیارات قانون سازی کے باہر سمجھتے ہیں اور انڈیا آفس کو خود اسی کا اعتراف ہے، خیال ہوا ہے کہ اسی کے متعلق کچھ کارروائی کروں چنانچہ مظہر کو بلایا ہے۔ ڈپٹی کمشنر نے احتیاطاً گورنمنٹ سے بھی استصواب کر لیا ہے اور گورنمنٹ نے انھیں اطلاع دے دی ہے کہ مظہر شوق سے آسکتے ہیں۔ نہ معلوم بے چارے کو فرصت بھی مل سکے گی یا نہیں۔ اگر محرم میں آگئے تو اچھا ہو گا۔ پہلی کو بال بچے بانکی پور گئے، آج شب کو والدہ آرہی ہیں۔ پہلی ہی کو حیات آگیا۔ اس لئے دل نہیں گھبرایا اور یہاں تو عقیدہ ہے کہ

انساں بجائے خود بھی ہے اک محشر خیال
ہم انجمن سمجھتے ہیں خلوت ہی کیوں نہ ہو

اب زیادہ نہیں لکھتا۔ اب سلسلہ پھر جاری ہو گیا ہے اس لئے متوقع رہو کہ مزے دار خطوط پھر آیا کریں گے۔ کہو "Times"[۵۱] تو شاید اب نہ آتا ہو؟ کیا Near East[۵۲] بھی بند ہو گیا؟ اخبار اور رسالے جو ضرورت سے زائد ہوں بھیج دیا کرو، خدا انھیں سلامت رکھے، خوب کام کر رہے ہو واللہ بسا اوقات رشک آتا ہے۔ اگر اپنی تعلی نہ سمجھو تو کہوں کہ اُردو کے محمد علی ہو، یہ جھگڑے ختم ہوں گے تو نہ معلوم اخبار کی پھر ضرورت بھی رہے یا نہیں۔ لیکن اگر سب کچھ تمانے کے بعد پھر بھی اخبار نکالنا پڑا تو ہمدرد ہو گا اور تم۔ میں تو پنشن لے لوں گا اور صرف زبان کے چٹخارے لے لیا کروں گا۔ حیا تو سلام کہتا ہے۔ شوکت بھائی فرماتے ہیں کہ میرے سر پر قرۃ العین کا بھوت سوار ہے۔ خدارا کہیں سے ڈھونڈ ڈھانڈ اس کا کلام بھجوا دو۔ صداقت کے چند مداح یہاں موجود ہیں۔ سب شوق ملاقات

---

[۵۱] اخبار لنڈن ٹائمز
[۵۲] اخبار نیر ایسٹ

کا اظہار کرتے ہیں ۔ میاں حسرت کی غزل کیا خوب درج کی ہے ۔ سب مرصع ہے مگر ہمارے (Taste [1] کے چند اشعار مع مقطع کے لاجواب ہیں ۔ شوکت کا ارادہ ہے کہ بھائی رضا علی (بھائیو سلام علیکم) کو ایک کارڈ لکھیں ۔ یہ جواب اُن کی کھلی چھٹی کے کہ میری رائے ہے کہ بہتر تو یہ ہو کر آپ سر سے نکلتے جائیں ہی نہیں اور اگر "علمی بحث" کا اس قدر شوق ہے تو یہاں چلے آئیے ۔ ہم دونوں بھائی کافی مسالہ فراہم کر دیں گے ۔ اچھا رخصت ۔

تمہارا

محمد علی

[1] مذاق ۔

Chhindwara C.P

۱۵ر دسمبر ۱۹۱۵ء

برادرِ عزیز - السلام علیکم
زندہ رہو، خوش رہو۔ تمہارا کام روز دل کو خوش کرتا ہے

کیا بادۂ گلگوں سے مسرور کیا دل کو
داتا رکھے آباد اے ساقی تری محفل کو

پہلے تمہارے سوالات کا جواب دیتا ہوں، پھر راستے کی مختصر سی سرگزشت سناتا ہوں۔ شرائط یہاں بھی بجنسہٖ وہی ہیں جو لینسڈون جاتے وقت غازی آباد اسٹیشن پر صوبجات متحدہ کی گورنمنٹ کی طرف سے موصول ہوئے تھے، یہاں کی آب و ہوا اچھی ہے مگر ہم جب یہاں پہنچے تو خلافِ وقت کچھ بارش ہو رہی تھی۔ غالباً اسی کے باعث میرے اعضا میں پھر درد ہو گیا اور گو اب کم ہے مگر گھٹنوں میں اور کسی قدر کمر میں باقی ہے۔ حکیم صاحب نے حبوب گل آکھ کا استعمال بتایا تھا۔ اسے پھر جاری کیا ہے مگر بظاہر اس سے فائدہ نہیں ہوا۔ چند دنوں بعد پھر رجوع کروں گا۔ پیشاب دن کو تو کم آتا ہے یعنی فجر ظہر کے درمیان ایک یا دو بار ظہر سے مغرب تک اور بعض دن عشا تک ضرورت نہیں ہوتی۔ شب کو البتہ کوئی

تین بار آتا ہے، مگر دو بار تو معمول بھی تھا۔ بہ ظاہر شکر نہیں آتی۔

کلکتے کی زندگی کے متعلق جو تم دیکھتے ہو اس پر مجھے ذرا تعجب نہیں۔ عجب ملک ہے۔ مسلمانوں میں سخت نا اتفاقی ہے۔ حسد اور کینے کی شدت ہے۔ محسن کا احسان ماننا تو کجا اُلٹا پریشان کرتے ہیں۔ مدرسے اور کالج والے پھر بھی ہونہار ہیں۔ اُن سے ضرور ملتے رہنا اور چونکہ ہمارا انحصار زیادہ تر آئندہ نسلوں پر ہے اسی لئے اُن کو قومی سانچے میں ڈھالتے رہنا محسن فنڈ کے متعلق واقعات سے اپنے کو کما حقہ آگاہ کر لو اور مسلمانوں کے مجوزہ کالج کی گزشتہ تاریخ سے۔ افسوس ہے کہ شمس الہدیٰ نے اب تک کچھ نہیں کیا اور اس کم بخت دہلی والے مولوی کو رکھ کر مدرسہ بھی تباہ کیا۔ ہوگلی کالج میں فدا علی خاں رام پوری کالج کے ایم اے میرے کلاس فیلو اور عزیز دوست عربی کے پروفیسر ہیں۔ ان سے چنسورہ جا کر گاہے گاہے مل لیا کرو یا اتوار کو انھیں بلا لیا کرو۔ سلطان معقول شخص ہے۔ اس سے ضرور دوستی ہوئی ہوگی۔ مگر ہماری ہے کلکتے کو اس پر کیا فخر۔ رسول اصول کا یکا ہے اور مجیب الرحمٰن بھی۔ مگر یہ لوگ بھی کلکتے کے اثرات سے محفوظ نہیں ہیں۔ بہرحال ان سے مدد ملے گی۔ میرا ایک دوست محق عجائب خانے میں ہے۔ اس سے غالباً ملاقات ہوئی ہوگی۔ معین الدین مرزا گھاگرے والے کالج کے پرانے طالب علم ہیں۔ ان سے ملتے رہنا۔ خدا کرے کم بخت . . . . کا اس پر زیادہ اثر نہ پڑا ہو۔ مولوی نجم الدین صاحب پنشنر ڈپٹی کلکٹر نہایت سچے مسلمان ہیں۔ ان سے ملتے رہنا۔ اُن کے بھتیجے قطب الدین پر لوگ شبہ کرتے ہیں مگر مولانا خود بالکل غیر مشتبہ ہیں۔ کولوٹولے میں حاجی اسمٰعیل صاحب دہلوی معروف بہ منجھے والے ان بزرگوں میں ہیں کہ اگر ہندوستان میں ایسے دس بیس ہوتے تو ہماری حالت اس قدر زبوں نہ ہوتی۔ اس قدر فیاض۔ سیر چشم محب قوم بلکہ ہمدردِ

نبی نوع انسان بہت کم لوگ ہیں۔ اللھم زد فزد۔

Hasnoo Bhayya اور Uncle Sharaf سے ملاقات ہوئی یا نہیں۔ دونوں ہائی کورٹ کے جج ہیں جسنو تو سنا ہے جنوری میں مستعفی ہو کر پٹنہ میں پریکٹس کریں گے۔ خیر ججی میں ڈھاک خوب بٹھا دی۔ ورنہ ہر سال ساٹھ ستر ہزار کا نقصان اٹھانا پڑتا۔ مسٹر جسٹس شرف الدین بے چارے زیادہ قابل نہیں مگر وضع کے پابند اور بہت خلیق ہیں۔ یہ پٹنہ ہائی کورٹ کے جج ہو کر جائیں گے جسنو نے اس شرط پر ججی قبول کی تھی کہ پٹنے میں ہائی کورٹ ہو تو ضرور بھیجا جاؤں مگر نہ اُن کے ساتھ وعدہ کا ایفا ہوا نہ علی امام بھائی کے ساتھ۔ موخر الذکر کو میرے علم میں منٹو نے چیف جسٹس کرنے کا وعدہ کیا تھا۔ مگر اب ہارڈنگ نے بھی باوجود اس قدر دوستی کے اور باوجود ان خدمات کے جو علی امام نے دکھائیں صرف ججی پیش کی۔ لطف یہ کہ خود اُن کے . . . . نے اُن کے خلاف کارروائی کی۔ یہ وہ شخص ہے جسے انھوں نے اپنے سے پہلے Knighthood دلوادی تھی، ہل جزا الاحسان الا الاحسان۔

راستے کی کیفیت سنو پہلے اطلاع شروع نومبر میں ملی تھی کہ تیار رہو۔ ایک دن پہلے اطلاع دی جائے گی، اسی وقت روانہ ہونا پڑے گا۔ ہم نے شروع اکتوبر ہی میں لکھ دیا تھا کہ ہمارا الاؤنس بے باق کر دینا ہوگا اور زادِ راہ کا انتظام کرنا ہوگا ورنہ ہم وقت مقررہ پر نہ چل سکیں گے۔ اب اطلاع پاتے ہی پھر اس کے متعلق یاد دہانی کر دی مگر باوجود سرکاری تار کے اور ہمارے تار کے ہمارا الاؤنس ۲۰ دن کا ۲۰ نومبر تک نہ مل سکا۔ دو دن بعد لینسڈون پہنچا ! ۔ ۔ ر وہاں سے یہاں آیا بھلا ہوا ایک (Old Boy) کا کہ اُن نے قرض لے کر وہاں کے حسابات چکائے اور وہاں کے نوکروں کی تنخواہ

ادا کی۔

سفر خرچ کی کیفیت سنیے کہ حکم ایسے خزانے کے نام دیا گیا جو عالم وجود میں بھی نہ آیا تھا یعنی Lansdown Treasury خزانہ باؤری میں ہے جو ضلع گڑھوال کا صدر مقام ہے اور پیدل کم از کم دو دن کی راہ ہے۔ اسسٹنٹ سپرنٹنڈنٹ کو جس کے متعلق ہماری ڈاک کا دیکھنا تھا فوجی افسر کی معرفت بنیئے سے روپیہ قرض لینا پڑا ورنہ ہم لوگ چل بھی نہ سکتے۔

اس خوش انتظامی کے صدقے جایئے۔ مقام کا نام پہلے سے نہیں بتایا تھا۔ ہم نے جب لکھا کہ موسم کے متعلق تک ہم کو علم نہیں ہے۔ جاڑوں وغیرہ کے کپڑے سب دہلی یا رامپور ہیں، دوسرے اس کا فیصلہ کرنا ہے کہ مع اہل وعیال کے جائیں یا بلا ان کے۔ اسی کا انحصار مقام کی نوعیت اور دوری پر ہے، تو جواب ملا کہ موسم ایام سرما میں دہلی جیسا ہے۔ اس سے خیال ہوا کہ مقام سات زون میں رکھا جائے گا لیکن یکایک ۱۳ر نومبر کو اطلاع ملی کہ ۱۴ نومبر کو جھنڈ وارٹہ جانا ہوگا۔ نہ معلوم وہ راز داری اور تعجیل (۲۴ گھنٹے کا نوٹس) کہاں سے چلا ہے۔ اس اطلاع کے ملنے پر ہم نے چند کارڈ دوستوں کو ڈال دئے کہ فلاں راہ سے فلاں وقت گزریں گے۔ سنسر نے بلا استثنا سب کو بھیج دیا اس لیے کہ اس میں بظاہر کوئی مضائقہ نہ تھا۔ الہ آباد میں گاڑی سات گھنٹے بعد ملتی تھی، اس لیے بھائی ظہور (مساوات؟) کو لکھ دیا کہ برادرم کھانا تمہارے ساتھ کھائیں گے، علاوہ بیوی اور بچوں کے لیے ایک گاڑی کا انتظام کردینا کہ الہ آباد جو انھوں نے نہیں دیکھا ہے، دیکھ لیں۔ چنتامنی کو لکھ دیا کہ تم سے، سپرو سے، اور پنڈت جی سے بھی ملاقات ہو جائے گی۔ چلنے سے ایک دن پہلے اطلاع ملی کہ جو انسپکٹر ہمراہ جائے گا اسے ہدایت ملی ہے کہ ہماری پارٹی کا کوئی متنفس کسی اسٹیشن کے باہر نہ جائے۔ گو

ہمارے نام کوئی حکم نہیں آیا تھا یعنی جو حکم آیا تھا اس میں یہ شرط نہ تھی ۔ اس لئے اس پر نظر بند ہونا لازمی نہ تھا اور ہم نے صاف کہہ دیا کہ گورنمنٹ نے ہم کو نظر بند کیا ہے ہمارے متعلق ہدایات جاری کی جاسکتی ہیں اگر ہمارے متعلقین بفضلہ تعالیٰ آزاد ہیں وہ کسی شرط کو نہیں مان سکتے ۔ تاہم ہم نے ارادہ کرلیا کہ الہ آباد اسٹیشن پر رہیں گے باہر نہ جائیں گے ۔ ہم ۲۰ کو دس بجے صبح کو روانہ ہوکر تانگوں میں چلے اور ۲ بجے سہ پہر کو کوٹ دوارے پہنچے ۔ یہاں صبح ہی سے میری ہمشیرہ (والدۂ فاروق) معہ عثمان کے اور شوکت کے بچوں کے ملیح دہلی سے صادق اور سید علی بھی آئے تھے ۔ ہمارے ماموں صاحب کے خلیفہ نوشہ میاں صاحب اور ہمارے ماموں زاد بھائی بھی آگئے تھے ۔

۶ بجے شام کو ریل چلی ۔ ۷ بجے نجیب آباد پہنچے ۔ حالانکہ ہم نے کسی کو اطلاع نہ دی تھی مگر چند اور اعزہ اور احباب دہلی اور علی گڑھ سے آگئے ۔ ۲ بجے صبح کے ان کی معیت میں مرادآباد کی طرف روانہ ہوئے ۔ ۴ کے قریب پہنچے ۔ وہاں آنریبل سید رضا علی ، یعقوب ، مسعود ، عبدالسلام وغیرہ تمام احباب ملنے آئے ۔ رام پور سے میری اہلیہ معہ حمیدہ اور گلنار اور زاہد کے گئے تھے ، وہ شریک سفر ہوئے ۔ ان کے علاوہ رام پور سے بہت سے عزیز اور دوست آگئے تھے ۔ منّ و سلویٰ کوٹ دوارے ہی سے اترنا شروع ہوگیا تھا ۔ مرادآباد پر اور نازل ہوا ۔ رام پور صبح کے ۵ بجے پہنچے ۔ وہاں پر بھی ہجوم تھا ۔ حالانکہ گاڑی تین چار منٹ سے زیادہ نہیں ٹھیرتی ۔ ہمارے لئے ایک Composite Carriage تھی اس میں تو ہم نے عورتوں کو سوار کرا دیا تھا ۔ خود معہ احباب کے ایک انٹر کی خالی کیرج کو لبالب بھر دیا تھا ۔ بریلی پر علی گڑھ کے احباب رخصت ہوئے ۔ انصاری رام پور سے مرادآباد

آگئے تھے، ڈاکٹر عبد الرحمن دہلی سے نجیب آباد گئے تھے اور مراد آباد میں انصاری کے ہمراہ دہلی چلے گئے۔ بریلی میں بھائی داؤد وغیرہ چائے دے کر آئے تھے۔ شاہجہانپور میں بھی احباب ملے اور سندیلے میں بھی۔ لکھنؤ پہنچے تو گاڑی خلاف معمول پل کے اس طرف پلیٹ فارم پر رکی، مگر اس کے رک جانے کے بعد بہت سے احباب مع تقدس مآب مولانا عبد الباری صاحب قبلہ و مولانا محمد ابراہیم صاحب سیالکوٹی مدظلہ تشریف لائے۔ قدم بوسی کا شرف حاصل ہوا۔ معلوم ہوا کہ خواہش نہ تھی کہ لوگ کثرت سے ملیں مگر چونکہ یہ نشا نہ ہمارا تھا نہ ہمارے دوستوں کا تھا کہ ایک جم غفیر کو نمائش کے لئے جمع کیا جائے۔ اس لئے وہی اصحاب آئے تھے جن کو ہم نے اطلاع دی تھی یا دلوائی تھی۔ کانپور سے علی گڑھ سے اور بارہ بنکی سے احباب آئے تھے۔ راستے کے لئے کھانا، میوہ اور مٹھائیاں اس کثرت سے آئیں کہ دونوں درجے لبالب بھر گئے اور بیٹھنے کو جگہ نہ رہی۔ بلا مبالغہ تین چار سو آدمیوں کے لئے کھانے کا سامان کافی تھا۔ راستے بھر لوگوں کو کھلاتے آئے، پھر بھی ختم نہ ہوا اور یہاں تین چار دن کھایا اور بعض چیزیں تو اب تک ساتھ دے رہی ہیں۔ لطف یہ ہے کہ کھانوں کی نوعیت سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ محض رسماً تیار نہیں کرائے گئے تھے، بلکہ سوچ سوچ کر یہ مزے کی چیزیں خود تیار کی تھیں۔ مولانا عبد الباری صاحب قبلہ معہ متعدد احباب لکھنؤ و بارہ بنکی و علی گڑھ کے رائے بریلی تک ہمراہ تشریف لائے۔ مولانا الہ آباد کا قصد رکھتے تھے، مگر وہاں جاتے تو ایک دوست چند دن رکھے بغیر نہ چھوڑتے اس لئے راستے ہی سے واپس ہو گئے، کیونکہ زیادہ قیام کے لئے وقت نہیں بچا سکتے تھے۔ مولانا ابراہیم صاحب سیالکوٹی فردِن اولی کے مسلمانوں کے سے بزرگ ہیں۔ ان

پر عجب کیفیت طاری تھی۔ ان بزرگوں کی تحسین ہر لمحہ ہم کو شرمسار کرتی تھی۔ برادرم! ہزاروں سپاہی اور افسر اپنی اپنی قوم اور ملک کے لئے بے دریغ جانیں دے رہے ہیں جو اپنے ملک و قوم اور مذہب کے لئے سر بکف نہیں ہیں، وہ بھی ایک حقیر سے مظاہرے کے لئے جانیں دے رہے ہیں۔ ہم نے جن کا اس قدر غلغلہ چار دانگ عالم میں ہے، ابھی کیا کیا ہے کہ مولانا عبدالباری صاحب اور مولانا محمد ابراہیم صاحب جیسے بزرگ ہمارا استقبال فرمائیں اور تحسین و آفریں کریں۔ یا ہمارے بے شمار دوست اتنی محبت کا اظہار کریں۔ صرف ابھی تو یہی ہوا ہے کہ اپنے وطن اور کاروبار کو خیرباد کہنا پڑا، لیکن یہ سنت رسول ہے۔ فجر کے فرضوں سے پہلے دو رکعتیں پڑھنا تو ہر مسلمان اپنے اوپر لازم سمجھے اور ہجرت کو گوارا نہ کرے، یہ کس قسم کا اسلام ہے اور خصوصاً اس حالت میں جب کہ ہمارا پروردگار ہم کو تشفی و تسلی دے کہ واللہ علیٰ نصرہم لقدیر ' الذین اخرجوا من دیارہم بغیر حق الا ان یقولوا ربنا اللہ (پروردگارا تو نے سچ فرمایا ہے۔ تو ہی ہمارا مولیٰ ہے اور تو ہی خیرالناصرین ہے) برادرم اس سفر سے پیشتر بھی اور اس سفر میں اور ہر جگہ جو خاطر و مدارات ان نظربندوں کی ہوئی ہے اس کے بعد کس کو شک ہو سکتا ہے کہ علاوہ اس اجر عظیم کے جس کی بشارت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم (روحی فداک یا رسول اللہ) دے گئے ہم کو آئے تھے جو "ہر عاقبت اندیش" کو ملے گا جو اس دنیا میں عزت و آرام بھی پابندیٔ قرآن و حدیث میں ہے معظم کے والد (میرے خسر) نے کیا خوب کہا ہے ؎

عظمت بڑے بڑے میں مزے راہ عشق میں
چل تو سہی بڑھا تو قدم دیکھ تو سہی

ناظر، وسیم، ولایت کو ہم الہ آباد تک لے گئے کہ، گھنٹے وہاں بھی خوب

گزریں گے۔ اتفاقاً راستے میں آنریبل ڈاکٹر سپرو سے ملاقات ہوئی کیونکہ وہ ہم سفر تھے اس طرح الہ آباد کی قدم بندی کا صدمہ نہ ہوا۔ الہ آباد سے چند اسٹیشن آگے مولانا رؤف صاحب (والد ظہور) ملے اور چند اصحاب بھی ملے آگے چل کر خود ظہور اور لکھنؤ کے سید ظہور احمد صاحب بھی ملے۔ آگے چل کر معلوم ہوا کہ الہ آباد کے اسٹیشن پر جاتے ہوئے پرندوں کے پر جلتے ہیں۔ پلیٹ فارم ٹکٹ بند اور اسٹیشن خالی ہے اور غالباً ہم کو ۲ گھنٹے سے قبل ہی وہاں سے کہیں اور لے جایا گیا۔ یہ سنا ہے کہ پولیس کے سو سوا سو سپاہی پہرہ دے رہے ہیں۔ یہ بھی معلوم ہوا کہ الہ آباد کے لوگوں نے اسٹیشن پر ہمیں **Garden Party** دینے کی اجازت چاہی تھی مگر اجازت نہ ملی۔ مجبور ہو کر ظہور کچھ میوہ اور کھانا اسٹیشن ماسٹر اور پولیس کو دے آئے کہ آپ دیکھ بھال لو اگر کوئی چیز خلاف قانون دستیاب نہ ہو تو ان نظربندوں کو دے دینا۔ الہ آباد کے اسٹیشن کو سوائے پولیس کے (وردی والے و بلا وردی کے) خالی پایا۔ پولیس کے دو افسر ایک وردی میں ایک بلا وردی کے طبقہ یورپین یا یوریشین سے موجود تھے۔ دو نو۔ شوکت کے تنہا سائی اور ایک تو دوست نکلے، تھوڑی دیر بعد ایک ذات شریف نہایت کر و فر کے ساتھ تشریف لائے اور سیدھے اسٹیشن ماسٹر سے کہا کہ ان لوگوں کو اسٹیشن سے نکال دو، یہ لوگ ڈاکٹر ناظر الدین حسن، مسٹر محمد وسیم، مسٹر ظہور احمد بیرسٹران و سید ظہور احمد صاحب بی۔ اے وکیل و شیخ ولایت علی صاحب بی اے وکیل تھے۔ میں ان کی سلامت روی اور متانت کی تعریف کروں گا کہ باوجود سخت غصے اور مایوسی کے وہ خاموشی کے ساتھ چلے گئے۔ چلنے سے پیشتر والدہ نے انہیں بلایا اور گلے لگایا اور کہا کہ بیٹا ان باتوں سے آزردہ خاطر نہ ہونا، مردان آزمائشوں میں سے ہنستے بولتے گزر جاتے ہیں۔

ہم بھی اُن سے رخصت ہوئے۔ اس کے بعد وہ ذات شریف ہماری طرف تشریف لائے
اور کہا کہ آپ اپنی گاڑی میں بیٹھ جائیں۔ یہ درخواست شوکت صاحب کے
دوست پہلے ہی کر چکے تھے مگر ناکام رہے تھے۔ شوکت نے کہا کہ اس کی آخر
کوئی وجہ۔ کہا میں آپ سے کہتا ہوں۔ آپ ایسا ہی کریں۔ ہم نے جواب دیا کہ
ہم وہیں تک پابند ہیں جہاں تک گورنمنٹ کے احکام موصول ہو چکے ہیں ورنہ
ہم بالکل آزاد ہیں اور کوئی وجہ نہیں معلوم ہوتی کہ ہم اتنے لانبے سفر کے
بعد ایک تنگ کمرے میں مقید ہو کر بیٹھ جائیں، ہمیں یہاں سات گھنٹے قیام کرنا
ہے۔ اس پر صاحب موصوف بولے کہ نہیں آپ کو ساڑھے پانچ بجے کی ایک
گاڑی میں یہاں سے سٹنہ جانا پڑے گا جو یہاں سے جبل پور کو ہو کر جاتی ہے۔
ہم نے کہا کہ ہمارے پاس کوئی احکام اس قسم کے موصول نہیں ہوئے ہیں جو
حکم ہم کو ملا ہے اگر ہم اس کی خلاف ورزی کریں گے تو ہم تین برس کی قید بامشقت
اور ایک ایک ہزار روپے جرمانے تک کے مستوجب ہوں گے۔ اس پر فرمایا
کہ میں آپ سے کہتا ہوں کہ یہی احکام گورنمنٹ کے ہیں۔ اس پر میں نے عرض
کیا کہ حضور والا کی شناسائی کا بھی ہم کو شرف حاصل نہیں ہے۔ پھر ہم تحریری
اور مہر حکومت سے مزین احکام کی عوض محض آنجناب کی زبانی ہدایت کو کیوں قبول
کریں۔ فرمایا کہ میرا نام Murrey ہے اور میں یہاں D.T.S.
ہوں اور اس اسٹیشن کا چارج میرے پاس ہے۔ میں نے جواب دیا کہ میں
آپ سے مل کر محظوظ ہوا مگر اس شرف نیازمندی کے حصول کے بعد بھی ہم
سرکاری احکام پر آپ کے ارشادات کو ترجیح نہیں دے سکتے۔ اس پر تیکھے پن
سے فرمایا کہ کیوں بے فائدہ بدمزگی پیدا کرتے ہو۔ میں نے تم سے نہایت نرمی
سے کہہ دیا کہ گاڑی میں بیٹھ جاؤ۔ میں نے جواب دیا کہ اس میں بدمزگی کا سوال

کچھ بھی نہیں ہے اور میں نے اس قدر نرمی سے آپ سے کہہ دیا کہ ہم گورنمنٹ کے احکام کے خلاف کچھ نہیں کر سکتے۔ اس پر نہایت تند و ترش ہو کر فرمایا کہ کیوں اسی راگ کو الاپے جاتے ہو۔ اس پر شوکت نے آنکھیں دکھا کر کہہ دیا کہ بس اس لہجے میں گفتگو نہ کیجئے۔ اس پر ذرا ہوش میں آئے اور پھر کہا کہ بدمزگی کیوں پیدا کرتے ہو، میں تو نہایت نرمی سے کہتا ہوں کہ گاڑی میں بیٹھ جاؤ۔ شوکت نے کہا کہ آپ کی درخواست معقول نہیں ہے۔ میں بھی آپ سے نرمی سے کہتا ہوں کہ ہم سے تعرض نہ کیجئے اور یہاں سے چلے جائیے۔ اس پر حاکمانہ انداز سے فرمایا کہ تم مجھے مجبور کرتے ہو کہ اپنے احکام کی تعمیل بہ جبر کراؤں۔ شوکت نے کہا شوق سے آپ کوشش کریں، مگر برادرم ساڑھے تین من کی لاش اور سوا چھ فٹ کے قد اور ڈیڑھ گز کے سینے والے سے جبریہ تعمیل احکام کرانا آسان نہیں۔ دیکھ کر بولے کہ میں سمجھتا تھا کہ آپ لوگ Gentlemen ہیں۔ اس پر میں نے عرض کی کہ ہم سمجھتے تھے کہ آپ بھی Gentleman ہیں، مگر . . . . . اس "مگر" کے اضافے نے ان بزرگوار کو چکرا دیا۔ پھر کہنے لگے کہ میں اب جبریہ تعمیل کراؤں گا۔ شوکت نے کہا کہ ہم تو کہہ ہی رہے ہیں کہ شوق سے کوشش فرمائیے۔ اس قدر گفتگو کے بعد دوسرا پولیس انسپکٹر جو وردی میں آیا اور اس نے کہا کہ جناب والا اس مسئلہ کو آپ ہمیں پر چھوڑ دیجئے مسٹر Murrey جن کے P. G. Initials ہیں اور جن کو بقول انسپکٹر کے Pig کے لقب سے لوگ ملقب کیا کرتے ہیں، اس موقع کو غنیمت سمجھ کر بیک بینی و دوگوش جدھر سے تشریف لاتے تھے اُدھر واپس تشریف لے گئے۔ ہم سے پولیس انسپکٹر نے کہا کہ کچھ مضائقہ ہے اگر آپ انھیں کا کہا کر دیں۔ یہ بھی شوکت کا شناسا تھا، شوکت نے جو جواب پہلے انسپکٹر کو

دیا تھا وہی اس کو بھی دیا کہ بھائی یہ معاملہ ہمارے تمہارے بیچ کے تعلقات کا نہیں ہے۔ سرکاری احکام کا ہے۔ ہم معذور ہیں اور جو آزادی اس نظر بندی میں باقی رہ گئی ہے ہم قدرتی طور پر اس کی پہلے سے بھی زیادہ قدر کرتے ہیں۔ ہم ہرگز بلاحکم سرکار کوئی کام اپنے خلاف مرضی نہیں کریں گے۔ دوسرے ہمارے معزز ترین احباب کو جس بےجا پن کے ساتھ اس شخص نے یہاں سے جانے کے لیے کہلوایا ہے اس کے بعد ہم سے کیا توقع رکھی جا سکتی ہے۔ یہ لوگ مسلمانوں کے مشہور ترین رہنما اور قائم مقام موجود ہیں جو صدمہ ان کو ہوا ہوگا، وہ کل محسوس کرتے ہیں اس پر پولیس کے دونوں افسروں نے اعتراف کیا کہ اس شخص کا طرز عمل بےجا نہ تھا اور علاوہ ازیں اسے اس امر سے کچھ سروکار نہ تھا۔ بلاوجہ گھس پڑا اور حکومت جتانے لگا۔ جو پولیس انسپکٹر Garvin ہمارے ہمراہ کوٹ دوارے سے آیا تھا جب وہ موقع پر آیا تو اسے بھی برا معلوم ہوا کہ بلا اس کی اطلاع و مشورے کے مسٹر Pig Murray نے دست اندازی کی اور سب خوش تھے کہ خوب منہ کی کھائی اس کے بعد ہم Waiting Room گئے اور وضو کر کے ظہر اور بعد ازاں عصر پڑھی۔ نماز سے فارغ ہی ہوئے تو اطلاع ملی کہ شوکت کے پرانے دوست اور میرے بھی کلکتے کے بہت گہرے شناسا مسٹر Fremantle کلکٹر الہ آباد ملنا چاہتے ہیں۔ ہم گئے تو ہم سے کہا کہ یہ کیا جھگڑا ہے۔ شوکت نے تمام کیفیت سنائی اس پر کہا کہ مجھے دو تین دن سے معلوم تھا کہ تمہارے سفر کا پروگرام یہاں سے بدلا جائیگا نہ معلوم تمہیں احکام کیوں نہیں دئے گئے۔ بہرحال میں گھر سے چلتے وقت Buru (چیف سکرٹری) سے ٹیلیفون پر پوچھ آیا ہوں، وہ کہتے ہیں کہ آپ لوگوں کو ساڑھے پانچ ہی چلنا ہوگا۔ ہم نے کہا کہ پھر گورنمنٹ کے

احکام کی خلاف ورزی کا کون ذمہ وار ہے۔ ہم برن کی تحریری اور مہردار احکام مانیں یا زبانی احکام جو آپ سے سننے میں آتے ہیں۔ اس پر کہا کہ برن کہتے ہیں کہ پروگرام تو احکام کا جزو نہ تھا صرف تمہاری سہولت کے لئے ہم رشتہ کر دیا گیا تھا۔ اس پر میں نے کہا کہ اگر وہ جزو احکام نہیں ہے تو ہم بیل گاڑی یا گھوڑے پر چھنڈواڑے جا سکتے ہیں اور پانچ چھ ماہ کے عرصے میں پہنچ جائیں تو مضائقہ تو نہیں، اس لئے کہ اگر پروگرام جزو احکام نہیں تو ہمیں صرف اس قدر حکم ملا ہے کہ ۲۰ کو لینسڈون سے بلا سفر توڑے ہوئے چھنڈواڑے پہنچ جاؤ۔ یہاں بھائی Fremantle پھر قائل ہوئے اور کہا کہ بہرکیف اب تو یہی حکم ہے، شوکت نے کہا کہ قاعدے کی رو سے چیف سکرٹری کا دستخط شدہ حکم ملنا چاہئے، لیکن چونکہ میں تم سے واقف ہوں اس لئے تسلیم کئے لیتا ہوں کہ تم وہی کہتے ہو جو چیف سکرٹری نے تم سے ٹیلیفون پر کہا ہے تاہم اسے ضبط تحریر کر دو تاکہ برن تین برس کی قید کرانا چاہیں تو سند ہو اور وقت ضرورت کے کام آئے کہا ہاں مضائقہ نہیں ہے میں لکھ دوں گا کہ برن نے مجھے ہدایت کی ہے۔ اس پر میں نے کہا کہ یہ لکھئے کہ گورنمنٹ نے ہدایت کی ہے۔ کہا ہاں چیف سکرٹری ہی کے دستخط سے گورنمنٹ کے احکام جاری ہوتے ہیں اس پر میں نے کہا کہ یہ درست ہے مگر یہاں تو احکام آپ کے دستخط سے جاری ہوں گے۔ کم از کم حکم لفٹنٹ گورنر کا ہونا چاہئے۔ برن کو بہ حیثیت چیف سکرٹری گورنمنٹ کے احکام پر دستخط کرنے کا حکم ہے مگر وہ خود حکم دینے کے مجاز نہیں ہیں۔ پہلا حکم ان کا دخلی گورنمنٹ کی مہر والا بھی مظہر ہے کہ لفٹنٹ گورنر کی پیش گاہ سے یہ حکم صادر ہوا ہے۔ اس پر کچھ عرصے بعد غالباً برن سے ٹیلیفون پر پوچھ کر ایک حکم لکھ کر لائے کہ پروگرام بدل دیا گیا ہے آپ لوگ بجائے دس بجے شب کے آج شام ہی کو ساڑھے

پانچ پر روانہ ہو جائیں۔ یہ حکم پاتے ہی ہم نے اور بچوں کو اطلاع کرا دی کہ گاڑی ابھی جائے گی۔ ہماری ہی گاڑی جو Shunt کر کے ایک Siding پر بھیج دی گئی تھی آکر ٹرین میں لگ گئی۔ نوکروں نے سامان اپنے درجوں میں سے نکالا تھا وہ (انسپکٹر سے کہہ کر) بھروا لیا۔ مگر بے چارہ سب انسپکٹر (ہر سر دیپ) جو لینسڈون میں ہمارے سنہ صاحب کو خط پڑھنے میں مدد دیتا تھا اور ہمراہ جبل پور تک معہ انسپکٹر Garvin کے آیا، بہ تقضائے حاجت گیا ہوا تھا بڑی مشکل سے چلتی گاڑی میں بیٹھا۔

اب اس کے بعد ذرا تفصیل سے "دوستانہ گفتگو" شروع ہوئی جنگ کا ذکر آیا، ترکوں کی پالیسی مصر کے واپس دینے یا نہ دینے کا مسئلہ۔ یہ سب معرض بحث میں آئے۔ ہم نے کہا کہ ہم نہ کہتے تھے، چار برس سے کامریڈ نے ہمیشہ گورنمنٹ کو یہی سمجھایا تھا کہ دیکھو مسلمان ۳۰ کروڑ ہیں، ہر ملک میں پھیلے ہوئے ہیں۔ ان سے نہ بگاڑو۔ ان کے مذہب سے استہزا نہ کرو۔ ان کے مقدس مقامات کی طرف رُخ نہ کرو۔ خلیفۃ الرسول خادم حرمین شریفین کی محبت و عظمت ہر مسلمان کے دل میں ہونا لازمی ہے اور رہے۔ ان سے اچھا سلوک کرو اور ان کے دل کو موہ لو تو مسلمانانِ عالم کے دل تمہارے ہیں۔ کیا یہ بہترین صلاح و مشورہ نہ تھا مگر سر ایڈورڈ گرے پر گلیڈ اسٹون کا بھوت سوار تھا۔ علاوہ ازیں جرمنی کے خوف نے انھیں بوکھلا رکھا تھا۔ اس نے ان دونوں باتوں سے فائدہ اٹھایا اور آخرش نتیجہ یہ ہوا کہ جرمنی کو تو جنگ سے روک نہ سکے مگر ترکوں کو کھو بیٹھے اور عالم اسلام کو آج ایک سخت ہیجان میں ڈال دیا۔ اگر بجائے کامریڈ کی ضمانت ضبط کرنے کے ہم میں سے چند مخلصین کو مقام خلافت کو بھیجا گیا ہوتا اور ترکوں کے ساتھ رشتۂ الفت و اتحاد پھر قائم کیا گیا ہوتا اور مصر انھیں واپس دے دیا گیا ہوتا

تو آج درِ دانیال ۔ مصر، ایران، عراق و یمن میں یہ حالت کیوں ہوتی، سرحد پر کیوں
شورش ہوتی اور افغانستان کی طرف سے کیوں کھٹکا لگا رہتا ۔ ترک اگر ساتھ
بھی نہ دیتے تب بھی خلاف نہ ہوتے اور روس کو سامان جنگ پہنچانے اور وہاں
سے غلہ حاصل کرنے میں وقت پیش آتی ۔ روس کو قفقاز میں مشکل کا سامنا نہ ہوتا
نہ رسے جرمنی لڑتا ۔ فرانس کو الجیریا ڈیونس سے فوجیں منگانے میں سہولت ہوتی،
انگریزوں کو مشرق میں بے فکری رہتی اور مغرب میں دشمن کا مقابلہ آسان ہوتا ۔
اسی سلسلے میں ہندوستان کی سیاست کا ذکر چھڑ گیا ۔ سول سروس کی خود غرضیوں
پر دیر تک مباحثہ ہوا اور خصوصاً ان قوانین و افعال کے متعلق جن کا جواز محض
جنگ کی وجہ سے ہوا مگر جن کے ذریعے سے سول سروس نے اپنے معترضین
سے بدلا لیا ۔ اسی مباحثے میں میں نے کہا ۔ The war has been a
God-send to the Civilian اس پر آبدیدہ ہو کر کہا ۔

It is not very generous of you. It is very unkind when you know we are losing our brothers and cousins in such large numbers. Sir Duncan has lost three sons

اس کے جواب میں میں نے یقین دلایا کہ میرا اشارہ یورپ کی جنگ کی طرف نہ تھا بلکہ
ان واقعات کی طرف جو سول سروس کی طرف سے ظہور میں آ رہے ہیں ۔ میں نے
کہا کہ مجھے تعجب ہے کہ ان کو میرا مفہوم سمجھنے میں کیوں کر مغالطہ ہو سکتا تھا ۔ اس پر
انھوں نے کہا کہ یہ صحیح ہے مگر آپ کو ان واقعات کو بھی پیش نظر رکھنا چاہئے جو
جنگ میں پیش آ رہے ہیں ۔ اس سے ظاہر ہے کہ آپ ہمارے لئے کچھ بھی

Allowance نہیں کرتے۔ شوکت نے اس پر کہا کہ بھائی جان تم نے بھی کبھی ہمارے لئے Allowances کیں۔ تم ہمیں نظر بند کرتے ہو مگر کبھی اس کا بھی خیال کیا کہ اس کا ہماری ماں پر، محمد علی کی بیوی پر اور ہماری بہن اور بچوں پر کیا اثر ہوتا ہے۔ محمد علی کی دو لڑکیاں یکے بعد دیگرے سخت بیمار ہوئیں اور بچنے کی امید نہ تھی مگر ان سے ملنے تک کے لئے نہیں جانے دیا گیا۔ ہمارا بزنس تباہ کر دیا گیا اور اس کے بدلے ڈھائی سو ایک کو اور سو روپیہ ایک کو دے گئے۔ اس وقت ہمارا اور ہمارے بچوں کا خیال نہ آیا۔ جنگ تو تمہاری اپنی تھی پھر سول سروس نے اتنی بے حیائی کیوں روا رکھی، کہ رخصتیں نامنظور ہونے کے باعث جو Acting Allowances کا موقعہ ہاتھ نہ آیا تو اس کا بھی معاوضہ مانگا اور وصول کیا۔ اسی دوران میں Choice of the Turks کے مضمون پر گفتگو ہوئی اور میں نے بتایا کہ جب گورنمنٹ ضمانت ضبط کر رہی تھی میں اُسی دن انگلستان کے مشہور ترین Tory اخبارات Morning Post and Daily Telegraphs اسی مضمون کی Loyalty کی تعریف میں رطب اللسان تھے سول سروس کمیشن اور ہندوستانیوں کو ۵ فی صدی سے کم جگہیں سول سروس میں ملنے پر گفتگو رہی۔ اس پر انھوں نے کہا کہ یہ بالکل درست ہے۔ اگر حکومت ہمارے ہی ہاتھ میں رہے تو ہمارا عنصر غالب ہونا چاہیئے اس پر ہم نے کہا کہ Self Government نے کیا نقصان کیا ہے جو ابدالآباد تک حکومت آپ ہی کے ہاتھ میں رہے کہا کہ ہندوستانی ابھی اس قابل نہیں ہیں۔ میں نے کہا تم ایسا نا کیوں کرتے ان کو اس قابل کرنا چاہتے ہو کہ وہ خود حکومت کر سکیں۔ ہم بھی انتظار کے لئے تیار ہیں

مگر جہاز کی سست رفتاری کا مضائقہ نہیں بشرطیکہ اس کا رُخ بندرگاہ مقصود کی طرف ہو۔ افسوس تو اس کا ہے کہ سول سروس ہماری پالیسی کی مخالف ہے اور خود کوئی پالیسی نہیں رکھتی۔ کچھ لوگ کھلم کھلا ہندوستانیوں کے مخالف ہیں اور کچھ ٹالے بالے کرتے ہیں پھر ہم لوگوں کا ذکر آیا۔ کہا تم چند نفوس ہو۔ تمہاری آواز ملک کی آواز نہیں ہے۔ **You represent only yourself**

اس پر ہم نے کہا کہ مکرمی اگر یہ سچ ہے تو پھر یہ ڈیڑھ سو سپاہی پہرے چوکی کے لیے تم نے کیوں جمع کر رکھے ہیں اور الہ آباد کے ہزاروں آدمیوں کو ملنے سے کیوں روکتے ہو۔ قائل ہوئے مگر کہا کہ تم لوگوں کو گمراہ کرتے ہو۔ ہم نے کہا کہ خیر تم اس کے تو قائل ہوئے کہ لوگ ہمیں رہنما سمجھتے ہیں۔ اب سوال بے راہ روی اور سچی ہدایت و رہنمائی کا ہے۔ مگر اس کا فیصلہ کون کرے۔ ایک فریق خود غرض تم، ایک ہم۔ خود غرضی میں زیادہ سے زیادہ دونوں یکساں۔ مگر ہم ملک کی حالت سے واقف ہیں کیوں کہ رات دن کا لوگوں کا ساتھ ہے اور تم ایک دوسری دنیا میں رہتے ہو، ناواقف ہو۔ اس لئے تمہارا قول تو کسی طرح معتبر نہیں ہو سکتا۔ غرض اسی طرح گفتگو رہی یہاں تک کہ گاڑی روانہ ہوئی اور ہم رخصت ہوئے۔ سب مسافر، پولیس کے لوگ، انگریز، ہندوستانی اور ہمارے دوست مسٹر قمر احمد بی۔ اے ایل ایل بی (علیگ) جن کی طرف بعض لوگ وہ شعر منسوب کرتے ہیں "ہو گئے پاس ایل ایل بی میں اگر ہم اب کے" الخ غازی پور سے ملنے آئے تھے اس دلچسپ مباحثے سے مستفیض ہوئے۔

رات کو ہم بارہ بجے پٹنے پہنچے۔ گاڑی یہیں تک جاتی تھی۔ نوکر اتر گئے ہم سوتے رہے جب دس بجے والی گاڑی الہ آباد سے آئی

تو ہم پھر روانہ ہوئے۔ صبح کو جبل پور پہنچے۔ اسٹیشن پر Mr. Lathan
Spdt. Police ملے اور C. P. Govt. کے احکام
دیئے۔ وہ بھی چاہتے تھے کہ ہم اسٹیشن ہی پر اور اپنی گاڑی ہی میں رہیں لیکن ہم
نے کہا کہ ہمیں اس قدر آزادی ضرور حاصل ہے کہ جبل پور کی سیر کریں اور جب
تک اس کے خلاف حکم نہ ہوگا ہم اپنے حقوق کا استعمال کریں گے۔ یہ شخص نہایت
معقول ہیں۔ خود ہی ایک نہایت نفیس موٹر منگائی جو "دکنہ پرور" تھی۔ ہم آٹھ
دس بھر گئے۔ ہم نے خود ہی درخواست کی کہ کوئی پولیس کا افسر ہمارے ساتھ
چلے تاکہ رہنمائی بھی کرے اور آئندہ کسی کو یہ کہنے کا موقعہ نہ ملے کہ کہیں جاکر
"بغاوت" پھیلائی۔ اس پر انھوں نے کہا کہ ہمارے D.S.P. بلا
یونی فارم کے ہیں (ہم نے کہا کہ ہم کو عذر نہیں اگر وردی پہنے ہوئے بھی کوئی
شخص ہمارے ساتھ ہو) اور وہ آپ کو جانتے بھی ہیں۔ علی گڑھ کے پرانے طالب علم
ہیں وہ ساتھ چلے جائیں گے۔ یہ میرے ہم جماعت نکلے۔ خوب سیر کرائی۔ راستے
ہی میں مرزا اکرم خاں بی اے (علیگ) بلاسپور کے D.S.P جو Hockey
کھیلنے اپنی ٹیم کے ساتھ آئے تھے مل گئے۔ وہ بھی موٹر پر آگئے خوب گپیں
ہوئیں اور ہمارے ساتھ ہی رہے جب تک ہم رخصت ہوئے Lantham
بھی ہمیں رخصت کرنے آئے۔ ان سے بھی گفتگو رہی مگر آدمی لائق اور خلیق ہیں
اور معقول پسند راستے میں ایک مقام Nanipur پر گاڑی بدلی جاتی
ہے۔ یہاں چند لوگ ملے جو Mundla ضلع سے ہم سے ملنے آئے تھے
ترجمان میں جو پروگرام چھپا تھا اس کے باعث جبل پور بھی لوگ اسٹیشن پر آئے
اور ملے۔ راستے میں متعدد اسٹیشنوں پر لوگ جوق جوق آئے۔ شب کو یہاں
پہنچے۔ محمد عبدالولی خاں "مجاہد طرابلس" جو یہاں نظر بند تھے ملے اور چار

پلائی، چونکہ کوئی شخص حکام میں سے رہنمائی کے لیے نہ تھا اس لئے شب کو ہم نے زاد
ہمراہی یوریپین انسپکٹر نے جو جبل پور سے آیا تھا، گاڑی ہی میں آرام کیا۔ صبح کو
ایک پولیس جمعدار کے کہنے پر کہ بنگلہ تیار ہے اور سب سامان سے آراستہ ہے،
یہاں آئے، تو بنگلہ خالی پایا۔ صرف دو کرسیاں اور ایک میز استقبال کے
لئے موجود تھیں۔ بہ مجبوری ڈاک بنگلے گئے۔ اتفاقاً دو کمروں میں سے ایک
گھرا ہوا تھا۔ ایک ہی میں یہ سارا کنبہ جا پڑا۔ یہاں سب سے پہلے اشتیاق
علی صاحب E.A.C. سے ملاقات ہوئی۔ معذرت کرتے تھے کہ ہم کو
بالکل خبر نہ تھی۔ یہاں کے ڈپٹی میرے شناسا نکلے۔ مسٹر گنگادھر چٹنویس
کے سگے بھائی ہیں۔ انہوں نے کہا کہ ہم کو علم تو تھا مگر گورنمنٹ ہند کی طرف
سے ایک ڈیڑھ مہینہ ہوا کہ عبدالمجید D.S.P. کا C.I.D. شملہ سے
آکر مکان کا انتظام کر گیا تھا۔ اس کے علاوہ ہمیں کوئی حکم نہ ملا تھا۔ بہرحال
مسٹر چٹنویس نے بہت عنایت کی اور ہم ان کے سخت مشکور ہیں

C. P. Govt. نے سامان کے لیے فوراً منظوری ان کے لکھنے پر
دے دی، اور کلکتے سے فرنیچر اور کانپور سے دریاں آرہی ہیں۔ پلنگ
وغیرہ عاریتہً مل گئے تھے اب یہاں مسہریاں تیار ہو گئی ہیں۔ فرنیچر بھی جلد
آجائے گا۔ بہرحال مردہ بہ دست زندہ، اگر یہ نہ بھی ہوتا تو ہم شاکر و صابر
رہتے۔ یہاں لوگوں کو اسلامی حمیت سے پُر پایا۔ ہندو اور مسلمان سب ہم
سے اچھی طرح ملتے ہیں۔

برادرم۔ غربت میں وطن کا مزا ہے۔ باقی آئندہ

تم آؤ تو ناگپور ہو کر آنا۔ وہاں سے صبح کو آٹھ بجے گاڑی چل کر
شام کو ½ ۵ یہاں پہنچ جاتی ہے۔ واپس ہو کر ناگپور سے بمبئی چلے جانا۔

شوکت اور بچوں کا سلام۔ والدہ کی دعا۔ میری اہلیہ سلام کہتی ہیں۔ والسلام

تمہارا خیر طلب اور مداح

محمد علی

(۳)

۹ر جولائی ۱۹۱۶ء　　　　　　　　　　　　　　　　چھنڈواڑہ

برادرم ۔ السلام علیکم

نہیں تمہارا خیال غلط ہے کہ ہم دونوں نے تمہیں بھلا دیا۔ واقعی بات یہ ہے کہ جب تمہیں خط لکھنے کو قلم اٹھاتا ہوں۔ ایک دفتر مضامین کا سامنے آکھڑا ہوتا ہے اور یہ فیصلہ کرنا مشکل ہو جاتا ہے کہ کیا لکھوں اور کیا نہ لکھوں۔ اگر خط انگریزی میں لکھا جاتا تو چنداں دشواری نہ تھی۔ اردو میں لکھنے کو دل چاہتا ہے اور جو مشکلات اردو خط کے متعلق پیشتر تھیں ان میں ہرگز کمی واقعہ نہیں ہوئی۔ بہر حال آموں کا شکریہ یوں بھی واجب تھا مگر جس کثرت سے روزانہ پارسلیں آموں کی پہنچ رہی ہیں اس کے حساب سے تو شکریہ میں ایک کارڈ ہی جانا چاہئے تھا ورنہ لفافوں کے ٹکٹ دیوالہ نکال دیں گے مگر تمہاری محبت اس سے بہت زیادہ کی مستحق ہے۔ میں جانتا ہوں کہ جو شخص جواب نہ دے یا دیر سے جواب دیا کرے اسے بالتواتر خط لکھنا کس قدر گراں ہوتا ہے مگر جہاں اور اس زمانے کی مصیبتیں ہیں ان میں سے اسے بھی سمجھو اور ہماری خاموشی کی پروا نہ کرو بلکہ خط برابر لکھتے رہا کرو اس سلسلے میں آپ کے جوڑے وال جالب

سے بھی کچھ عرض کرنا ہے جس طرح ہندوستان کی بارش موسمی ہوتی ہے ایک زمانے میں تو پے درپے چار پانچ خطوط آجاتے ہیں اور پھر وہ خشک سالی ہوتی ہے، کہ الاماں۔ اپریل میں جب کہ میں علیل تھا اور یونیورسٹی کے متعلق مصروف بھی۔ ان کے چند خطوط آئے، جن میں تمام دنیا کی شکایت تھی کہ میموریل چھاپنے میں دیر کر دی۔ حالانکہ میں صرف انھیں کو ذمہ دار سمجھتا ہوں، خواہ وہ کتنے ہی ناراض کیوں نہ ہو جائیں۔ جو کام شروع دسمبر تک ہو جانا چاہیئے تھا اس کا آخر مارچ میں طے پانا اور وہ بھی بُری طرح ہرگز کسی اور کی لاپروائی کا نتیجہ نہیں ہے لیکن وہ اس میں بالکل بے قصور سہی تاہم اس کا ذمہ دار کون ہے کہ آج تک مجھے اس کی اطلاع نہیں ملی کہ جواب کیا ملا۔ یہی باتیں ہیں جو مجھے تنگ کر دیتی ہیں۔ نہ معلوم کس شخص نے ان سے کہہ دیا کہ معظم نے ان کی مجھ سے شکایت کی۔ اب معظم کو بھی بار بار شکایت لکھی اور مجھے بھی، حالانکہ اس کی کوئی حقیقت نہیں ہے، میرے دہلی چھوڑنے کے بعد سے اخبار اور پریس کا جو حشر ہوا سو ہوا اب اس کا دکھڑا رونا فضول ہے مگر ایک میموریل کا بھیجوانا تھا سو اس کا انتظام ہوا۔ خیر وہ بھی سہی مگر برائے خدا وہ اس کے انجام سے تو مطلع کریں۔ ناکامی پہلے ہی یقینی تھی مگر جو جواب ملا اس کی ایک نقل تو مجھے مل جائے یا کم از کم یہی اطلاع کہ اس کا مطلب کیا تھا۔ اب تک صرف اس قدر اطلاع ملی ہے کہ معظم نے ایک بار لکھا کہ گورنمنٹ ہند کی جانب سے ایک لفافہ جالب صاحب کے نام آیا تھا۔ وہ کلکتہ روانہ کر دیا گیا۔ بہت کچھ عرصے بعد معظم نے پھر لکھا تھا کہ ہمدرد کی اپیل کا جو فیصلہ ہوا وہ تو آپ کو معلوم ہی ہو گیا ہوگا۔ ہم کو معلوم نہ تھا کہ اس فیصلہ کی اطلاع دینے والے جالب صاحب جیسے شخص تھے۔ بُرا ہو اس کالی کالی شے کا جس کی ڈبالینڈ دہن تک ساتھ آئی تھی۔ جس نے اس راستہ کو جس کو اور لوگ ایک دن میں طے کرتے

میں تین دن میں طے کرایا اور پھر بھی جس نے سوار کو بیدل چلایا تھا غالباً جالب صاحب کا خیال ہے کہ وہ اس کی اطلاع فیصلہ ملتے ہی مجھے کر چکے ہیں۔ بھائی ان سے کہہ دو کہ یہ تمام مکروفریب چینا بیگم صاحبہ کا ہے ورنہ میں تو آج تک اس معاملے سے بے خبر ہوں۔ ان سے سلام کہنا اور یہ کہہ دینا کہ یہ نیشن وغیرہ پر اس قدر نظر عنایت کیوں ہے۔ دنیا میں واقعات کی نہیں راؤں کی کمی ہے۔

اب اپنی سنو۔ علی گڑھ کالج کے معاملات ضرور تمہاری توجہ کے مستحق ہیں، مگر واقعات سے بہتر کوئی شے نہیں۔ رائے کو کم کرو۔ واقعات کو زیادہ کرو۔ کیا چوہدری غلام حیدر خاں کو علی گڑھ کے متعلق کاغذات دستیاب نہیں ہوتے ہیڈ ماسٹر صاحب کی انگلش ہاؤس ماسٹری کا معاملہ ایسا ہے کہ اس کا جواب ہی نہیں۔ پھر انسپکٹر کی رپورٹ پھر اس پر نواب اسحٰق خاں صاحب کا ایک کمیٹی مقرر کرنا تاکہ اولڈ بوائز والی کمیٹی اور ٹرسٹیوں کا کمیشن نہ بننے پائے پھر اس کمیٹی میں خواجہ کا نام بھی ہونا، مگر آخرش صاحبزادہ صاحب کا تحقیقات کرنا اور رپورٹ تیار کرنا پھر امسال سکول کے امتحانوں میں طلبہ کو ترقی نہ دینا پھر یونیورسٹی کے نتائج، یہ سب توجہ کے مستحق ہیں۔ تم اسحاق خاں صاحب سے پوچھ سکتے ہو کہ گزشتہ پانچ سالوں میں اسکول کے ہر درجے کے سالانہ امتحان میں کیا Percentage ترقی دیا گیا اور امسال ہر درجے میں کیا Percentage ترقی دیا گیا ہے۔ گزشتہ پانچ سال کے اسکول کے نتائج خراب تھے چنانچہ اس سال میں نے بجٹ کے جلسے میں یہ اعداد پیش کیے تھے۔ گزشتہ سالوں کے جلسوں کی روداد یں اور بجٹ منگا کر رکھو اور کبھی کبھی مطالعہ کر لیا کرو۔ جو رائیں میں نے Old Boys کے جلسے میں بہ حیثیت ٹرسٹی من جانب ایسوسی ایشن اپنی سالانہ کارروائی پیش کی تھی یہ وہ چیزیں ہیں جن

سے تمہیں اپنے پیارے کالج اور اس کے اسکول کے حالات صحیح صحیح معلوم ہوں گے
یعقوب کی تحریک اور اس پر ان کی رائے میں رطب یابس دونوں تھے اور
جو کمیٹی بنوانا چاہتے تھے وہ محض بے کار اور مضر ہوتی اگر کچھ اصلاح کر سکتے ہو
اور کرنا چاہتے ہو تو اصل کو پکڑو فروع سے زیادہ بحث نہ کرو اور پھر دو عملی بیکار
نہیں بلکہ مضر ہے یا . . . . کو . . . . کو قوم کا دشمن
سمجھو کسی نیت سے بھی ہو قوم کا نقصان کر رہے ہیں۔ اصلاح کا کام دوسروں پر
چھوڑ دینا بھگت سے یہ کام نہیں چلے گا۔ ارے ہاں خوب یاد آیا یہ تم سے کس
نے کہہ دیا کہ . . . . مسئلہ تعلیم کا بڑا اکسپرٹ ہے۔ یہ شخص محض احمق
ہے۔ اسے اتنی عقل ہی نہیں ہے کہ کچھ سمجھے۔ اسے تو سازش آتی ہے اور غریب طلبہ
کا گلا گھونٹنا اور غداری و مکر و خفیہ نویسی۔ رہا یونیورسٹی کا معاملہ۔ اس کی مجھے
کچھ بھی اطلاع نہیں اطلاع دے تو کون۔ ڈاکٹر عبدالرحمن پی۔ ایچ۔ ڈی ساکت
و صامت ہیں۔ انصاری کچھ ناراض کچھ مصروف اور بالکل خاموش۔ اسحاق نے البتہ
محض مطبوعہ کاغذات ایسوسی ایشن اور کالج کے بھیج دیئے ہیں ہمدرد کے نامزد کردہ
نام کو ایسوسی ایشن سے خارج کرنا چاہتے ہیں۔ مجھے لکھا کہ اس میں آپ کو تو عذر
نہیں میں نے اپنے عذرات لکھ بھیجے اور یہ بھی کہ اگر یہ مسئلہ چھیڑا جائے تو میرا عریضہ
ممبروں کی خدمت میں ارسال کر دیا جائے اس کے بعد سے کوئی اطلاع موصول
نہیں ہوئی۔ دو مہینے ہو گئے۔ کمیٹی کے متعلق جو تم نے لکھا ہے وہ بالکل متوقع
تھا ہرگز غیر متوقع نہ تھا۔ یہ لوگ سب کے سب پرلے سرے کے بے ایمان ہیں
کسی امر کو مبہم اور ان کے اعتبار پر نہ چھوڑنا چاہیئے ان کی ہر طرف گرفت ہونا چاہیئے
یہ Ex-officio کا سوال اسی وقت طے کر دینا چاہئے تھا مگر جب تک
Ex-officio کے متعلق ریزولیوشن میں کچھ درج نہیں ہم کوئی شخص

نہیں بن سکتا۔ یونیورسٹی کے مسئلے میں جناح پر ہرگز اعتبار نہ کرنا Ex-offici o (یہ جناح کیوں کر دیا ہے اصل میں یہ لفظ جھینا بعنی پتلا ہے اور انگریزی Jheena ہونا چاہیئے تمہاکھوں نے اس کو Jinnah کر دیا۔ تم جنا کر دو، یا جنا وہ بہتر ہے کہ جنہ کر دو مگر جناح کیوں کہو) میں بے اعتمادی نہیں برتتا بلکہ تجربہ سے معلوم ہو گیا کہ جنہ کی رائے ہے کہ یہ مسئلہ زیادہ اہم نہیں جس طرح Compromise ہو سکے کر لیا جائے مسئلہ تعلیم پر جنہ Expeı o کی حیثیت بھی نہیں رکھتے۔ کالج کے ٹرسٹی کی حیثیت سے وہ نہایت بے توجہ اور لاپرواہے ہیں۔ اس کی روایات سے انھیں واقفیت نہ دلچسپی، وہ پولیٹیکل مسائل میں کام کے آدمی ہیں اور وہ بھی کاغذی کارروائیوں میں۔ یہ مسئلہ تعلیمی ہے اور اس میں عبدالرحمٰن ہی رہبر و سالار وہ بھی اس وقت تک جب تک سرگرمی اور مستعدی سے وہ کام کرے۔ میں نہیں کہہ سکتا کہ وہ ولایت سے آنے کے بعد سرگرم رہا یا نہیں۔ بھائی اب اس خط کو ختم کرتا ہوں۔ ہاں اتنا اور لکھنا ہے کہ چغتائی نے شریف مکہ کی غداری پر (نہ معلوم یہ واقعہ صحیح بھی ہے یا نہیں۔ بظاہر صحیح نہیں ہے۔ میری ایک عزیزہ چار سال بیت اللہ شریف رہ کر ابھی واپس آئی ہیں) جو رائے دی تھی اس میں ہمارے مقدس مذہب سے ناواقفیت کا کافی سے زیادہ اظہار کیا تھا۔ چوں کہ عنایت فرما ہیں میں نے بہ حیثیت ایک مسلمان کے اس معاہدہ کے مذہبی نوٹ پران کو ایک خط لکھا ہے۔ سنسر صاحب نے اس امر کو مذہبی تسلیم کر کے (کیوں کہ میں نے سیاسی یا فوجی رخ سے بحث کرنے سے احتراز کلی کیا تھا) میرا خط بہ طیب خاطر روانہ کر دیا۔ غالباً تم کو اس خط کی چند دن میں نقل روانہ کر دوں دیکھ کر واپس کر دینا۔ میں خدا کا شکر بجالاتا ہوں کہ ہم میں، ہمارے مرشد مولٰنا

عبدالباری صاحب مدظلہ العالی جیسے بزرگ اور مذہبی پیشوا موجود ہیں۔ لیگ نے بھی اس بار تو کچھ مذہبی خدمت ادا کی اور مسلمانانِ کلکتہ نے بھی ہم مسلمانوں کو ان کا مشکور ہونا چاہیئے جنہوں نے ہماری مذہبی احساسات کا اس موقعہ پر لحاظ کیا۔ جنگ پر رائے زنی کرنا ماہرینِ فن جنگ کا کام ہے۔ سیاسیات پر میں نظربندی کے باعث بحث کرنے کا مجاز نہیں ہوں۔ البتہ مذہبی معاملات میں ہمیشہ آزاد ہوں اور رہوں گا اور خدا سے دعا اب نہیں بلکہ ہمیشہ سے مانگا کرتا ہوں۔ اللّٰھم اعزّ الاسلامَ والمسلمین واخذل الکفر والمبتدعۃ والمشرکین دام سلطنۃ عبدک السلطان ابن السلطان الخاقان ابن الخاقان سلطان البحرین وخاقان البرین خادم الحرمین الشریفین الغازی المجاہد فی سبیل اللہ سلطان الاسلام خلد اللہ تعالیٰ ملکہ وسلطنتہ۔ اللّٰھم انصرہ وانصر عساکرہ وکذا فہم حافظہ موئیدہ وناصرہ واحق لبیک الرقاب الطایفۃ الباغیۃ الکفرۃ بامن بیدہ امر الدنیا والآخرۃ۔ خداوندِ کریم فرماتا ہے کہ انی اجیب الدعوۃ الداع اذا دعانِ فلیستجیبوا لی ولیومنوا لی۔ چنانچہ ہماری دعاؤں کا تو قرآن پاک ہی نے فیصلہ کردیا۔ کل تلاوت کر رہا تھا کہ یہ آیات باعث تسکین ہوئیں۔ وما لہم الّا یعذبہم اللہ وہم یصدون عن المسجد الحرام وما کانوا اولیاءہ۔ ان اولیاؤہ الا المتقون ولکن اکثرہم لا یعلمون۔ وما کان صلاتہم عند البیت الّا مکاءً وتصدیۃً فذوقوا العذاب بما کنتم تکفرون۔ ان الذین کفروا ینفقون اموالہم لیصدوا عن سبیل اللہ فسینفقونہا ثم تکون علیہم حسرۃً ثم یغلبون ؕ

بھائی ہمارا تو خدا پر بھروسا ہے اور وہ فرماتا ہے کہ وان تولو فاعلموا ان اللہ مولٰکم نعم المولیٰ ونعم النصیر ؕ

ارے صاحب یہ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ والے سردار تو بڑے

Lady Kitlu کیسے؟[۵] تم نے ہماری تازہ غزلیں بھی سنیں؟ نہیں سنی ہوں تو حیات سے منگالو۔ چودہری کا ایک خط مجھ پر تحت الخیر ضرور قرض ہے۔ مگر اس کے یہ معنی نہیں کہ وہ اور خصوصاً سید، شوکت اور جالب مجھے بالکل بھلا دیں۔

تمہارا
محمد علی

۵ حسینوں کے کنہیا

نواب صاحب جاورہ کے نام

(۱)

۷ر جولائی ۱۹۱۹ء لینسڈن

حضور والا۔ السلام علیکم

آنجناب کو اس تحریر کو دیکھ کر تعجب ہوگا کیونکہ سوائے اس زمانے کے جب کہ حضور والا مجھے اپنی ریاست میں شرف ملازمت بخشنا چاہتے تھے میں نے آپ سے کبھی خط و کتابت نہیں کی ہے اور خصوصاً اس زمانے میں جب کہ میں یہاں مقیم ہوں بجائے بڑھنے کے خط و کتابت کے سلسلہ کو گھٹنا ہی چاہیئے تھا مگر حال ہی میں حضور والا کی ایک تقریر مسئلہ حج کے متعلق مختلف اردو اور انگریزی اخباروں میں میری نظر سے گزری ہے اور اس کے پڑھنے کے بعد اس محبت و عقیدت و خلوص نے جو مجھے برسوں سے حضور کے ساتھ ہے مجبور کر دیا کہ یہ عریضہ خدمت عالی میں ارسال کروں۔ حضور نے ہمیشہ میرے ساتھ محبت و عنایت کا برتاؤ کیا ہے اور ابھی پانچ سال بھی نہیں ہوئے کہ آپ نے مجھے اپنی ریاست میں سب سے مقتدر اور معزز عہدے پر مقرر فرمانا چاہا تھا اگر یہ تعلقات بھی نہ ہوتے تب بھی اسلامی رشتہ اخوت کہیں نہیں گیا تھا اور ہر مسلمان کو نہ صرف اختیار ہے بلکہ اس پر فرض یہ ہے کہ جہاں تک مذہب کا تعلق ہے امر بالمعروف و نہی عن المنکر

کرتا رہے۔ اس میں تفاوت مدارج بھی باقی نہیں رہتا اور محمود و ایاز ایک ہی صف میں کھڑے ہوتے ہیں کیوں کہ ایک سلطنت ایسی بھی ہے۔

من و تو ہر دو خواجہ تاشانیم
بندہ بارگاہ سلطانیم

اس لئے امید ہے کہ اس عریضہ کو گستاخانہ نہ سمجھا جائے گا بلکہ اسے میری محبت و خلوص و احترام احکام الٰہی و شریعت رسول کے جذبات کا نتیجہ سمجھا جائے گا۔

حضور ایک ریاست کے فرمانروا ہیں، دنیا میں بہت کم لوگ ہوں گے جو ایسے مناصب جلیلہ پر پہنچنے کی آرزو نہ رکھیں، مگر ہزار ہا فوائد کے ساتھ جو عیاں ہیں ایسے مناصب میں ایک بڑا نقصان بھی مضمر ہوتا ہے اور وہ یہ ہے کہ چونکہ حاکم و محکوم برابر والے نہیں ہو سکتے اور دوستی صرف برابر والوں میں ہو سکتی ہے اس لیے ایک ریاست کے فرمانروا کا اس ریاست میں کوئی دوست نہیں ہو سکتا اور اکثر تو اہل غرض ہوتے ہیں جن کے خلوص پر بھی بآسانی اعتماد نہیں ہو سکتا ایسی حالت میں بسا اوقات دیکھا گیا ہے کہ اول تو صلاح و مشورے کی نوبت ہی نہیں آتی اور اگر آتی ہے تو صلاح دینے والے کی نیت کے متعلق ہزار ہا شکوک اسی وقت پیدا ہو جاتے ہیں مجھے خوف ہے کہ اس طولانی تحریر کو دیکھتے ہی حضور ردی کی ٹوکری کے سپرد نہ کر دیں یا اگر پڑھنے کی زحمت گوارا فرمائیں تو میری نیت کی نسبت آپ کے دل میں شبہات نہ پیدا ہو جائیں۔ مگر امید ہے کہ آپ اس پر بھی غور فرمائیں گے کہ میں نے آج تک حضور سے اپنی ذات کے لیے چندے کی استدعا نہیں کی ہے اور خصوصاً اس وقت جو میری حالت ہے وہ مجھے دنیوی فوائد سے مستغنی کرنے کے لیے کافی ہے، اس وقت سوائے اس کے کچھ آرزو نہیں کہ خدمت اسلام و ہندوستان ان ناتواں ہاتھوں

سے بھی ہو جائے اور یا کامیابی نصیب ہو یا خدا کی راہ میں دم نکلے۔ ایسے شخص کے متعلق شبہات بے کار ہیں، نیز مجھے امید ہے کہ آپ دنیوی امور میں اس قدر منہمک نہ ہوں گے کہ ایک خالص مذہبی تحریر کے پڑھنے کے لئے جو ایک مسلمان بھائی نے محض دلسوزی سے لکھی ہے تھوڑا سا وقت بھی نہ دے سکیں۔

ایک عرض اور بھی ہے اور وہ یہ ہے کہ یہ عریضہ عوام کی گرمی بزم اور شہرت کے حصول کے لئے نہیں لکھا گیا ہے بلکہ صرف آپ کو چند باتوں کی طرف جن کو میں حق سمجھتا ہوں، متوجہ کرنے کی غرض سے لکھا گیا ہے اس لئے اسے بغور پڑھیئے اگر ممکن ہو تو بار بار پڑھیئے اور آپ ایک سچے مسلمان کی طرح بارگاہِ ربّ العزت میں دعا فرمایئے کہ وہ آپ کو صراطِ مستقیم دکھائے اور اپنی محبت آپ کے دل میں اس طرح جاگزیں کر دے کہ آپ پھر ہر ایک کی محبت سے مستغنی ہو جائیں اور اپنا خوف آپ کے دل میں اس طرح ڈال دے کہ کسی اور کا خوف پھر اس دل میں نہ سما سکے۔

اب میں حضور کی تقریر کی طرف رخ کرتا ہوں۔ اگر اس تقریر کا منشا محض اس قدر ہوتا کہ آپ برطانوی حکومت کی برکات کا اعتراف و اعلان فرماتے تو مجھے ہرگز اس عریضے کے لکھنے کی ضرورت پیش نہ آتی، یا اگر اس میں جرمنوں کی جنگی کارروائیوں ہی پر اعتراضات کئے جاتے تو مجھے اس سے بھی کم اس تحریر کے لکھنے کی ضرورت ہوتی یہی نہیں بلکہ اگر آپ ترکوں کے کسی خاص سیاسی فریق کے خلاف اظہار رائے فرماتے تب بھی میرا فرض نہ ہوتا کہ میں آپ کے خیالات کی تردید کرتا۔ اس بلائے عظیم کی ابتدا کس نے کی اور قصور کس کا ہے جانبین کا ہے یا محض ایک فریق کا، یا کس کا کس قدر قصور ہے۔ یہ ایسے مسائل ہیں کہ ان پر جتنے منہ اتنی باتیں، وفاداری کا جذبہ نہ واقعات کو بدل سکتا ہے

نہ ان کے متعلق خیالات ہی پر اثر رکھتا ہے ۔ اس کا تعلق پابندی قانون اور حکومت کی ہر جائز اور واجبی امداد تک ہے ۔ خواہ متذکرہ بالا مسائل پر کسی کی کوئی بھی رائے ہو۔ یہ ہر فرد رعایا پر یکساں فرض ہیں تاوقتیکہ کوئی ان سے بھی زیادہ اہم اور ضروری فرض ان فرائض کو ساقط نہ کر دے ۔ اس لیے میں آنجناب کے ان خیالات کے بارے میں جن کا تعلق انگریزی حکومت کی خوبیوں، جرمنوں کی بداطواریوں اور نوجوان ترکوں کی پالیسی سے ہے ایک حرف بھی عرض نہ کروں گا۔

مگر سوال یہ ہے کہ اگر تسلیم کر لیا جائے کہ انگریزی حکومت اس قدر بابرکات ہے اور جرمن اتنے ہی بداطوار اور نوجوان ترک ویسے ہی احمق اور خودغرض ہیں جیسا کہ آنجناب خیال فرماتے ہیں تب بھی کیا انگریزی حکومت کے بابرکات جرمنوں کے بداطوار اور نوجوان ترکوں کے احمق و خودغرض ہونے سے شعائر اللہ کی حرمت میں کمی واقع ہو سکتی ہے اور کیا ان کی وجہ سے ارکان اسلام میں سے ایک بھی ساقط و خارج ہو سکتا ہے ۔ گو آنجناب نے اپنی تقریر میں اسے واضح طور پر کہیں بیان نہیں فرمایا ہے تاہم ساری تقریر کو بار بار پڑھنے سے یہی مترشح ہوتا ہے کہ ہم جرمنوں کو ان کی بداطواری اور نوجوان ترکوں کو ان کی حماقت و خودغرضی کی سزا صرف اس طرح دے سکتے ہیں اور انگریزی حکومت کے احسانات کا بدلہ صرف اسی طرح اتار سکتے ہیں کہ امسال ایک فریضہ مذہبی کی ادائیگی سے قاصر رہیں ۔ میں نہیں سمجھ سکتا کہ آنجناب اس نتیجہ پر کس طرح پہنچے ۔ نہ یہی سمجھ میں آتا ہے کہ اس قسم کے خیالات کے اظہار سے انگریزی حکومت کی وقعت مسلمانوں کے دلوں پر کس طرح بڑھ سکتی ہے ۔ ایک آدھ جگہ تو آپ نے اس خیال کو اس طرح ظاہر فرمایا ہے کہ گویا گورنمنٹ یہ حکم دیتی ہے کہ امسال کوئی حج کو نہ جائے حالانکہ اب تک سوائے حیدرآباد کے اعلان کے (کہ ریاست کا قافلہ امسال ارض پاک

کو تہ جائے گا) اور آپ کی تقریر کے اس مسئلہ کے متعلق کچھ بھی شائع نہیں ہوا۔ البتہ نواب فتح علی خاں قزلباش نے زائرین کربلائے معلٰی و نجف اشرف کو یہ شائع کر کے روک دینا چاہا تھا کہ ان کو خاص ذرائع سے اطلاع ملی ہے کہ ان عتبات عالیات کے گرد و نواح میں وبائیں پھیلی ہوئی ہیں، مگر اب تک ان کو بھی کسی خاص ذریعے سے اس پیشگوئی کا پتہ نہ چلا کہ حرمین کے گرد و نواح میں بھی چند ماہ بعد وبائیں پھیل جائیں گی۔ میرے خیال میں اس قسم کی تحریروں اور تقریروں سے حکومت کے خلاف مسلمانوں کے دلوں میں طرح طرح کے شکوک و شبہات جاگزیں ہو جائیں گے اور نتیجہ ہرگز وہ نہ ہوگا جو سمجھا گیا ہے۔

حضور کی تقریر کے شروع ہی میں یہ فقرہ ہے کہ "میں نے آج آپ کو یہاں آنے کی اس لئے تکلیف دی ہے کہ میں حج کے بارے میں آپ کو ایک نصیحت کرنا چاہتا ہوں" مگر تقریر کا ایک بڑا حصہ غیر متعلق امور کی بابت ہے اور صرف آخری حصہ میں یہ بتایا گیا ہے کہ موجودہ وقت حج کے لئے موزوں نہیں۔ میری سمجھ میں نہیں آتا کہ یہ تقریر سال گزشتہ میں کیوں نہ کی گئی جب کہ خود انجمن خدام کعبہ اس امر کا اعلان کر رہی تھی کہ ایمڈن کی وجہ سے راستہ پرخطر ہے اور سنا گیا ہے کہ ساحل افریقہ کے پاس متعدد جرمنی جہاز اور بھی موجود ہیں لیکن باوجود اس انتباہ کے بھی جہاز راں انگریزی کمپنی نے اپنی گرم بازاری جاری رکھنے کی پوری کوشش کی اور لوگوں کو عدن میں دیر تک رہنا پڑا اور بمبئی میں بھی تکلیف اٹھانی پڑی۔ برخلاف اس کے امسال سمندر کی سطح پر غنیم کا ایک بھی جہاز نظر نہیں آتا اگر خطرہ ہے تو صرف اس کا کہ ترک اپنے ملک میں شاید نہ آنے دیں اور اگر بعض پردہ جاسوسی کا شبہ کریں تو کیا تعجب ہے مگر یہ معاملہ امریکن گورنمنٹ کے توسط سے طے ہو سکتا ہے اور اگر ترک برطانوی رعایا کو ارض پاک میں داخل ہونے سے

روکیں گے تو سارا الزام (اگر اس میں الزام لگایا جا سکے) اُن پر عاید ہوگا اور گورنمنٹ کا دامن اس سے بالکل پاک ہوگا۔ پھر ہندی مسلمان جانیں اور ترکی مسلمان اور خلیفۃ الرسول اور امیر المومنین و خادم حرمین الشریفین۔

بہر حال اگر راستہ مخدوش ہے تو اس امر کا اعلان کرنے کے بعد بھی کوئی شخص حج کو جائے گا تو وہ خود اپنی حفاظت کا ذمہ دار ہوگا گورنمنٹ اپنے کو بالکل بری الذمہ کر سکتی ہے مگر کس طرح لازم آتا ہے کہ آپ جیسا مسلمان اُن حقوق کا استعمال کرکے جو خداوند کریم نے صرف صالحین ہی کو دینے کا وعدہ فرمایا ہے اور جو جبر و تشدد کرنے والوں سے ہمیشہ چھین لیے جایا کرتے ہیں۔ اپنی بے بس رعایا کو حکم دے کر اس سال فریضہ حج ادا نہ کرو جس کو میرے اور تمہارے حاکم حقیقی نے مجھ پر اور تم پر فرض کیا ہے اور اگر جبر و اکراہ بھی ہو تو اس قدر مضائقہ نہیں۔ مگر حضور فرماتے ہیں کہ آپ کی اس نصیحت کا اتباع آپ کی رعایا پر " نہ صرف عملاً بلکہ مذہباً لازم ہے"

یہی نہیں کہ آنجناب نے مذہب کی طرف صرف اس طرح مجملاً اشارہ فرما دیا ہے، بلکہ آپ نے اپنی تقریر میں قرآن پاک کا بھی دس جگہ حوالہ دیا ہے۔ ہر شخص مجاز ہے بلکہ ہر مسلمان پر فرض ہے کہ احکام الٰہی کو ہر کس و ناکس تک پہنچائے۔ مگر کلام اللہ کی چند آیات کو اُن کے سیاق و سباق سے جدا کرکے اپنے قول کو تقویت دینے کی غرض سے پیش کرنا اور ان آیات سے اعراض کرنا جو اُن سے بھی زیادہ اُس مسئلے سے متعلق ہوں ایک اتنا بڑا گناہ ہے کہ ہم کو خدا سے دعا مانگنا چاہیے، کہ وہ اپنے فضل سے ہر مسلمان کو اس سے بچائے۔ قرآن پاک میں بنی اسرائیل کی بار بار اسی وجہ سے شکایت کی گئی ہے کہ تورات میں وہ جس چیز کو اپنے مطلب کا پاتے تھے اُسے لوگوں کو پڑھ کر سناتے تھے اور جس چیز کو اپنے خلاف پاتے تھے اُسے حذف

کر دیئے تھے۔ یہ بھی کلام اللہ میں ایک طرح کی تحریف ہے اور یہ عجب اعجاز قرآنی ہے، کہ سورہ بقرہ کے انیسویں رکوع میں اس فعل قبیح کی جہاں برائی کی گئی ہے اُسی رکوع میں اُس سے پہلے حج کا ذکر ہے چنانچہ ملاحظہ ہو۔

ان الصفا والمروۃ من شعائر اللہ فمن حج البیت او اعتمر فلا جناح علیہ ان یطوف بہما۔ ومن تطوع خیرا فان اللہ شاکر علیم ۔ ان الذین یکتمون ما انزلنا من البینات والہدیٰ من بعد ما بینٰہ للناس فی الکتاب اولئک یلعنہم اللعنون الا الذین تابوا واصلحوا و بینوا فاولئک اتوب علیہم وانا التواب الرحیم۔

(بے شک کوہ صفا کوہ مروہ خدا کی ٹھہرائی ہوئی ادب گاہوں میں سے ہیں۔ تو جو شخص خانہ کعبہ کا حج یا عمرہ کرے، اس پر ان دونوں کے درمیان طواف کرنے میں کچھ گناہ نہیں (جیسا بعض لوگ خیال کرتے تھے اس لئے کہ اسلام سے پیشتر یہاں بت نصب تھے) اور خوش دلی سے نیک کام کرے تو اللہ قدر دان ہے اور اُس کی نیت کو جانتا ہے۔ وہ جو ہم نے کھلے ہوئے احکام اور ہدایت کی باتیں اتاریں، اور کتاب میں ہم نے لوگوں کو صاف سمجھا دیں کہ اس کے بعد جو ان کو چھپائیں تو یہی لوگ ہیں جن پر خدا لعنت کرتا اور دنیا بھر کے لعنت کرنے والے بھی لعنت کرتے ہیں مگر جنہوں نے توبہ کی اور اپنی حالت کی اصلاح کی اور جو کچھ کتاب میں تھا صاف صاف بیان کر دیا تو یہی لوگ ہیں جن کی توبہ ہم قبول کرتے ہیں اور ہم تو توبہ کے قبول کرنے والے مہربان ہیں۔)

میں نہیں چاہتا کہ اس معاملے میں کسی طول طویل بحث کو چھیڑوں مگر میری نہایت ادب و لجاجت کے ساتھ درخواست ہے کہ حضور والا اسی وقت قرآن پاک کو منگوائیں اور زیادہ نہیں صرف انھیں رکوعوں کو معہ ترجمے کے پڑھ لیں جن کو حضور والا نے اپنی تقریر میں حوالہ دیا ہے مگر شرط یہ ہے کہ پورا رکوع

پڑھا جاوے ۔ میں نے آنجناب کی تقریر دیکھتے ہی کلام اللہ لے کر ہر ایک وہ آیت نکالی جس کا آپ نے حوالہ دیا ہے ۔ پھر سارا رکوع پڑھ کر سیاق و سباق پر غور کیا تو قرآن کا ایک عجیب اعجاز نظر آیا ۔ بہتر ہو کہ آپ بھائی شیر علی خاں اور سرفراز علی خاں وغیرہم کو بھی یہ عریضہ یا کم از کم اس کا یہ حصہ دکھا دیں اور ان کے سامنے ہی کلام اللہ کے وہ رکوع تلاوت فرمائیں جن کا حوالہ دیا گیا ہے تو آپ کو بھی یقین ہے کہ اسی قدر عبرت ہو گی جس قدر مجھ کو ہوئی ہے خدا خود آپ سے ہم کلام ہو گا اور مجھ جیسے ناچیز خادم کو کسی گستاخانہ پند و وعظ کرنے کی مطلق ضرورت نہ رہے گی ۔

حضور کی تقریر میں پہلا حوالہ سورۂ نسا ، رکوع ۱۶ کی طرف ہے مگر ان آیات پر بھی غور فرمایئے یستخفون من الناس ولا یستخفون من اللہ وھو معھم اذ یبیتون مالا یرضیٰ من القول ؕ وکان اللہ بما یعملون محیطاہ ہانتم ھٰؤلاء جادلتم عنھم فی الحیٰوۃ الدنیا فمن یجادل اللہ عنھم یوم القیامۃ ام من یکون علیھم وکیلا ۔ رکوع ۱۸ کا حوالہ نہ مل سکا وہ غیر متعلق محض ہے مگر شیطان کے فریبوں اور جھوٹے وعدوں اور بہکانے کا ذکر ہے اور گمراہوں پر عذاب اور سچے مسلمانوں پر عنایت الٰہی ملاحظہ ہو ۔

یعدھم ویمنیھم ؕ وما یعدھم الشیطٰن الا غرورا ہ
من احسن دینا ممن اسلم وجھہ للہ وھو محسن واتبع ملۃ ابراھیم حنیفا ہ

البتہ رکوع ۱۷ میں اس گروہ کی طرف اشارہ فرمایا گیا ہے جو مسلمانوں کو بہکا دینے کا ارادہ ہی کر چکا تھا مگر سوائے اس کے کچھ نہ کر سکا کہ بس اپنے ہی تئیں گمراہ کرے پھر ہدایت کے لئے قرآن اور عقل سلیم کو کافی بتایا گیا ہے ۔
رکوع ۲۰ میں خدا لگتی گواہی دینے کے لئے ارشاد ہوا ہے اور خدا ہر مسلمان کو ۔

اس کی توفیق دے ۔ آگے چل کر اسی رکوع میں یہ بھی ارشاد ہوا ہے کہ بشر المنفقین بان لہم عذابا الیما ہ الذین یتخذون الکفرین اولیاء من دون المومنین ط
پھر خود ہی سوال کیا گیا ہے کہ ایبتغون عندہم العزۃ (کیا کافروں کے ہاں جاتے ہیں ؟) اور خود جواب دیا گیا ہے کہ فان العزۃ للہ جمیعا (سو عزت تو ساری اللہ ہی کی ہے) آگے چل کر منافقوں کی تعریف فرمائی ہے کہ وہ نتیجے کے منتظر ہیں کہ اگر مسلمانوں کی فتح ہو تو کہہ دیں کہ کیوں جی ہم تمہارے ساتھ نہ تھے اور اگر کفار کو فتح نصیب ہو جائے تو کیا ہم نے تم کو مسلمانوں کے ہاتھوں سے نہیں بچایا پھر فرمایا ہے کہ فاللہ یحکم بینکم یوم القیامہ ط اور وعدہ فرمایا ہے کہ لن یجعل الکفرین علی المومنین سبیلا ۔ اور اس سے بڑھ کر قول کا سچا کون ہو سکتا ہے پھر فرماتا ہے کہ ان المنفقین یخدعون اللہ وہو خادعہم خدا ہر ایک کو اس بلائے بد اور اس کے ثمرات سے محفوظ رکھے ۔

سورۂ مائدہ کے پہلے رکوع کا حوالہ دیا گیا اور غالباً حضور کا اشارہ آیۃ کریمہ کی طرف ہے جس میں ہدایت کی گئی ہے کہ مسلمان اپنے عہدوں کو پورا کریں۔ خدا ہمیں اس کی توفیق دے مگر سب سے سچا وہ عہد ہونا چاہیے جو ہم نے خدا اور رسول کے ساتھ کیا ہے۔ اسی رکوع میں خدا یہ بھی حکم دیتا ہے کہ
یا ایہا الذین آمنوا لا تحلوا شعائر اللہ ولا الشہر الحرام ولا الہدی ولا القلائد ولا آمین البیت الحرام یبتغون فضلا من ربہم و رضوانا ط خدا کسی مسلمان سے شعائر اللہ کی اور ان لوگوں کی بے توقیری نہ کرائے جو اپنے پروردگار کی برکت اور اس کی رضامندی حاصل کرنے کے لیے خانۂ کعبہ کی زیارت کو جا رہے ہوں۔
اسی رکوع میں کفار کی طرف اشارہ کر کے خداوند کریم یہ فرماتا ہے کہ لا تخشوہم واخشونی ط خدا کرے کہ ہر مسلمان کے دل میں خوف خدا کسی اور کے خوف کی گنجائش

ہی نہ چھوڑے ۔

سورۂ بقرہ کے دوسرے تیسرے رکوع کا حوالہ دیا گیا ہے مگر اس میں تو منافقوں کے متعلق ذکر ہے، نہ معلوم مسلمانوں پر اس کی کس طرح تطبیق ہو سکتی ہے ملاحظہ ہو کہ خداوند کریم فرماتا ہے کہ یہ لوگ اپنے نزدیک اللہ کو اور مسلمانوں کو دھوکا دیتے ہیں اور حقیقت میں دھوکا نہیں دیتے مگر اپنے آپ کو اور اس بات کو بھی نہیں سمجھتے پھر فرمایا ہے کہ یہ لوگ مسلمانوں سے ملتے ہیں تو کہتے ہیں کہ ہم بھی مسلمان ہیں اور اپنے شیاطین سے جب تنہائی میں ملتے ہیں تو کہتے ہیں کہ ہم تو تمھارے ساتھ ہیں ہم تو مسلمانوں کو صرف بناتے ہیں، امر واقعی یہ ہے کہ اللہ ان کو بناتا ہے اور ان کو ڈھیل دیتا ہے کہ اپنی سرکشی میں پڑے ٹاپک ٹوئے مارا کریں۔ یہ وہ لوگ ہیں جنھوں نے ہدایت کے بدلے گمراہی مول لی سو نہ تو اس لین دین ہی میں انھیں فائدہ ہوا نہ راہ راست ہی پر قائم رہے۔ اسی موقعہ پر یہ بھی حکم دیا گیا ہے کہ کسی کو خدا کا ہم پلہ نہ بناؤ۔ لیکن آج کل کے مسلمانوں کی یہ حالت ہے کہ دنیوی فراعنہ کو خدا کا ہم پلہ نہیں بلکہ اس سے کہیں زیادہ عالی مرتبہ بنا دیا ہے۔ یہ شرک بت پرستی سے بھی بدتر ہے۔ اس لئے کہ بت غلط احکام تو جاری نہیں کر سکتے صرف اُن کی پرستش ہی گمراہی ہے اور یہاں تو اس گمراہی پر اور ضلالتوں کا آئے دن اضافہ ہوتا رہتا ہے۔ خدا شرک جلی و خفی سے ہر مسلمان کو بچائے۔ ایک شاعر نے آج کل کا حال دیکھ کر خدا کی یوں توصیف کی ہے:-

(نعوذ باللہ من ذالک)

اُس کی قدرت کا بیاں کوئی کسی طرح کرے
میں تو اللہ تعالیٰ کو کلکٹر (کلکٹر) سمجھا

سورۂ بقرہ کے چودھویں رکوع میں تو یہود و نصاریٰ کا ذکر ہے اور یہاں کسی مسلمان سے اس کا خوف بھی نہیں ہے کہ وہ سجدوں میں اللہ کا نام لے جانے

کی مخالفت کرے اور کسی مسجد کو برباد و ویران کرنا چاہئے گو اب کانپور میں چند منافق اس قسم کے بھی نظر آنے لگے ہیں۔ امید ہے کہ آپ اس رکوع کو دوبارہ پڑھیں گے اور نہایت غور سے اور آخر تک پڑھیں گے اور خدا کسی مسلمان کا یہ حشر نہ کرے کہ وہ اس کے بعد کہ قرآن ہمارے رسول اکرم پر نازل ہو چکا ہے اتباع اہوائے کفار کرے اور قیامت کے دن بے یار و مددگار رہ جائے۔ قل ان ہدی اللہ ہوالہدیٰ۔ اصلی ہدایت تو وہی ہے جو خدا پاک و قدوس کی مرضی اور رضائے الٰہی کا جویا ہونا ہمارا فرض ہے نہ کہ اپنے دین کو چھوڑ کر اوروں کی ملت کا اتباع کرنا۔

سورۂ مائدہ کے پانچویں رکوع میں نہ معلوم آنجناب کا کس آیہ کریمہ کی طرف اشارہ ہے۔ بہر حال سیاق و سباق پر غور فرمایئے اور ملاحظہ کیجئے کہ اس رکوع میں ارشاد ہوا ہے کہ جو لوگ اللہ اور اُس کے رسول سے لڑتے اور فساد کی غرض سے ملک میں دوڑتے پھرتے ہیں' اُن کی سزا تو بس یہی ہے کہ ڈھونڈھ ڈھونڈھ کر قتل کر دے جائیں' یا ان کو سولی دی جائے' یا اُن کے ہاتھ پاؤں اُلٹے سیدھے کاٹ دے جائیں' یا اُن کو دیس نکالا دیا جائے یہ تو دنیا میں اُن کی رسوائی ہوئی اور آخرت میں اُن کے لئے اور بھی بڑا عذاب ہے ساتھ ہی ساتھ مسلمانوں کو یہ بھی حکم دیا گیا ہے کہ جو لوگ اس سے پہلے کہ تم ان پر قابو پاؤ توبہ کرلیں تو اُن کے حال سے تعرض نہ کرو اور جانتے رہو کہ اللہ لوگوں کے قصور معاف کرنے والا ہے۔ ہر شخص کو چاہئے کہ وقت مقررہ سے قبل توبہ استغفار کرے۔ ربنا تب علینا انک انت التواب الرحیم۔

نویں رکوع کا حوالہ دیا گیا ہے مگر خدائے پاک کا روئے سخن کس طرف ہے یہ اس رکوع کے پڑھنے سے واضح ہوتا ہے اور جس خدا نے فرمایا ہے

کہ واللہ لا یحب المفسدین ۔ اُسی نے آیۂ کریمہ میں بتایا ہے کہ وہ کون ہیں :۔
والقینا بینہم العداوۃ والبغضاء الی یوم القیامۃ ط کلما اوقدوا نارًا للحرب اطفاھا اللہ ویسعون فی الارض فسادًا ط حضور والا کی تقریر کا آخری حوالہ سورہ آل عمران کے دسویں رکوع کا ہے اس کو اور اس کے بعد والے رکوع کو پڑھیئے، اور غور کیجئے اور پھر خدا سے توبہ کیجئے اور ہدایت طلب کیجئے۔ کیا یہ آیتیں اس غرض سے نازل ہوئی تھیں کہ ان کا حوالہ دے کر مسلمان مسلمانوں کو ادائے فریضہ حج سے روکیں ۔ آپ فرماتے ہیں کہ سفر بیت اللہ نہ کرو ۔ امن نہیں ہے۔ اب سنیئے کہ خدا خود اسی رکوع میں ۔ اسی آیت میں کیا فرماتا ہے ۔
ان اول بیت وضع للناس للذی ببکۃ مبارکًا وہدی للعلمین ہ فیہ آیات بینات مقام ابراہیم ومن دخلہ کان امنًا ط
اس طرح خداوند کریم نے اس گھر بنانے والے ابراہیم (علیہ السلام) کی دعا قبول فرمائی کہ خداوند اس شہر کو امن کا مقام بنائیو۔ سنیئے آپ ہی کے ملک کا ایک مسلمان اقبال کیا کہتا ہے ۔

کوئی آج مسلم خستہ جاں کو یہ جا کے میرا پیام دے
کہ وطن ہے دشمن آبرو تو اماں ہے ملک حجاز میں

اب سنیئے کہ خداوند کریم کیا فرماتا ہے ۔ اسی رکوع میں ارشاد ہے قل یا اہل الکتاب لم تصدون عن سبیل اللہ من آمن تبغونہا عوجًا وانتم شہداء ط وما اللہ بغافل عما تعملون (کہو اے اہل کتاب دیدہ دانستہ اللہ کے راستے سے ناحق کجی نکال کر مسلمانوں کو کیوں روکتے ہو اور جو کچھ تم بھی کر رہے ہو اللہ اس سے غافل نہیں) اس سے واضح تر کیا ہو سکتا ہے اگر کچھ ہو سکتا ہے تو وہ بعد کی آیت ہے ۔
یا ایہا الذین آمنوا ان تطیعوا فریقًا من الذین اوتوا الکتاب یردوکم بعد ایمانکم

کافرین -
اس کے بعد از راہِ استعجاب خداوند کریم پوچھتا ہے کہ کم بختو کیسے کافر بنے گوکہ
اللہ کی آیتیں تم کو پڑھ پڑھ کر سنائی جاتی ہیں اور محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) جیسا رسول
تم میں مبعوث ہو چکا ہے، جو شخص اللہ کو مضبوطی سے پکڑے رہے تو وہی سیدھے
راستے لگ گیا، مسلمانو! اللہ سے ڈرو جیسا اُس سے ڈرنے کا حق ہے اور اسلام
ہی پر مرلو۔ سب مضبوطی سے اللہ کی رسی کو پکڑے رہو اور ایک دوسرے
سے الگ نہ ہونا۔ اللہ کا وہ احسان یاد کرو جب تم ایک دوسرے کے دشمن
تھے، پھر اللہ نے تمہارے دلوں میں الفت پیدا کر دی اور تم اُس کے ایک دوسرے
کے دشمن تھے اور تم آگ کے گڑھے کے کنارے آلگے تھے مگر اُس نے تم کو بچا لیا۔
اسی طرح اللہ نے اپنے احکام تم سے کھول کھول کر بیان کئے تاکہ تم راہ راست
پر آجاؤ اور تم میں سے ایک گروہ ایسا بھی ہونا چاہیئے جو لوگوں کو نیک کاموں
کی طرف بلائے اور اچھے کاموں کے کرنے کو کہے اور بُرے کاموں سے روکے
اور ایسی لوگ اپنی مراد کو پہنچیں گے اُن جیسے نہ بنو جو ایک دوسرے سے بچھڑ گئے
اور اپنے پاس کھلے کھلے احکام آئے پیچھے آپس میں لگے اختلاف کرنے یہی ہیں
جن کو آخرت میں بڑا عذاب ہوگا جس دن بعض لوگوں کے منہ سفید ہوں گے
اور بعض کے سیاہ، تو جو لوگ سیاہ رو ہوں گے اُن سے کہا جائے گا کہ تم
ایمان لائے پیچھے کافر ہو گئے تھے نا۔ تو اب کفر کی سزا میں عذاب کے مزے
چکھو اور جو لوگ سفید رو ہوں گے وہ اللہ کی رحمت میں ہوں گے اور ہمیشہ
اُسی میں رہیں گے۔

بارھویں رکوع کو پڑھیئے تو اور ایمان کو تقویت ہوگی اور دنیوی خوفوں
سے نجات ملے گی۔ یہ عریضہ خط کی حد سے بڑھ گیا ہے مگر جی نہیں چاہتا کہ اس

آیۃ کریمہ کا حوالہ :۔ دوں جوعین اس وقت میں پڑھ رہا تھا جب شوکت بھائی نے آپ کی تقریر سنائی وہ سورۂ حج کے تیسرے رکوع میں ہے اور یہ بھی قرآن پاک کا اعجاز ہے کہ جس وقت آپ کی تقریر پڑھی جا رہی ہو عین اُسی وقت اسی کمرے میں ایک دوسرا شخص یہ آیت تلاوت کر رہا ہو وہ یہ ہے۔

اِنَّ الذین کفروا ویصدون عن سبیل اللہ والمسجد الحرام الذی جعلنٰہ للناس سواءً ن العاکف فیہ والبادومن یرد فیہ بالحاد بظلم نذقہ من عذاب الیم۔

(جو لوگ کفر کرتے ہیں اور لوگوں کو خدا کے راستے سے روکتے اور بیت اللہ جانے سے مانع آتے ہیں جس کو ہم نے یکساں سب آدمیوں کے لیے معبد قرار دیا ہے۔ خواہ وہاں کے رہنے والے ہوں یا باہر کے ان کے روکنے والوں کو اور جو بیت اللہ میں الحاد و ظلم کا ارادہ رکھتے ہوں ہم آخرت میں عذاب کا دردناک مزا چکھائیں گے۔)

عالیجاہا۔ اس کو گستاخی نہ سمجھیئے بلکہ ایک دلسوز کی محبت اور ایک فدائے اسلام کی عقیدہ مذہبی کے تقاضے کا نتیجہ سمجھیئے۔ میں آپ کو گمراہ نہیں جانتا ورنہ جب رسول بھی اُن لوگوں کو راہ راست پر نہ لا سکے جن کو خدا نے گمراہ کیا تھا تو میں کیوں آپ کا اور اپنا وقت ضائع کرتا۔ مگر خوف ہے کہ "مصلحت وقت" احکام شرعی کی جگہ نہ لے لے اور آپ اپنی فرمانروائی کی مدد سے مسلمانوں کو تقویت دینے کے بجائے اور کمزور نہ کر دیں۔ خدا نے آپ کو دولت، عزت قوت بخشی ہے اور ان چیزوں میں ہم سے آپ کو کہیں زیادہ حصہ ملا ہے۔ کیا یہ اس کے مقتضی نہیں ہے کہ آپ ہم میں سے جو کمزور و ناتواں ہوں اُن کے اسلام کو اور زیادہ مضبوط کریں۔ یہ وقت اسلام کی قوت دکھانے کا ہے نہ کہ اپنی کمزوری۔ ایک دن سب کو خدا کے ہاں جانا ہے اس دن خدا آپ سے سب سے زیادہ سخت باز پرس

کرے۔ مگر ؎

عزم سفر مغرب و رو در شرق
اے رہرو پشت بہ منزل ہشدار

یہ اس رُباعی کا ایک شعر ہے جو شاہجہاں نے ثمن برج (قلعہ معلیٰ) میں کندہ کرائی تھی۔ تاکہ دنیاوی دلچسپیاں دینی فرائض سے اندھا نہ کردیں۔ کاش مغلوں نے اس رُباعی کو ہمیشہ پیش نظر رکھا ہوتا۔ اگر ایسا کیا ہوتا تو آج اُن کی اولاد در در گدا نہ ہوتی۔ جاورے کی ریاست کی فرمانروائی ایک معتد بہ چیز ہے مگر جس ہدایت کو بھول کر مغلوں نے سلطنت کھوئی اُس کو جاورہ کا رئیس بھلائے گا تو کیا نتیجہ ہوگا۔

اب میں اس طول طویل عریضہ کو ختم کرتا ہوں اور اگر اس میں کوئی امر ناگوار خاطر ہو تو آپ سے معافی کا خواستگار ہوں اور اگر امر حق کے اظہار میں کہیں کوتاہی ہوئی ہے تو خدا سے معافی کا طلب گار ہوں۔ اپنی حالت تو یہ ہے کہ

دریں دریائے بے پایاں دریں طوفاں موج افزا
دل افگندیم بسم اللہ مجریہا و مرسٰہا

سوائے خدا کے سب سہارے کمزور ہیں ہمیں صرف اُسی کا سہارا ہے اور وہ ہمارے لئے اور آپ کے لئے بس ہے (نعم المولیٰ ونعم النصیر) وان اللہ علیٰ نصرہم لقدیر الذین اخرجوا من دیارہم بغیر حق الا ان یقولوا ربنا اللہ۔
(اور خدا ان کی مدد کرنے کی قدرت رکھتا ہے جو اپنے گھروں سے ناحق نکالے گئے ہیں صرف اس کہنے پر کہ ہمارا رب تو اللہ ہے)،

دیکھئے کون سا قانون سزا دے گا مجھے
مجھ پہ الزام ہے مذہب کی طرفداری کا
مال گاڑی کا بھروسہ ہے جنہیں یا اکبر
ان کو کیا ڈر ہے گناہوں کی گرانباری کا

آپ کا ادنےٰ ترین خادم
محمد علی